ماہنامہ
حنا
اگست 2012
عید نمبر
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
www.paksociety.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامیات

ناولٹ

مستقل سلسلے

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماهنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! حنا کا اگست 2012ء کا شمارہ بطور ''عید نمبر'' پیش خدمت ہے۔

جب یہ شمارہ آپ تک پہنچے گا تو آپ رمضان المبارک کی برکات سمیٹنے کے ساتھ ساتھ عید الفطر کی تیاریوں میں بھی مصروف ہونگے۔

رمضان المبارک کے مہینے ہی میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا تھا، وقت کے دھارے نے ایک بار پھر یہ ساعتیں یکجا کردی ہیں۔

14 اگست وہ تاریخ ساز دن ہے جب اللہ تعالیٰ نے برصغیر کے مسلمانوں کو ایک عظیم نعمت، ایک علیحدہ وطن سے نوازا، مسلمانوں کی تاریخ میں ایک سنہرا باب رقم ہوا اور وہ کام جو ناممکن نظر آتا تھا مسلمانوں نے اپنے عزم، حوصلے، استقامت اور اتحاد سے ممکن کر دکھایا، اس وقت میں اور اب میں فرق صرف اتنا ہے تب ہم ایک قوم تھے اور ہمارے پاس ملک نہیں تھا جبکہ آج ہمارے پاس ملک تو ہے لیکن ایک قوم نہیں رہے، دشمنوں نے ہمیں مختلف گروہوں میں بانٹ دیا ہے، آج پاکستان جس مقام پر کھڑا ہے اس میں بہت کچھ غلط ہو چکا ہے، بہت کچھ غلط ہو رہا ہے، لیکن اگر ہم آج بھی اپنے آپ کو ٹھیک کرلیں اور ہر قسم کے تعصب سے بالاتر ہو کر اجتماعی سوچ پیدا کریں تو سب کچھ ٹھیک ہوتے دیر نہیں لگے گی۔

رمضان المبارک کے بعد عید کا تہوار اللہ تعالیٰ کا انعام ہے یہ پوری اُمت مسلمہ کی اجتماعی خوشیوں کا دن ہے ہمارے اردگرد بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو اس تہوار کو منانے کی استطاعت سے محروم ہوں گے آپ اپنی تیاریوں میں ان کا حصہ بھی شامل کرلیں، مدد سمجھ کر نہیں اپنا فرض سمجھ کر، ادارہ حنا کی جانب سے آپ سب کو عید مبارک، اللہ رب العزت سے اس دعا کے ساتھ کہ وطن عزیز کے لوگ کوئی ایسی عید منائیں جب دلوں پر کوئی بوجھ نہ ہو اور ہر چہرہ عید کی حقیقی خوشی سے سرشار نظر آئے آمین۔

اس شمارے میں: عید سروے، رمشاء احمد اور سحر شیخ کے مکمل ناول، سندس جبیں اور ثمینہ شیخ کے ناولٹ، صائمہ حجاب سحر، تحسین اختر، نظارت نصر، فوزیہ سلیم، سیمی کرن اور مبشرہ ناز کے افسانے، اُم مریم اور فوزیہ غزل کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے بھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

حمد

تنویر پھول

پار رہے ہیں رزق سب انسان بھی حیوان بھی
وہ ہے خالق وہ ہے رازق اور ہے منان بھی

نعمتیں اس نے زمیں کو دی ہیں بے شمار
اس کے احساں کے مظاہر کھیت بھی کھلیان بھی

رحمتہ اللعالمینؐ کو اس نے بھیجا ہے یہاں
اہل عالم پر ہوا ہے اس کا یہ احسان بھی

ہے عطا اس کی ہماری رہنمائی کے لئے
سیرت شاہ مدینہ بے بدل قرآن بھی

شرک جو کرتے ہیں جانیں یہ گھنہ ظلم عظیم
مانتا ہے وحدت معبود کو شیطان بھی

بخشتا ہے وہ گناہوں کو وہ کرتا ہے گرفت
نام اس کا ایک ہے قہار وہ رحمٰن بھی

پھول کرتا ہے دعا ہر شر سے یہ محفوظ ہو
خار و خس تخلیق اس کی سنبل و ریحان بھی

نعت

ناصر کاظمی

دل کی دنیا میں ہے روشنی آپؐ سے
ہم نے پائی نئی زندگی آپؐ سے

کیوں نہ نازاں ہوں اپنے مقدر پہ ہم
ہم کو ایمان کی دولت ملی آپؐ سے

کل بھی معمور تھا آپؐ کے نور سے
ہے منور جہاں آج بھی آپؐ سے

دشمنوں پر بھی در رحمتوں کا کھلا
راہ و رسم محبت چلی آپؐ سے

دل کا غنچہ چٹکتا ہے صلی اللہ
اپنے گلشن میں ہے تازگی آپؐ سے

سب جہانوں کی رحمت کہا آپؐ کو
کتنا خوش ہے خدا یا نبی آپؐ سے

ختم ہے آپؐ پر شان پیغمبری
یہ روایت مکمل ہوئی آپؐ سے

☆☆☆

پیارے نبی ﷺ

انشاء نامہ

سید اختر ناز

عیدین میں اذان اور اقامت

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دونوں عیدوں کی نماز کئی بار بغیر اذان کے اور بغیر اقامت کے پڑھی۔ (صحیح مسلم)

عیدالفطر میں صدقہ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نماز فطر کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور سیدنا ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب کے ساتھ گیا تو ان سب بزرگوں کا قاعدہ تھا کہ نماز، خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے اور اس کے بعد خطبہ پڑھتے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اترے یعنی خطبہ پڑھ کر، گویا میں ان کی طرف دیکھ رہا ہوں، جب انہوں نے لوگوں کو ہاتھ سے اشارہ کرکے بٹھانا شروع کیا پھر ان کی صفیں چیرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیت پڑھی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے فارغ ہوئے اور پھر فرمایا کہ تم نے ان سب کا اقرار کیا کہ اس میں سے ایک عورت نے کہا کہ ''ہاں اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!'' راوی نے کہا کہ معلوم نہیں وہ کون تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''صدقہ کرو'' پھر انہوں نے صدقہ دینا شروع کیا اور سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا کپڑا پھیلایا اور کہا کہ ''لاؤ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں'' اور وہ سب چھلے اور انگوٹھیاں اتار اتار کر سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کے کپڑے میں ڈالنے لگیں۔ (صحیح مسلم)

نماز عید میں کیا پڑھیں

عبیداللہ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا ابوواقد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید الضحیٰ اور فطر میں کیا پڑھتے تھے؟'' انہوں نے کہا کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں ق والقرآن المجید اور اقتربت ساعتہ وانشق القمر پڑھتے تھے۔'' (صحیح مسلم)

عورتوں کی نماز عید

سیدہ ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم کیا کہ ہم عید الفطر میں اور عید الاضحیٰ میں اپنی کنواری جوان لڑکیوں کو اور حیض والیوں کو اور پردہ والیوں کو لے جائیں، پس حیض والیاں نماز کی جگہ سے الگ رہیں اور اس کار نیک اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں، میں نے عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہیں ہوتی۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اس کی بہن اسے اپنی چادر اوڑھاوے۔'' (صحیح مسلم)

عید کے دن تفریح

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر آئے اور میرے پاس دو لڑکیاں بعاث کی لڑائی کے گیت گا رہی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچھونے پر لیٹ گئے اور اپنا منہ ان کی طرف سے پھیر لیا اور پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور مجھے جھڑکا کہ ''شیطان کی تان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس'' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ ''ان کو چھوڑ دو'' (یعنی گانے دو) پھر جب وہ غافل ہو گئے تو میں نے ان دونوں کے چٹکی لی کہ وہ نکل گئیں اور پھر حضرت عائشہؓ نے فرمایا وہ عید کا دن تھا اور سوڈان ڈھالوں اور نیزوں سے کھیلتے تھے، سو مجھے یاد نہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خواہش کی تھی یا انہوں نے خود فرمایا کہ ''کیا تم اسے دیکھنا چاہتی ہو؟''

میں نے کہا کہ ''ہاں۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا اور میرا رخسار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار پر تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ ''اے اولا دار فدہ! تم اپنے کھیل میں مشغول رہو۔''

یہاں تک کہ جب میں تھک گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''بس؟''

میں نے عرض کیا کہ ''ہاں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جاؤ۔'' (صحیح مسلم)

رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنا

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو رمضان کے روزے رکھے اور اس کے ساتھ شوال کے چھ روزے رکھے تو اس کو ہمیشہ کے روزوں کا ثواب ہوگا۔'' (پورے سال کے روزوں کا ثواب ہوگا) (صحیح مسلم)

عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت

ابن ازہر کے غلام ابوعبید سے روایت ہے کہ میں عید میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا اور آپ آئے اور نماز پڑھی پھر فارغ ہوئے اور لوگوں پر خطبہ پڑھا اور کہا کہ۔

''یہ دونوں دن ایسے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان (دونوں دنوں) میں روزہ رکھنے سے منع کیا ہے اور آج کا یہ دن رمضان کے بعد تمہارے افطار کا ہے اور دوسرا دن ایسا ہے کہ تم اس میں اپنی قربانیوں کا گوشت کھاتے ہو۔'' (مسلم)

عید فطر کے دن

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید الفطر کے دن جب تک کچھ کھجوریں نہ کھا لیتے نماز کے لئے نہ جاتے۔

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر یہی حدیث بیان کی اس میں یہ ہے کہ آپ طاق کھجوریں کھاتے، (بخاری شریف)

عید کی نماز کے لئے سویرے جانا

عبداللہ بن بسر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (ملک شام میں امام کے دیر سے نکلنے پر اعتراض کیا اور) کہا اس وقت تو ہم نماز سے فارغ ہو جاتے تھے یعنی جس وقت نفل پڑھنا درست ہوتا ہے۔ (بخاری شریف)

سب مسلمان بھائی ہیں

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''حسد مت کرو، اور ایک دوسرے سے دشمنی مت کرو اور تم میں سے کوئی دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ اور مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، پس نہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو ذلیل کرے نہ اس کو حقیر جانے، تقویٰ اور پرہیز گاری یہاں ہے۔''

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ کیا (یعنی ظاہر میں عمدہ اعمال کرنے سے آدمی متقی نہیں ہوتا، جب تک اس کا سینہ صاف نہ ہو) اور آدمی کو یہ برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، مسلمان کی سب چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں اس کا خون، مال، عزت اور آبرو۔'' (مسلم)

تقویٰ کی اہمیت

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا لیکن تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھے گا۔'' (مسلم)

پردہ پوشی

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب کسی بندے پر اللہ تعالیٰ دنیا میں پردہ ڈال دیتا ہے تو آخرت میں بھی پردہ ڈالے گا۔''

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو کوئی شخص دنیا میں کسی بندے کا عیب چھپائے گا اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کا عیب چھپائے گا۔ (مسلم)

ساتھ بیٹھنے والوں کی سفارش کے بیان میں

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب کوئی شخص ضرورت لے کر آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں سے فرماتے۔

''تم سفارش کرو، تمہیں ثواب ہوگا اور اللہ تعالیٰ تو اپنے پیغمبر کی زبان پر وہی فیصلہ کرے گا جو چاہتا ہے۔'' (مسلم شریف)

قیامت کے دن

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین آدمیوں سے بات تک نہ کرے گا اور نہ ان کی پاک کرے گا، نہ ان کی طرف (رحمت کی نظر سے) دیکھے گا اور ان کا دکھ کا عذاب ہے، ایک تو بوڑھا زنا کرنے والا، دوسرے جھوٹا بادشاہ، تیسرے مغرور محتاج۔''

اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھانا

سیدنا جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک شخص بولا۔

''اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو نہیں بخشے گا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''وہ کون ہے جو قسم کھاتا ہے کہ میں فلاں کو نہ بخشوں گا۔'' میں نے اس کو بخش دیا اور اس کے (جس نے قسم کھائی تھی) سارے اعمال لغو (بیکار) کر دیئے۔

بدگمانی

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو اجازت دو، یہ اپنے کنبے میں ایک برا شخص ہے، جب وہ اندر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے نرمی سے باتیں کیں تو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اس کو ایسا فرمایا تھا پھر اس سے نرمی سے باتیں کیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اے عائشہ! برا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت میں وہ ہوگا جس کو لوگ اس کی بدگمانی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔''

درگزر کرنے کے بیان میں

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''صدقہ دینے سے کوئی مال نہیں گھٹتا اور جو بندہ معاف کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور جو بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے عاجزی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔

مسلمانوں کو ایذا پہنچانا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اور جو لوگ مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی (ایسا) کام کیا ہو (جس سے وہ سزا کے مستحق ہو جائیں) ایذا پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔'' (احزاب)

ف:۔ اگر ایذا زبانی ہے تو بہتان ہے اور اگر عمل سے ہے تو صریح گناہ ہے۔

ناپ تول میں کمی کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''بڑی تباہی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے کہ جب لوگوں سے (اپنا حق) ناپ کر لیں تو پورا لے لیں اور جب لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم کر دیں، کیا ان لوگوں کو ان کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے، جس دن تمام لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے (یعنی اس دن سے ڈرنا چاہیے اور ناپ تول میں کمی سے توبہ کرنی چاہیے) (مطففین)

عیب تلاش کرنا

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔

''اگر تم لوگوں کے عیب تلاش کرو گے تو ان کو بگاڑ دو گے۔'' (ابوداؤد)

ف:۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں عیوب کو تلاش کرنے سے ان میں نفرت، بغض اور بہت

سی برائیاں پیدا ہوں گی اور ممکن ہے کہ لوگوں کے عیوب تلاش کرنے اور انہیں پھیلانے سے وہ لوگ ضد میں گناہوں پر جرأت کرنے لگیں، یہ ساری باتیں ان میں مزید بگاڑ کا سبب ہوں گی۔

مسلمانوں کو ستانا

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''مسلمانوں کو ستایا نہ کرو، ان کو عار نہ دلایا کرو اور ان کی لغزشوں کو نہ تلاش کیا کرو۔'' (ابن حبان)

راستہ بند کرنا

حضرت انس جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گیا، وہاں لوگ اس طرح ٹھہرے کہ آنے جانے کے لئے راستہ بند ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں میں اعلان کرنے کے لئے ایک آدمی بھیجا کہ جو اس طرح ٹھہرا کہ آنے جانے کا راستہ بند کر دیا، اسے جہاد کا ثواب نہیں ملے گا۔ (ابوداؤد)

مسلمان کو تکلیف دینا

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''جس شخص نے کسی مسلمان کی پیٹھ کو ننگا کر کے ناحق مارا، وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہو گا۔ (طبرانی، مجمع الزوائد)

مفلس کون ہے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (صحابہ رضی اللہ عنہم سے (ارشاد فرمایا۔

''کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔

''ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی درہم (پیسہ) اور (دنیا کا) سامان نہ ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نماز، روزہ، زکوۃ (اور دوسری مقبول عبادتیں) لے کر آئے گا مگر حال یہ ہو گا کہ اس نے کسی کو گالی دی ہو گی، کسی پر تہمت لگائی ہو گی، کسی کا مال کھایا ہو گا، کسی کا خون بہایا ہو گا اور کسی کا مارا پیٹا ہو گا تو اس کی نیکیوں میں سے ایک حق والے کو (اس کے حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی، ایسے ہی دوسرے حق والے کو اس کی نیکیوں میں سے (اس کے حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی، پھر اگر وہ دوسرے کے حقوق چکائے جانے سے پہلے اس کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو (ان کے حقوق کے بقدر) حقداروں اور مظلوموں کے گناہ (جو انہوں نے دنیا میں کیے ہوں گے) ان سے لے کر اس شخص پر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اس کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔'' (مسلم)

☆☆☆

قصہ آب رواں کا

ابن انشاء

لاہور میں زنانہ پولیس کے ٹریفک سنبھالنے کی خبریں کراچی پہنچی ہیں اور منو بھائی کے کالم کے باوجود بہت سے لوگ لاہور جانے اور اپنا چالان کرانے کے لئے پر تول رہے ہیں، بلکہ مطالبہ ہو رہا ہے کہ کراچی میں بھی ایسا ہی کیا جائے، تاکہ لوگوں کو چالان کرانے اور مار کھانے کے لئے دور کا سفر نہ اختیار کرنا پڑے، لاہور کے اخباروں میں یہ آیا ہے کہ جہاں زنانہ پولیس کو ٹریفک کنٹرول کے لئے متعین کیا گیا، وہیں ٹریفک کا مسئلہ پیدا ہو گیا، تماشائی ہجوم بن کر آئے، ٹھٹ لگ گئے، ظاہر ہے کہ یہ بیبیاں اس ٹریفک کو کنٹرول کرنا جانتی ہوں گی اور کر لیں گی لیکن ایسے ہی موقع کے لئے شاعر نے کہا ہے۔

آب رواں کے اندر مچھلی بنائی تو نے
مچھلی کے تیرنے کو آب رواں بنایا

ٹریفک کنٹرول کرنا بلکہ کسی طرح کا بھی کنٹرول عورتوں کے لئے کوئی مشکل بات نہیں، یہ تو سڑک کی آمد و رفت ہے اس دنیائے رنگ و بو میں، کوئی ان کی اجازت کے بغیر قدم نہیں رکھ سکتا، اسی لئے جب نیستی سے ہستی کے راستے پر کنٹرول کی ضرورت پڑتی ہے اور اس کے لئے منصوبہ بندی کے محکمے بنتے ہیں تو عورتوں ہی سے پہل کی جاتی ہے کہ کسی کو آنے نہ دیں بہت رعایت کی تو ایک یا دو کا کوٹہ مقرر کر دیا، یہ بھی قطرہ قطرہ بہت ہو جاتے ہیں، رات کو دیر سے گھر آنے والے بہت سے صاحبان بھی خواتین کی ٹریفک کنٹرول کرنے کی صلاحیتوں کا تجربہ رکھتے ہوں گے، بعضے تو دروازے پر لال بتی دیکھ کر دیوار پھاندنا مستحسن سمجھتے ہیں، یا اپنے ساتھ کسی نوحہ گر کو رکھتے ہیں تاکہ بیلن یا جھاڑو کا پہلا وار اسی پر ہو، تفصیل کے لئے دیکھیے ہماری کتاب ''قصہ ایک کنوارے کا'' میں دل خوش خان کا احوال۔

☆

لاہور سے اس قسم کی خبریں بھی آئی ہیں کہ اگر کسی چوک پر ٹریفک کی چھتری کے نیچے کوئی ایسی سپاہن کھڑی کر دی گئی کہ نک سک سے درست کچھ طرح داری بھی رکھتی ہو تو بعض موٹروں والے اس چھتری ہی کا طواف شروع کر دیتے ہیں، برابر وہیں گھوم رہے ہیں، سنا ہے ان کو نظر بد سے بچانے کے لئے یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ ان کے ساتھ کوئی مرد کانسٹیبل بھی رہے، جو لوگوں کو ہٹو بچو کرتا رہے، چونکہ بعض مرد کانسٹیبل وغیرہ بھی طرح دار ہوتے ہیں، اس لئے اس جوڑے پر ایک اور سنتری کو متعین کرنے کی ضرورت بھی پیش آئے گی، یوں ٹریفک کا مسئلہ حل ہو نہ ہو، لوگوں کی بے روزگاری کا مسئلہ بڑی حد تک حل ہو سکتا ہے۔

انہی دنوں خبر آئی کہ برژی باردوت نے چور پکڑا، برژی باردوت کو سبھی جانتے ہیں قتالہ عالم ہے، یہ خبر فرانس کی ہے اور راوی یوں بیان کرتا ہے کہ مس باردوت نے ایک شخص کو چھت پر فرار ہوتے دیکھ کر سختی سے ڈانٹا، اس شخص نے حکم کی تعمیل کی اور اس کی خواب گاہ سے چرائی ہوئی

رقم اور زیور اس کے حوالے کر دیے، مس باردوت کو چاہیے تھا کہ چور کی اس ادا پر خود قربان ہو جاتیں لیکن انہوں نے پولیس کو فون کر دیا اور اس نے اس نا معلوم شخص کو آ کر گرفتار کر لیا، مس باردوت کا تعلق فلموں سے ہے ان کو چور بھی فلمی ملا، یوں لگتا ہے کہ بے چارا پہلے ہی موصوفہ کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو چکا تھا، عام زندگی میں لوگ ایسے سدھے ہوئے نہیں ہوتے، کوئی روکے یا للکارے تو چاقو یا پستول سے جواب دیتے ہیں، پولیس کو ٹیلی فون کرنے کی اجازت تو جہاں تک ہمارا خیال ہے کوئی بھی نہیں دیتا، ہمیں تو یہ سارا افسانہ لگتا ہے۔

☆

چوری کے ساتھ کوئی اور قافیہ باندھتے منو بھائی سے ڈر لگتا ہے لیکن بندہ بشر ہے، فوجی وردی میں کیوں نہ ہو، ہمیں ڈر ہے، یہ بیبیاں کہیں سماج ہی کو لال بتی نہ دکھانا شروع کر دیں اور یہ منظر نہ کو سماج تو آ کر لال بتی پر ٹھٹک گیا اور انہوں نے ہر بتی کے سرخ سڑک پار بھی کر لی اور کسی راہ گیر کا ہاتھ پکڑے پکڑے قاضی کے ہاں راضی ہونے پہنچ گئیں، جن لوگوں نے لاہور میں زنانہ پولیس کا ڈول ڈالا ہے، انہوں نے شاید مگس کے باغ میں جانے اور پروانے کا خون ناحق ہونے کا قصہ نہیں سنا، بس اتنا دیکھا کہ جہاں کسی لیڈی کانسٹیبل نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ ٹھہرو، وہاں دس آدمی ٹھہر گئے بلکہ پوچھنے لگے کہ محترمہ آگے کیا حکم ہے، کھڑے رہیں یا چلے جائیں۔

☆

گھر آئے چور کو پولیس کے حوالے کرنے کی بات ہمیں پسند نہیں آئی، ویسے جو چاہے برژی باردوت کا حسن کرشمہ ساز کرے، اس چور سے ہمیں او ہنری کے ایک قصہ کا چور یاد آیا جو ایک شخص کے ہاں چوری کرنے گیا تھا پستول دکھا کر کہنے لگا۔

"ہاتھ کھڑے کرو۔"

اس شخص نے ایک ہاتھ کھڑا کیا، چور نے کہا۔

"دوسرا بھی۔"

اس شخص نے معذرت کی کہ گٹھیا ہے، اس ہاتھ کو میں جنبش نہیں دے سکتا، چور نے پوچھا۔

"ورم بھی ہے۔"

اس شخص نے کہا پہلے تھا، اب نہیں ہے، اس پر مکالمہ بازی شروع ہو گئی۔

"بقراطی گولیاں استعمال کیں؟"

"پانچ مہینے متواتر، ان کے علاوہ لبوب کبیر معجون فلاسفہ اور اطریفل جالینوس بھی استعمال کر دیکھے، حتیٰ کہ لعوق خراسانی بھی کھاتا ہوں۔"

اب چور اپنا کام تو بھول گیا، مشورے دینے لگا اور بولا۔

"مجھے بھی یہ مرض رہا ہے ڈاکٹری علاج کرایا؟"

مریض نے کہا۔

"بہت کرایا میرے نزدیک ڈاکٹر سب کے سب چور ہیں۔"

اس چور نے ڈاکٹر بنتے ہوئے اسے ایک دو نسخے اور بتائے فاسفورس کا تیل وغیرہ، مریض نے کہا۔

"پھر تو ایک ہی دوا ہے، شراب کے دو گھونٹ جو کام کرتے ہیں وہ ان تیلوں اور معجونوں کے بس کی بات نہیں، چلو ذرا کپڑے پہنو، باہر کوئی شراب خانہ کھلا ہو تو دو گھونٹ پی آئیں، تکلف مت کرو، پیسے میرے پاس ہیں۔"

☆☆☆

یہ سلسلے چاہتوں کے

فوزیہ شفیق

عید کا دن رنگوں، خوشبوؤں سے عبارت ہے، عید کا دن گلے، شکوے مٹانے کا دن ہے محبت اور دوستی کے اظہار کا دن ہے، اگر ہم ماضی کو آواز دیں تو عید کے حوالے سے بہت سی یادیں ہمارے ذہن پر دستک دیتی ہے، اسی حوالے سے ہم نے ایک سروے کیا ہے، سروے کے سوالات یہ ہیں۔

سروے کے سوالات:

۱۔ چاند رات اور عید کی تیاریوں کا احوال لکھیے، اس عید پر آپ نے عید منانے کے لئے کیا خاص پروگرام بنایا ہے؟

۲۔ عید ہمارا مذہبی تہوار ہے کیا آپ کی زندگی میں کوئی ایسی عید آئی جس کی یاد آج بھی خوشی سے آپ کو سرشار کر دیتی ہو؟

۳۔ ایسی کوئی خاص ڈش جو عید پر آپ سے فرمائش کر کے بنوائی جاتی ہو ہمیں اس کی ترکیب لکھیں؟

۴۔ آپ کو اپنی مرضی سے عید منانے کا اختیار دیا جائے تو کیسے منائیں گی؟

۵۔ عید کے حوالے سے کوئی شعر، نظم یا خوبصورت جملہ؟

۶۔ عید کا دن آپ کس سیاسی شخصیت کے ساتھ گزارنا چاہیں گی؟

آیئے دیکھتے ہیں مصنفین نے کیا جوابات دیے ہیں۔

فوزیہ غزل .... پسرور سیالکوٹ

روشن روشن دن ہوں تیرے روشن روشن رات
ہر لمحہ تیرے آنگن اترے خوشیوں کی بارات

سب سے پہلے تو میری طرف سے ادارہ حنا اپنے پیارے ریڈرز، رائیٹرز اور امت مسلمہ کو رمضان اور عید مبارک، اپنی دعاؤں میں سب کو یاد رکھیں بشمول میرے اب آتے ہیں فوزیہ شفیق کے سوالنامہ کی طرف۔

۱۔ ڈیئر فوزیہ میں عید کی تیاری شروع رمضان میں کر لیتی ہوں مثلاً پورے رمضان میں افطاری و سحری کا مینو بنا لینا، تمام ضروری اشیاء آغاز رمضان سے پہلے خرید لینا پھر جو کپڑے جوتے چوڑیاں جیولری ہو وہ درمیان رمضان میں مکمل کر لینا چاند رات کی شاپنگ شادی سے پہلے کرتی تھی، پچھلے پانچ سال میں کسی چاند رات کو خصوصی طور پر کچھ نہیں خریدا نہ باہر گئے، ہاں اس دفعہ پروگرام ہے کہ خوب شاپنگ سیر اور انجوائے منٹ کرنی ہے اگر اللہ نے چاہا تو یہ عید خوشی کے تمام لوازمات سمیت منائیں گے۔

۲۔ عید بذات خود ایسی روحانی و ذہنی طہارت و

پاکیزگی اور خوشی کا احساس عطا کر دیتی ہے
رمضان المبارک کی بابرکت و رحمت آمیز
ساعتوں کے حوالہ سے کہ باقی ہر خوشی چھوٹی
لگتی ہے، البتہ آپ نے پوچھا ہے تو ایک
بہت خوشگوار یاد شیئر کرتی ہوں میری شادی
کے بعد پہلی عید آئی تو بیسویں روزے کو
میرے بھائی مجھے میکے لے گئے میں وہاں
اعتکاف میں بیٹھی اور انتیسویں روزے کی
شام بنا مطلع کیے اچانک میرے میاں
شیخوپورہ آ گئے اور ان کے آتے ہی چاند نظر آ
گیا مجھے اعتکاف سے میری پھپھو نے اٹھایا
ان کے تعاقب میں ساجن جی کھڑے نظر
آئے جو خوشی و مسرت اچانک انہیں پا کر
ہوئی بیان نہیں کر سکتی وہ عید اب بھی یاد آ کر
خوشی کے بہت سے پھول کھلا دیتی ہے۔

۳۔ سچ کہوں تو مجھ سے بہت کچھ بنوایا جاتا ہے
عید پر کیونکہ میرے میاں کھانے کے
معاملے میں بہت چٹورے ہیں اور دہی
بھلے، سویاں، فرنی، تکے، قیمہ ایگ رولز،
کسٹرڈ، فرائی اور بھنا گوشت، بریانی شامی
کباب، فرائی فش، جو دو تین دن وہ گھر
گزارتے ہیں تو میں بس کچن میں مصروف
ہوتی ہوں اور اسی مصروفیت میں آتے جاتے
عزیز اقرباء بھی نمٹاتی ہوں جبکہ خود کہیں جا
نہیں پاتی جو ڈش خصوصاً ہر بار ان کی فرمائش
پر بناتی ہوں وہ بہت منفرد اور مزے دار ہے
آسان بھی ترکیب نوٹ کر لیں۔

قیمہ اور آلو کے رول:۔
قیمہ قدرے موٹا، ایک پاؤ، آلو کدوکش کیے
ایک پیالی، میدہ آدھ کلو، پیاز درمیانہ سائز
ایک عدد، سبز مرچ باریک کٹی ہوئی آٹھ عدد،
انڈے دو عدد، قیمہ دھو لینے کے بعد اسے
تھوڑے سے گھی میں فرائی کریں ساتھ آلو
کش شدہ بھی بھونیں جب فرائی ہو کر رنگت
بدلنے لگے تو نمک مرچ حسب ذائقہ ڈالیں
ساتھ کٹا ہوا پیاز اور سبز مرچیں ڈال کر خوب
بھونیں۔
اب گندھے میدہ کی گول ٹکیاں بنا کر ہر ٹکی
کے درمیان میں لمبائی کے رخ پہ بھنا آمیزہ
چمچ سے رکھ لیں اور ٹکی کو موڑ کر رول کی شکل
میں لپیٹ کر کناروں پر پھینٹا ہوا انڈہ لگا کر
بند کر لیں تا کہ کھلنے نہ پائے پھر فرائی پین
میں اتنا گھی یا آئل ڈالیں کہ جس میں رولز
ڈیپ ہو جائیں اور تین تین کر کے تلتی
جائیں، براؤن ہونے پر نکال کر ڈش میں
رکھتی جائیں یہ دوپہر کو تندوری روٹی نان
کے ساتھ کیچپ، دہی ڈال کے لنچ میں
استعمال کریں بہت لطف آئے گا، ورنہ سادہ
بھی کھائے جا سکتے ہیں۔

۴۔ اپنی مرضی سے عید منانے کا اختیار مل جائے تو
کیا کہنے پھر میں یہ عید کسی دور دراز کے مقام
پر بڑے سکون سے ہوٹلنگ ٹریول اور لانگ
ڈرائیو کر کے مناؤں یا کسی ویلفیئر ٹرسٹ میں
اسپیشل بچوں کے ساتھ، کسی یتیم خانہ میں
لاوارث بچوں کے درمیان، کسی اولڈ ہوم
میں منتظر بے بس، لاچار بوڑھے والدین
کے ساتھ، میرے بس میں ہو تو میں یہ عید
اپنے غریب وطن کے غریب مزدوروں کے
ساتھ مناؤں جو دن بھر سڑکوں پر پتھر توڑ کے
اپنے بچوں کو شام کا کھانا دیتے اور خود
بھوکے سوتے ہیں، جن کی بے کسی و مفلسی کا
احساس اکثر ایسے منظر سے گزرتے میری
آنکھیں بھر دیتا ہے میں عید کی خوشیاں ان
کے خالی ہاتھوں پہ رکھنا چاہتی ہوں۔

۵۔ عید کے حوالے سے ایک شعر کبھی نہیں بھولا
جو میری بہت عزیز دوست ریحانہ علی احمد
(مدیرہ کرن) نے مجھے ایک بار عید کارڈ پر لکھا
تھا۔

ایک خواہش ہے کہ تجھے خود سے بھی زیادہ چاہوں
میں رہوں نہ رہوں میری وفا رہ جائے

اور نظم عید کے حوالہ سے ہی ایک خواہش
ایک دعا ایک پیغام سب کے لئے اور سب کے
نام کر۔

کوئی ایسی شمع جلائیں
روشنی جس کی سب کو راستہ دکھائے
کوئی ایسا سورج نکالیں
تقدیریں جو سب کی چمکائے
کوئی نغمہ ایسا گائیں ہر دل کی جو بھا جائے
اور غم سارے بھگائے
کوئی ایسا لفظ کہیں
تاثیر جس کی سب کو ملے
کوئی ایسا پھول کھلائیں
جو ہر چہرہ مہکائے
کوئی ایسا کام کریں
جو خوشی سے ہر چہرہ چمکائے
کوئی ایسا قدم اٹھائیں
پہنچا دے جو منزل پر
کسی آنکھ سے آنسو نہ بہیں
کسی دل میں رنج نہ رہے
بے خوف یہ خلق خدا کہے
ہم سے بڑھ کر کون؟

۶۔ کیا ہمارے سیاستدان اس قابل ہیں کہ ہم
اپنی عید خراب کریں ان کے ساتھ منا کر مگر سیاسی
نقطہ نظر سے پرے صرف اور صرف جذبہ خلوص و
ہمدردی اور احساس ممنونیت ایک شخص ہے جس
کے انسانی رویے و خدمت خلق سے متاثر اگر
ہوں تو عمران خان کے کینسر ہسپتال میں نادار
مریضوں اور کینسر زدہ بچوں کے ساتھ عید منانا
چاہوں گی میری ایک بہت شدید خواہش کہ حنا کے
ادارے میں سردار محمود صاحب، فوزیہ شفیق اور
اپنی پیاری قلمکار ساتھیوں کے ساتھ زندگی نے
موقع دیا تو انشا اللہ یہ خواہش پوری ہو گی کہ یار
زندہ صحبت باقی۔
آپ سب کی خوشیوں اور سلامتی کی دلی دعا
ہے اس ماہ خوش نصیب و رحمت بھری ساعتوں
میں میرے لئے دعا کیجئے گا کہ میرا رب مجھے
اولاد عطا کر دے مجھے یقین ہے بے غرض اور
خلوص سے مانگی دعا ضرور قبولیت پاتی ہے اور
آپ کی دعا ہی میرا انعام ہے اپنا خیال رکھیے گا۔

سپاس گل .... رحیم یار خان

۱۔ سب سے پہلے تو تمام اہل وطن کو حنا کے تمام
قارئین کو رائٹرز ایڈیٹرز کو ہماری جانب سے
دلی عید مبارک قبول ہو، ٹھنڈی میٹھی سویاں
کھاتے ہوئے یا مزیدار شیر خورمہ کھاتے
ہوئے ہمیں اپنی میٹھی میٹھی دعاؤں سے نوازنا
مت بھولیے گا، جزاک اللہ۔
چاند رات کو دراصل ہم عید کی سب تیاریاں
مکمل کر لیتے ہیں، پھر وہ چاہے گھر کی صفائی
ہو کپڑوں کی دھلائی ہو، یا ہاتھوں میں مہندی
رچانی ہو، کپڑے پریس کرنے کا کام بھی وقفے
وقفے سے جاری رہتا ہے، آپ یہ مت سمجھئے
گا کہ ہم کام چور ہیں یا تھک جاتے ہیں
کپڑے پریس کرتے ہوئے نہ جی نہ، کام
سے ہم نہیں تھکتے، یہ تو بھلا ہو واپڈا والوں کا
کے جنہیں ہمارے آرام کا خیال رہتا ہے اور
وہ لوڈشیڈنگ کر کر کے ہم سے اپنی محبت کا
اظہار کرتے رہتے ہیں، تیر رات کے بارہ
بجے تک تمام فیملی ممبرز کے کپڑے استری ہو

ہی جاتے ہیں، پھر ہم ہاتھوں پر مہندی لگواتے ہیں، میکے کی عیدیں تو خوب رونق افروز ہوا کرتی تھیں، اب دیکھیئے سسرال میں ہماری یہ پہلی عید ہوگی بشرط زندگی، اس عید کا خاص پروگرام تو یہ ہے کہ ہمارے سسرال والے ہمارے میکے میں ہم سب کے ساتھ مل کر عید منائیں گے، یہ محض ہمارا خیال ہے اب دیکھیئے عمل درآمد ہوتا یا نہیں۔

۲۔ الحمدللہ عیدیں تو سبھی خوشگوار گزری ہیں اللہ کے فضل و کرم سے مگر ایسی کوئی عید نہیں یاد کے جس کی خوشی آج بھی خوشی سے سرشار کر دیتی ہو، اللہ سے دعا ہے کہ آنے والی عیدیں ہمارے لئے اتنی خوشگوار ثابت ہوں کے ہم تاعمران کے سحر سے سرشار رہیں، آمین۔

۳۔ فوزیہ آپی! ہم سے آپ جو چاہیں ڈش بنوا لیں مگر پلیز ترکیب لکھنے کا امتحان مت لیں، ہمیں پکانا آسان لگتا ہے، ترکیب پکوان لکھنا بہت مشکل لگتا ہے، بھئی ہم کسی کو فرمائش کرنے جو گا چھوڑتے ہی نہیں ہیں، ہمارا مطلب ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ گھر کے کس فرد کو کون سی ڈش بے حد پسند ہے سو ہم سب کی پسند کی ڈشز تیار کر کے انہیں مزیدار عیدی دیتے ہیں، سسرالی نمک مرچ کھاتے کم ہیں لگاتے زیادہ ہیں اس لئے جو بنے گا ان کی من مرضی کا بنے گا، اپنی من مرضی بس میکے تک، سسرال کا دل جیتنا ہے تو ان کے معدے کے پسند کا خیال رکھنا ہو گا کیوں بھئی شادی شدہ بہنوں ٹھیک کہہ رہے ہیں نا ہم؟

۴۔ ہائے اپنی مرضی کتنی اٹریکشن ہے نا ان دو لفظوں میں اپنی مرضی آپی جی اپنی مرضی سے عید منانے کا اختیار مل جائے تو ہم آپ کو فوزیہ آپی ساتھ لیں گے اور اپنی تمام سہیلیوں مومو (ام مریم)، فریدہ جاوید فریحی، سندس جبیں، مدیحہ تبسم، فردوس نعیم، نوشی، ثوبیہ نعیم، ناصرہ عنبرین، جوجی، ٹینا، زرین، رابعہ بھابھی، روبی بھابھی، شاہدہ بھابھی، عائشہ سحر مرتضی، کنول اور بہنوں کو ساتھ لے کر کسی اچھے پکنک پوائنٹ پہ جائیں گے جہاں صاف شفاف پانی کی جھیل بھی ہو تاکہ اگر کوئی لڑکی شرارت کرے تو اسی وہیں ڈبکی لگوا دیں ہاہاہا اور سب مل کر خوب کھائیں پئیں، کھیلیں، گائیں، مزے اڑائیں، اف کتنا مزا آئے گا نا، لیجئے خیال پلاؤ ختم ہو گیا اب الحمدللہ پڑھ لیں سب، ہاں نہیں تو۔

۵۔

عید پر بھی تیری دید کو ترستے ہیں
میرے نیناں چھماں چھم برستے ہیں
ساتھ جیون بھر بھلا تم دو گے ؟
ہم تو یہ سوچ کر ہی ہنستے ہیں
وہ جنہیں راس آ گئیں خوشیاں
وقت سے پہلے بھی کیا وہ مرتے ہیں
ایک موقع ہے عید ملنے کا
لوگ ملنے سے کیوں جھجکتے ہیں
اپنی خوشیاں ہیں کس کے ہاتھوں میں
کسی کی مٹھی میں دل دھڑکتے ہیں
رنجشیں خود ہی تم بھلا دو گل
لوگ پتھر ہیں کب سدھرتے ہیں

۶۔ لو جی کر لو گل، اب عید کا دن بھی خراب کر لیں، ملک کا حال تو خراب کر ہی دیا ہے ان سیاست دانوں نے ہم بھلا ان کے ساتھ مل کر عید کیوں منائیں گے ہاں اگر کوئی سیاسی شخصیت ہم سے مل لی تو پھر وہ کسی کو نہیں ملے گی، کیوں؟ ذہین ہیں تو وجہ خود سمجھ جائیں، ہم جیسے دل جلے محب وطن تو اس انتظار میں رہتے ہیں کہ کوئی سیاست دان ہاتھ لگے ہی پھر اس کی خیر نہیں، اللہ ہمارے ملک کو نمبر دو، جعلی اور کرپٹ سیاستدانوں سے اپنی پناہ میں رکھے آمین۔

ہاں اگر ممکن ہوتا تو ہم قائداعظم محمد علی جناحؒ سے ملنا چاہتے ان کے ساتھ اپنی عید گزارتے تو عید سچ مچ عید یعنی خوشی کا باعث ہوتی، اصل سیاسی شخصیت تو محمد علی جناحؒ تھے، اپنا تن، من دھن وطن پر لٹانے والے، اللہ ان کی روح کو جنت الفردوس میں بلند درجہ عطا فرمائے، آمین۔

پاکستان زندہ باد، اہل وطن کو جشن آزادی چودہ اگست مبارک ہو، قائداعظم پائندہ باد آمین۔

نظارت نصر..................فیصل آباد

اس مرتبہ پرچہ کافی لیٹ موصول ہوا لیکن ٹائٹل دیکھ کر ساری کوفت اڑن چھو ہو گئی، ساتھ یہ سوالنامہ ہاتھ میں آ گیا، سوالنامہ دیکھتے ہی مجھے فون پر دی جانے والی فوزیہ کی ہدایت بھی یاد آ گئی کہ سروے کے جواب ضرور لکھنا ہمیں خوشی ہو گی، سو جی کاغذ قلم سنبھال بیٹھ کر جواب لکھنے شروع کیے۔

چاند رات؟ ہاں جی چاند رات میں بازار وغیرہ تو نہیں جاتے بس گھر میں ہی تھوڑا ہلا گلا ہو جاتا ہے، سب سے پہلے تو چاند تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، کامیابی کی صورت میں جوش و خروش سے دوسروں کو متوجہ کیا جاتا ہے کہ "جی مابدولت نے چاند تلاش کر لیا ہے" یعنی چاند نہ ہوا قارون کا خزانہ ہو گیا، بس پھر سب سے گلے ملنا، مبارکباد دینا اور دعا کرنا۔

اس کے بعد بھاگم بھاگ نیچے کا رخ کرنا کہ اعتکاف والوں سے ملنا ہوتا ہے، بس اسی مصروفیت میں ہوتے ہیں کہ محلے کی بچیاں مہندی لگوانے آ جاتی ہیں، دس بارہ بچیوں کے دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک مہندی لگاتے ہوئے وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا، اس سے فارغ ہو کر عید کی باقی ہلکی پھلکی تیاری کی جاتی ہے پھر تھکن سے چور بدن لے کر بستر پر جا پڑتے ہیں۔

خاص پروگرام تو کوئی نہیں ہوتا، عموماً ہر مرتبہ اسی روایتی انداز میں عید منائی جاتی ہے۔

واقعی عید جیسا مذہبی تہوار خوشی دیتا ہے، مگر مجھے اپنے بچپن کی عید یاد آتی ہے، ہمارے گھر کے قریب ہی مسجد اور ساتھ ہی سکول تھا اس سکول میں مردوں کے ساتھ ہی عورتوں کے لئے نماز عید کا بندوبست کیا جاتا تھا۔

ہم تو خیر چھوٹی تھیں مگر باجی اور والدہ کو نماز ادا کرنا ہوتی تھی، سو فیصلہ ہوا کہ صبح وقت پر عید گاہ پہنچنے کے لئے فجر کے وقت اٹھ کر نہا دھو کر تیار ہو جائیں گے، کیونکہ نماز عید کا وقت بہت صبح صبح کا تھا۔

چلیں جی ایک دوسرے کو ہدایت کی گئی کہ جس کی بھی آنکھ اس وقت کھل گئی باقیوں کو جگا دے، لو جی عید وہ بھی چند گھنٹوں کی دوری پر، ہم شام سے کوئی دس مرتبہ اپنے پریس کیے ہوئے عید کے کپڑوں نئے چمچماتے جوتوں اور جگمگ کرتی چوڑیوں کو چھو کر دیکھ چکے تھے، دل بے صبری سے صبح عید کا منتظر کہ کب صبح ہو اور ہم یہ سب پہن کر دوستوں میں نکلیں۔

بس ایسی سوچوں میں نیند کیا خاک آنی تھی، ہم آنکھیں بند کریں تو ادھر چھم سے عید کے

کپڑے جوتے سامنے، کبھی اپنے دوستوں کے ساتھ ترتیب دیئے گئے عید منانے کے پروگرام آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتے، بس ایسے ہی اونگھتے جاگتے دور کہیں ہمیں اذان کی آواز سنائی دی۔

بس پھر کیا ہم نے چھلانگ لگائی بستر سے اترے فٹافٹ ایک سے دوسرے کو جگایا اور بھاگے سب سے پہلے واش روم کی طرف والدہ بولیں۔

''ارے فجر میں صرف ایک گھنٹہ ہوتا ہے، جلدی کرو تم لوگ تو تیاری میں ہی دو تین گھنٹے لے لیتی ہو۔''

چلیں جی بھگدڑ مچ گئی، ہر کسی کو اپنی تیاری کی فکر پڑی ہوئی تھی، نہا دھو کر ہم نے بال سکھائے، اچھا سا ہیر سٹائل بنوایا، چوڑیاں پہنیں اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر فاؤنڈیشن لگوانے لگے، اصل میں تب ہم چھوٹے تھے تو تیاری باجی کروایا کرتی تھیں، والدہ خود تیار ہو کر محلے میں تقسیم کرنے کے لئے پھیپیاں تیار کرنے لگیں۔

پھیپیاں بھی تیار ہو گئیں مگر کہیں سے کوئی اور آواز سنائی نہ دی، والدہ کا خیال تھا کہ اب تک فجر ہو جانی چاہیے تھی، تب پہلی مرتبہ انہوں نے کلاک کی طرف دیکھا، پھر ہماری طرف، مت پوچھیے کہ کیا حال ہوا ہمارا مارے شرمندگی کے، کیونکہ ابھی تہجد کا وقت بھی نہیں ہوا تھا اور سب گھر والے تیار اسب ہی باری باری حسب توفیق ہمیں لتاڑ رہے تھے کہ بنا تحقیق کیے ہی ہم نے کسی ڈیک کے گانے کو فجر کی اذان قرار دے کر سب کو ایک ٹانگ پر کھڑا کر دیا وہ ابھی اتنی دیر پہلے تو یہ واقعہ جب بھی یاد آتا ہے بہت ہنسی آتی ہے۔

اب تو چونکہ کھانا ہم ہی بناتی ہیں یعنی میں اور میری چھوٹی بہن تو جو بھی بنانا ہو ہمیں ہی بنانا ہوتا ہے چاہے فرمائش ہو یا نہ ہو، ویسے میرے ہاتھ کی بنی ہوئی چٹ پٹی چیزیں سارے گھر والوں کو بہت پسند آتی ہیں، اس عید پر میٹھا کھا کر کچھ نہ کچھ چٹ پٹا کھانے کو بھی دل چاہتا ہے تو اس کے لئے ہم چنا چاٹ بناتے ہیں، اس کی ترکیب تو سب کو ہی پتہ ہوتی ہے اس لئے درج نہیں کر رہی۔

اب تو کبھی نہیں سوچا لیکن بچپن میں اکثر ہر عید پر سوچا کرتی تھی کہ اگر میرے اختیار میں ہوتو میں عید پر ہر چھابڑی فروش اور ریڑھی والے یا دکاندار کی جیب میں اتنے پیسے ڈال دوں کہ وہ عید اپنے بچوں کے ساتھ منائے اور دکانوں یا ریڑھیوں کو کوئی ریوٹ یا جن چلائے تاکہ بچے بھی چیزیں خرید سکیں، ورنہ اگر بازار بند ہو جائے تو بچوں کی عید خاک ہوتی تھی۔

ڈبے میں ڈبہ ڈبے میں کیک
میری تہیلی لاکھوں میں ایک

یہ وہ شعر ہے جو بچپن میں مجھے ہر عید کارڈ پر لکھا ملتا تھا، تو تب تو بہت اچھا لگتا تھا، بھئی ہم لاکھوں میں ایک جو ہو جاتے تھے سو یہی درج کر دیا ہے کیونکہ اب عید کا کوئی خاص شعر پسند نہیں ہے۔

اور آخری سوال کا جواب یہ ہے کہ سیاسی شخصیت میں اب قائداعظم تو رہے نہیں نہ ہی اقبال اور عبدالرب نشتر ہیں، سو اب شہباز شریف ہی ایک معقول بندہ دکھائی دیتا ہے، ان کے ساتھ مناتی یا پھر اگر مستقبل میں قدیر خان سیاست میں آ گئے تو ان کے ساتھ منانے کی

خواہش کروں گی۔

تحسین اختر .... فیصل آباد

کہہ دیں وہ محبت سے اگر عید مبارک
مل جائے مرادوں کا ثمر عید مبارک
ممکن ہی نہیں غم سے مفر عید مبارک
حالات مخالف ہیں مگر عید مبارک
اے کاش ہمیں عید ہو ایسی کوئی حاصل
کہتے رہیں ہم شام و سحر عید مبارک
ہو جائیں سبھی گلوے شکوے دور دلوں سے
وہ کہہ دیں گلے مل کر اگر عید مبارک
جب آپ ہمیں اپنا سمجھتے ہیں تو کہیے
ہنستے ہوئے بے خوف و خطر عید مبارک
محمود وہ ہوتے ہیں بہت قابل عزت
کہتے ہیں جنہیں اہل نظر عید مبارک

سب سے پہلے تو آپ سب دوستوں اور محبت کرنے والوں چاہت رکھنے والوں کو تہہ دل سے پیشگی عید مبارک۔

اب آتے ہیں آپی فوزیہ کے سوالنامے کی طرف، سب سے پہلے تو آپ نے پوچھا ہے چاندرات اور عید کی تیاریوں کے بارے میں، تو آپی جان ہم لوگ جو پاکستان کی روایات کی جڑوں کے ساتھ منسلک ہیں وہ یہ تہوار بھی ہمیشہ کی طرح روایتی انداز میں ہی منانا پسند کرتے ہیں پہلے تو ماہ رمضان کا مقدس دور آتا ہے جب ہم خدا پاک کی رضا کی خاطر روزہ رکھ کر اور عبادت کر کے یہ ماہ گزارتے ہیں تو یقین مانیں اس ماہ کے اختتام پر آنے والی عید سعید کی گھڑیاں جو لطف دیتی ہیں وہ لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتا، عید کا اصل مزہ تو تبھی آتا ہے جب روزے رکھے جاتے ہیں، میں عید کی تیاری ماہ رمضان کے آنے سے پہلے ہی کر لیتی ہوں، ایک تو روزہ رکھ کر بازاروں میں خوار ہونا بہت دل گردے کا کام ہے اور پھر آج کل تو روزے یوں بھی گرمیوں میں آتے ہیں پھر حبس اور بارشوں کے دنوں میں بازاروں میں آوارہ گردی کون کرے، دوسرا روزے کے ساتھ بازاروں میں پھرنا عبادت کے پر کیف لمحات کو گنوانا ہی ہوتا ہے، پچھلے سال سے عید کی تیاریوں کے انداز بھی کچھ بدل سے گئے ہیں، جب سے پیاری بیٹی ایشل نے دنیا میں قدم رنجہ فرمایا ہے تب سے اپنی ذات پس پشت چلی گئی ہے، اب تو بیٹی کی چیزیں اور اس کی تیاریاں ہی ختم نہیں ہوتیں، ایشل کے کپڑے، اس کے جوتے، اس کی چوڑیاں، اس کے لئے مہندی غرض ایک لمبی فہرست ہوتی ہے جو بازار جا کر ختم ہونے کا نام نہیں لیتی، اس عید پر کوئی خاص پروگرام نہیں بنایا، بس اک خاص لمحے اور خاص خوشی کا انتظار ہے آپ بھی اس کے لئے دعا کریں اور سب لوگ بھی۔

اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے زندگی میں اتنی نعمتوں اور رحمتوں سے نوازا ہے کہ ہم صحیح معنوں میں اس کا شکر ادا نہیں کر سکتے، اس لئے عید ہی کیا زندگی کے ہر لمحے کو بے شک اس میں دکھ بھی آئے اور پریشانیاں بھی مگر ہم نے ہنس کر گزار دیئے اور ہر عید کو ایسے منایا کہ یادگار بنا دیا، گزری ہوئی ہر عید کی یاد آج بھی دل میں سرشاری سی بھر دیتی ہے، اب تو بس پروردگار سے یہی دعا ہے کہ آنے والی ہر عید بھی ایسے ہی مسکراتی ہوئی گزرے، (اللہ پاک سب کو خوشیاں نصیب کرے)

خاص ڈشز تو بہت سی ہیں جن کی فرمائش کی جاتی ہے جیسے چکن کڑاہی، بریانی، قورمہ اور پلاؤ وغیرہ اور ان کی کوئی خاص ترکیب بھی نہیں ہے، بس محبت سے اور دل سے پکایا جائے تو ذائقہ خود بخود بن جاتا ہے۔

میں ہر عید اپنی مرضی سے ہی مناتی ہوں، جیسی زندگی ہمیں عطا ہوئی ہے جو کچھ مل رہا ہے اس پر بے تحاشا شکر بھی ہے اور خوشی بھی، خدا نے جو مانگا زندگی میں دیا ہے، اس سے زیادہ کی نہ چاہ ہے نہ خواہش، بس صحت و تندرستی اور اس کی رحمت ہر گھڑی چاہیے اور کچھ نہیں۔

عید کے حوالے سے پسندیدہ شعر، نظم یا جملہ

اس عید پر بہت سوچا۔
کون سا تحفہ تمہاری نظر کروں
کچھ سوچ کے ہاتھ بلند کیے
بہت سی دعاؤں کے پھول
تمہاری نظر کیے

عید کا دن میں کسی سیاسی شخصیت کے ساتھ نہیں گزارنا چاہوں گی بس اپنے دوستوں، عزیزوں اور گھر والوں کے ساتھ گزارنا چاہوں گی، (آپی سیدھے سادھے لوگوں سے اتنا خطرناک سوال تو مت پوچھا کریں)

آخر میں، میں خود سے اتنا ہی کہوں گی کہ اللہ پاک ہمارے دیس کو ہمیشہ شاد و آباد رکھے اور اس دیس کے سب لوگ اتنے خوشحال ہو جائیں کہ ان کے لئے ہر دن عید اور ہر رات شب برات بن کر اترے، (آمین)۔

فلک ارم ذاکر .... شیخوپورہ

ا۔ عید کی آمد سے چند روز قبل ہم گھر میں عید کی خصوصی صفائی، مہم کا آغاز کر دیتے ہیں جو کہ عید سے ایک روز قبل اپنے اختتام کو بخیر و خوبی پہنچ کر ہمارے دل کو طمانیت سے دو چار کرتی ہے (یہ اور بات کہ تھکن کی بدولت ہم گزرنے والے ہو جاتے ہیں ہاہا)

رہی بات عید کی تیاریوں کی تو جناب ہمارے عید کے کپڑوں سے لے کر جوتی، جیولری، چوڑیاں وغیرہ کی خریداری و ذمہ داری ہمیشہ سے امی اور انم کے ناتواں کندھوں پر آپڑتی ہے کہ ہمیں بازار جانے شاپنگ کرنے سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے لہٰذا جب بھی بازار جانے کا تذکرہ آتا ہے ہم حتی الامکان اپنا دامن بچا کر پتلی گلی سے نکل جاتے ہیں۔

ویسے گزشتہ سال سے امی اور انم اس ذمہ داری سے بری الذمہ ہو گئیں ہیں وجہ ہماری انگیج منٹ ہے حق ہا، تو اور کیا اب تو سب کچھ عیدی میں سسرال سے موصول ہو جاتا ہے لہٰذا اب گھر میں ہماری ذات کے لئے عید کی کوئی خاص تیاری نہیں ہوتی۔

آخری روزے کو افطاری و نماز مغرب سے فراغت پا کر ہم سب چھت پر چڑھ کر آسمان پر چاند تلاش کرنے کی جستجو میں مگن ہو جاتے ہیں، اس دوران ہم انم اور حافظ عاطف اپنے چٹکلوں اور نوک جھونک سے ماحول میں شگفتگی بکھیر دیتے ہیں اکثر تو ہم چاند کی تلاش میں ناکام ہو کر نیچے آ کر نیوز چینل لگا کر بیٹھ جاتے ہیں پھر جوں ہی چاند نظر آنے کی خبر نشر ہوتی ہے ننھیال، ددھیال سے مبارک سلامت کے پیغامات اور فون کالز آنے اور جانے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اسی دوران ہمیشہ کی طرح امی جلدی سے عید کے کھانے کا مینو ہم سب کے تعاون سے تشکیل دیتی ہیں اور چاند رات سے ہی مختلف ڈشز کی تیاری کے لئے کچن آباد ہو جاتا ہے، تاکہ اگلے دن فہرست سے مہمانوں کے ساتھ عید کے لمحات گزار سکیں۔

امی کے ساتھ مختلف ڈشز کی تیاری و کچن کی

سروے کا بقیہ حصہ صفحہ نمبر 153 پر

وہ ستارہ صبح اُمید کا

فوزیہ غزل

ریسٹ ہاؤس میں بے آرام ہو کر گزری رات اور کچھ طبیعت کی خرابی سنعیہ کو مزید چڑچڑا کر دیتی ہے وہ وہاج کے ہر عمل اور رویے کو بدظن ہو کر دیکھتی ہے۔

اریبہ، وہاج سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتی ہے تو وہاج ناراضگی کے عالم میں کالز ڈس کنکیٹ کر کے موبائل آف کر دیتا ہے۔

چین روانگی سے قبل کیتھرین کرسمس ویلنگٹن میں مناتی ہے تو ماریا اس کی خوشی کے لئے کرسمس تقریب میں شریک ہوتی ہے مگر اندرونی طور پر وہ مسیحی مذہب و تعلیمات سے برگشتہ ہے۔

اریبہ بہت مشکل سے وہاج سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوتی ہے تو وہ سخت اور سرد انداز میں اسے آئندہ رابطہ نہ کرنے کا کہتا ہے۔

ماریا چین پہنچتی ہے تو سفر کی خوشگواریت کے ساتھ اسے ہوٹل میں تاشی کاؤ ملتی ہے جس سے اچھی دوستی ہو جاتی ہے اور تاشی انہیں اپنے گھر کھانے پہ انوائیٹ کرتی ہے۔

شہریار، سنعیہ کا چیک اپ کرواتا ہے اور میڈیسن لینے کے بعد گاڑی پھر سے ریسٹ ہاؤس کے راستے پر ڈالتا ہے تو سنعیہ شدید غصہ کا اظہار کرتی ہے۔

وہاج کے رویے و خفگی سے پریشان اریبہ اسٹڈیز پہ بھی توجہ مرکوز نہیں کر پاتی حالات و واقعات کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ زندگی کا یہ موڑ اسے پہلے سے زیادہ دکھی کرتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

بیسویں قسط

کیتھرین اپنے گروپ ممبرز کے ساتھ مصروف ہوتے ہوئے بھی ماریا کو خاطر خواہ ٹائم دے رہی تھی چونکہ ماریا ابھی انجان ہونے کی بناء پر اکیلی باہر نہیں نکلتی تھی اگرچہ ان کی آمد کے اگلے روز ہی ان کے ٹورسٹ گائیڈ کا انتظام کر دیا تھا اور وہ انہیں پورا چین گھماتے ہوئے معلوماتی و دلچسپی آمیز مواد فراہم کرتا مگر کیتھرین ماریا کی فزیکلی اور مینٹلی سائیکی ڈسٹرب ہونے کی وجہ سے اسے تنہا بھیجنے کا رسک نہیں لے سکتی تھی، لیکن تاشی کے گھر دعوت پہ جانا وہاں ماریا اور تاشی کی آپسی فرینکس گفتگو، باہم دلچسپی کے موضوعات پر اظہار خیال وہ اچھی فرینڈ شپ میں ڈویلپ ہو چکی تھی، جس سے کیتھرین کو اطمینان سا ہوا کہ اب اگر وہ اپنے سیمینارز یا وفد کے ہمراہ کہیں مصروف ہو گی تو ماریا کی اتنی زیادہ فکر نہ رہے گی کیونکہ اس کی تنہائی بانٹنے اور ساتھ گھومنے کو ایک اچھی دوست مل چکی تھی۔

تاشی کی والدہ سے ملنا بھی انہیں اچھا لگا درمیانی عمر کی خاتون تھی، خاصی ملنسار اور ہنس مکھ انہیں دیکھ کر محسوس نہیں ہوتا تھا کہ وہ مستقل جوڑوں کے درد کی مریضہ ہونگی مگر چلتے اٹھتے بیٹھتے وہ جب ایک ہاتھ کمر پر اور دوسرا گھٹنے پر رکھتیں تو واقعی تکلیف کے شدید آثار ان کے چہرے پر نمودار ہو جاتے، کیتھرین نے انہیں کچھ ہلکی پھلکی ٹپس دیں جن پہ روزمرہ معمولات میں عمل کر کے وہ اپنی تکلیف میں افاقہ کر سکتی تھیں۔

''آپ میڈیسن نہ بھی کھانا چاہیں تو چند سادہ سی ورزشیں آپ کو اس درد سے بہت افاقہ دے سکتی ہیں، صبح سویرے جب بھی اٹھیں تو اپنے گھر کی بیرونی دیوار کے ساتھ بالکل سیدھی کھڑی ہو جائیں، اپنے سر کو بھی بالکل سیدھا رکھیں، کاندھے، ایڑیاں اور کولہے دیوار کے ساتھ لگے ہوں، اسی حالت میں مخالف دیوار تک آہستہ آہستہ چلیں واپسی اسی حالت میں آئیں اس عمل کو ہر صبح اٹھ تا دس مرتبہ دہرائیں، اس کے علاوہ کندھوں کو جھکا کر چلنے کی عادت ختم کریں، آپ کی چال متوازن ہونی چاہیے، بغیر ڈگمگائے اٹھیں اور بغیر خم پیدا کیے بیٹھیں، کیونکہ کمر کو اور کندھوں کو جھکا کر بیٹھنے سے بھی پٹھوں کا درد شروع ہو جاتا ہے یا کمر کے نچلے حصے میں اکثر و بیشتر درد رہنے لگتا ہے اور سب سے اہم بات کہ اگر آپ ٹی وی دیکھ رہی ہوں یا اخبار پڑھ رہی ہوں تو ہمیشہ پشت پہ تکیہ رکھ کر کمر اس سے ٹکا لیں یہ عمل آپ کو آپ کی فزیکلی پوزیشن کو مین ٹین رکھے گا اور ٹانگیں نیچے کر کے بیٹھیں تب بھی پاؤں کے نیچے کوئی چوکی وغیرہ رکھیں تاکہ آپ کی ٹانگوں پر زور نہ پڑے۔'' کیتھرین اتنے سادہ اور نرم انداز میں آسان طریقے بتاتی گئی جو تاشی کی والدہ کو اتنے سہل لگے اور اتنے اچھے کہ وہ انہیں باقاعدہ موبائل پہ ریکارڈ کرتی گئیں تاکہ روزمرہ معمولات میں ان پر عمل کرتی رہیں۔

''تاشی نے تم لوگوں کی درست تعریف کی تھی تم دونوں واقعی بہت اچھی لڑکیاں ہو۔'' ان کے توصیفی انداز پہ وہ دونوں خوشدلی سے ہنس پڑیں، پھر انہی خوشگوار باتوں میں کھانا لگ چکا تو وہ سب ڈائننگ ٹیبل پر آ بیٹھیں تاشی واقعی اچھی کک تھی اور سپر فوڈ مارکیٹ میں اس کی جز وقتی ملازمت میں اس خصوصیت کا بطور خاص عمل دخل ہو گا، اس نے چائنیز ڈشز کے علاوہ قسم قسم کے رشین سلاد اور فرنچ کھانوں کے ساتھ ہیم برگر خصوصی طور پر تیار کیا تھا، مگر کیتھرین کے برعکس ماریا نے ہیم برگر کھانے سے معذرت کر لی۔

''مگر میں نے تو تمہارے لئے خاص طور پر اپنے ہاتھوں سے تیار کیا تھا، کیونکہ کالج گرلز ہیم برگر بہت شوق سے کھاتی ہیں۔'' تاشی کچھ مایوسی سے بولی۔

''تم نے خواہ مخواہ تکلف کیا، مجھ سے پوچھ لیتیں میں سور کے گوشت سے بنی کوئی چیز نہیں کھاتی۔''

''کیا سوائن فلو کے ڈر سے۔'' کیتھرین نے پوچھا۔

''نہیں اس سے پہلے میں شروع سے پرہیز کرتی ہوں پتا نہیں کیوں مجھے اسے کھانا اچھا نہیں لگا کیتھی۔'' وہ معذرت خواہانہ لہجہ میں بولی۔

''مگر کیوں یار ہمارے تو کھانوں کا تو یہ لازمی جز ہے۔'' تاشی نے کہا۔

''بس جیسے میں اور بہت سی چیزوں سے دور ہوں عادتاً یا مزاجاً تو سمجھ لو اس سے بھی دور ہوں۔''

''حیرت ہے مجھ سے تو اسے کھائے بغیر رہا نہیں جاتا۔'' تاشی کی والدہ بولیں تو ماریا نے فوراً کہا تھا۔

''اسی لئے تو آپ کو جوڑوں کا درد رہتا ہے اور اگر آپ مشاہدہ کریں تو دیکھیئے گا جن ملکوں میں اس کا استعمال کیا جاتا ہے وہاں بلڈ پریشر اور جوڑوں کا عارضہ زیادہ ہو گا۔''

''یہ تمہیں کس نے کہہ دیا۔'' تاشی کی والدہ نے پوچھا۔

''میں نے خود اپنی کلاسز کے دوران ڈاکٹر ایر کارڈارسن (یونیورسٹی آف کولو واڑو) اور ڈاکٹر رچرڈ کے لیکچرز، رپورٹس پڑھی تھیں جس میں واضح الفاظ میں تحریر ہے، 19-1918ء میں انفعوانزہ کی وباء میں سور کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ان دونوں کو ہونے والے انفلوانزہ کا وائرس ایک ہے، سور کی آنتوں اور جگر میں ایک کیڑا پایا جاتا ہے، Fasciolopis Buski یہ کیڑا اس کے ساتھ رہنے والوں یا اس کا گوشت کھانے والوں میں منتقل ہو جاتا ہے اور پیٹ میں متعدد خطرناک بیماریاں پیدا کرتا ہے ان میں ہیضہ، چیچک بہت سی جلدی بیماریاں بلڈ پریشر اور عارضہ قلب وغیرہ شامل ہے۔''

''اگر آپ ہیم ترک کر دیں تو اس بیماری سے بچ جائینگی باقی کچھ بھی کھانا نہ کھانا قطعاً آپ کا ذاتی مسئلہ ہے اور آپ کا میرے ان ویوز سے متفق ہونا بھی ضروری نہیں ویسے ہی جیسے ایڈیٹر کا مراسلہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہوتا۔'' وہ سنجیدہ ماحول کا اثر زائل کرنے کو قدرے ہلکے پھلکے لہجہ میں بولی اور اس میں وہ بہت کامیاب بھی ہو گئی کہ کھانے کا بقیہ دور ہلکی پھلکی گفتگو پہ ہی چلا، ماریا محض رشین سلاد یا چائنیز ویجیٹیبل پہ گزارہ کر رہی تھی۔

بعد میں تاشی نے انہیں اپنا چھوٹا سا فلیٹ دکھایا اور ایک کمرے میں بدھ مجسمے، دیکھ کر وہ بڑی بدمزہ ہوئی، اس نے ماریا سے گفتگو کے دوران اعتراف کیا کہ پہلے وہ یہودن تھی مگر پھر بدھ مت کی حلقہ بگوش ہو گئی۔

ماریا کو یاد آیا کہ ایک دفعہ سفر کے دوران اسے بھی ایک مشنری کی جانب سے پمفلٹ ملا تھا جس میں ''شوشو بدھ مت'' کے متعلق کچھ لکھا ہا تھا، وہ بدھ مت کے متعلق بہت کم جانتی تھی لیکن اب

تاشی سے بدھ مت کے متعلق سنتے ہوئے وہ یکدم اس مذہب میں انٹرسٹڈ ہوگئی۔

کیونکہ تاشی اسے ایک ایسے سائیکوا یکوپریشر کے متعلق بتارہی تھی جو بدھا کے اصولوں پر چلتے ہوئے بذریعہ (فینگ شوئی) کسی بھی فزیکلی ومینٹلی ابنارملٹی کے عناصر موقع محل اور ماحول کی مناسبت سے کنٹرول کر کے انرجی میں اضافہ کرتا تھا، کیتھرین نے تاشی سے نہ صرف تمام معلومات لے لیں بلکہ اسے راضی کرلیا تھا۔

کہ وہ ان کے ساتھ چلے گی اور اس ماہر فینگ شوئی سے ملوائے گی، تاکہ ماریا کی جو رہی سہی سائیکی پرابلم ہے اس کو سولو کیا جاسکے۔

ماریا نے اپنی بعض سہیلیوں کو بدھ مت کے کوریائی ''سن مائنگ مون'' کے پیروکاروں (Moonics) اور ہرے کرشنا جیسے فرقوں کے حلقہ بگوش ہوتے دیکھا تھا اب ماریا، تاشی کے گھر بدھ مت کا ذکر بدھ مجسمے دیکھ کر پھر سے اپنی مخفی تھرلنگ، جستجو اور بازیافت والی بے چین طبیعت کو ابھرتے پارہی تھی۔

☆☆☆

شہریار کے الفاظ نے شدید قسم کا دھچکا لگایا تھا سنعیہ کو اپنے دل میں درد کی لہریں اٹھتی محسوس ہوئیں، اس کا دل چاہا تھا وہ چیخ چلا کر بولے اور اس شخص کو بتائے کہ یہ جبر کا رشتہ اور مجبوری کا تعلق نفرت انگیز ہے اس کے لئے، وہ اپنے گلے میں طوق کی مانند پڑے اس رشتے کو عمر بھر نہیں گھسیٹ سکتی، کوئی شوق نہیں تھا اسے ڈھونگ رچانے کا، ان رشتوں کا راگ الاپنے کا جن کی دل میں کوئی وقعت، کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

اس کی بھوری آنکھوں میں آنچ سی اٹھ رہی تھی اور ونڈ اسکرین پر نگاہیں جمائے تھا سنعیہ نے کچھ دیر لب بھینچے اسے یونہی دیکھا پھر چٹختے ہوئے لہجے میں بولی۔

''مجھے رشتے کی دھونس جما کر بلیک میل مت کریں میں اٹھارویں صدی کے برقعے میں لپٹی کوئی ڈری سہمی مخلوق نہیں جو آپ ڈرا دھمکا کے رکھیں اور ان رشتوں کے نام مت لیا کریں جن کے تقدس وعزت کا آپ کو علم نہیں۔''

''مجھے تمہیں ڈرانے یا تم پر رعب رکھنے کا کوئی شوق نہیں۔'' شہریار نے استہزائیہ لہجہ میں کہا۔

''تو پھر اس تعلق کو بے ایمانی سے پروان کیوں چڑھا رہے ہیں۔'' سنعیہ کا طنز ذو معنویت لیئے ہوئے تھا جو شہریار کو بے طرح چبھا اس کو بخوبی سمجھ آچکا تھا کہ وہ ریسٹ ہاؤس واپس جانے والے فعل کو لے کر بات کررہی ہے، شہریار کا چہرہ پل بھر میں سرخ ہوگیا ماتھے کی سبز رگیں مارے غصہ کے واضح دکھائی دینے لگیں۔

محبت تو اس کا شروع سے دین ایمان رہی تھی وہ محبت کو بے ایمانی کیسے دکھا سکتا تھا مگر بہت سے رشتوں کو کرائسس سے بچانے کے لئے اسے یہ کام کرنا تھا پر اپنے کردار کی ذلت گوارہ نہ تھی سنعیہ کو ریسٹ ہاؤس میں رکھنے کا مقصد خواہ کچھ بھی ہو، اپنا وقار تو سب سے بڑھ کر تھا، سو وہ گاڑی کو ٹرن دیتے ہوئے گھر کے راستے پر ڈالنے لگا، سنعیہ نے سکون کا اک گہرا سانس لیتے ہوئے سر سیٹ کی بیک سے ٹکا دیا تھا۔

رات بھر ہونے والی بارش کی وجہ سے ماحول سرد لبادہ اوڑھے ہوئے تھا، آسمان پر اب بھی کہیں کہیں سفید اور سیاہ بادلوں کے مرغولے دکھائی دے رہے تھے، ان کی گاڑی لاہور ہائیکورٹ کی عمارت کے سامنے سے گزر رہی تھی اس کا شمار لاہور کی خوبصورت عمارتوں میں ہوتا ہے اس کے اندر کھلے کھلے میدان اور گرد وغبار سے پاک ماحول، ہر طرف بلند و بالا درختوں سے گھرا ٹھنڈا و خنک موسم اس کی خوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے۔

اس کے بعد دیال سنگھ مینشن کی تاریخی عمارت یہاں پر بڑے بڑے دفاتر اور ہوٹل قائم تھے، دھلی نکھری سڑک پر سبک رو انداز میں چلتی گاڑی، قدرت کی صناعی کے حسین مناظر دائیں بائیں بنے کمرشل ایریاز سے جھانکتے خوب صورت کاٹیج، ہر طرف پھیلا سکوت، موسم کی خوبصورتی، ماحول کا سحر اور معنی خیز سی تنہائی کے ساتھ دو نفوس مگر اپنے اپنے جذبات تلے دبے، دوسرے کے احساسات سے بے پروا کچھ بھی ان کی حسیات پر اثر انداز نہیں ہورہا تھا۔

جب ساتھ چلنا مجبوری لگے اور رشتے ان چاہے بوجھ جنہیں انسان مجبوری بنا کر شانوں پر لادے پھرتا ہو تو ماحول سے اٹھتی مسحور کن خوشبو ہو یا معنی خیز تنہائی احساسات کو مہکانے میں ہر حیلہ ناکام رہتا ہے۔

وہ بھی کوشش کے باوجود اپنے آپ کو نارمل نہیں کررہا تھا اور سنعیہ بھی خود کو مطمئن کرنے میں ناکام ہو رہی تھی اور اطمینان تو اس کی زندگی سے شاید اسی روز عنقا ہوگیا تھا جب اسے شہریار کے ساتھ اپنی وابستگی کا علم ہوا تھا۔

گاڑی یک لخت ایک جھٹکے سے رکی تھی ''خان ولا'' کے خوبصورت گیٹ سے اندر جاتی سرخ بجری کی روش پر چلتی ہوئی گاڑی میں بیٹھے اس نے آنکھیں ذرا سی ترچھی کر کے شہریار کو دیکھا جس کے مغرور تنے ہوئے نقوش سے صرف سرد مہری عیاں تھی، سنعیہ اپنا بیگ سنبھالتی نیچے اتری اور وہ شاید اس کے اترنے کا ہی منتظر تھا کہ دوسرے پل گاڑی بیک کرتا ٹرن لے کر واپس ہولیا تھا، اس کی یہ حرکت سنعیہ کو بہت چبھی۔

''یہ مجھے موڈ دکھا رہا ہے، سمجھتا کیا ہے اپنے آپ کو پرنس چارمنگ شہریار تم جو اتنے اکڑو خان بنتے ہو ناں مجھے کوئی پرواہ نہیں بھاڑ میں جاؤ میری طرف سے۔'' وہ دانت پیستے ہوئے کوفت سے پیر پٹختی اندرونی حصے کی جانب ہولی۔

محض ایک رات گھر سے دور رہی تھی وہ پھر بھی یوں محسوس ہو رہا تھا مہینوں بعد آئی ہو، وہ پورے گھر میں گھومتی خود کو قدرے تازہ دم اور فریش محسوس کررہی تھی، اپنے گھر کے منی زو میں رکھے آسٹریلین طوطے، فرانسسی اور روسی بلیاں، آسٹریلیا سے لائے ہوئے مور اور امریکی ٹائیگرز اسے لگا سب سنعیہ کو مس کررہے تھے اداس تھے اپنے ہاتھ باری باری ان پر شفیق انداز میں پھیرتی کچھ نہ کچھ کہتی وہ فش ایکوئیریم کی طرف آئی۔

''دیکھیں ذرا غور سے شکور بابا مجھے مچھلیوں کے رنگ میں فرق محسوس ہوتا ہے۔'' وہ شیشے کے پار تیرتی مچھلیوں پہ بہ غور نگاہیں ٹکائے بولی۔

''آپ کسی میڈیکل یا فش ایکوئیریم ماہر سے رابطہ کریں، تاکہ ٹینک میں موجود دیگر مچھلیاں

بیماری سے محفوظ رہ سکیں۔" اس نے بڑے تردد سے حکم دیا تھا۔

اور شام تک شیشے کے بکس کے پاس بیٹھی اپنی خرابی صحت کو بھی بھلائے رکھا، شہریار آفس سے لوٹا تو اسے اپنے زووالے حصہ میں مگن پا کے طنزیہ نگاہوں سے دیکھتا گلاس ڈور کھول کر لاؤنج میں داخل ہوا۔

"روسی کیٹ کو اپنی گود میں بٹھائے پیار سے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتی نرم لہجہ میں مسکرا کر بات کرتی اس لڑکی کو دیکھ کر کیا کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ انسانوں کے ساتھ اس کا رویہ کتنا ہتک آمیز اور روڈ ہے اور اپنے مقابل بیٹھے بندے کو یہ کتنا ان ایزی کر دیتی ہے۔" ایپل جوس کاٹن لبوں سے لگائے شہریار نے پھر سے دیکھا تھا اسے اور اسی پل سنعیہ نے بھی یکدم چہرہ موڑ کر دیکھا۔

نیوی بلیو جینز اور آف وائیٹ شرٹ میں وہ بے حد وجیہہ اور مکمل دکھائی دے رہا تھا نک سک سے درست ایک شاندار پرسنالٹی، جس کے اندر ایک گھاگ اور بدتمیز اکھڑ مزاج بندہ چھپا تھا، یہ کمنٹس سنعیہ نے ابھی شہریار کو دیے تھے پھر اپنے ہاتھوں سے تھامی سفید بلی کو واپس اس کی جگہ پر چھوڑ کے وہ تیز قدموں سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی، جبکہ شہریار وہیں کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

محبت دشت فرقت میں
بنا رخت سفر چلتے کسی مجذوب کے دل سے
نکلتا اک نوحہ ہے
محبت راستوں کے جال میں بھٹکا ہوا راہی
کسی کے نام پہ ٹھہرا ہوا اک اجنبی چہرہ
محبت خواب بن جائے تو تعبیریں نہیں ملتیں
محبت ایک بارش ہے
جو اک اک بوند کر کے تن سے من میں جب اترتی ہے
سریلے ساز بجتے ہیں، انوکھے باب کھلتے ہیں
کسی فنکار کے ہاتھوں سے
چھڑتا بے خودی کا راگ
محبت بارشوں کے موسموں میں یاد کی کایا
محبت جلتے تپتے راستوں پہ پھیلتا سایا
محبت اک اداسی ہے
بلا کی خاموشی بھی ہے
محبت پت جھڑوں کا نام محبت اک سلگتی شام

☆☆☆

تیری یاد میں مصرعہ کوئی لکھنے بیٹھا !
میں نے کاغذ پہ چھالوں کا گلستاں دیکھا

تو نے دیکھا ہے منڈیروں پہ چراغوں کو فقط
میں نے جلتا ہوا ہر دور میں انسان دیکھا

کتنے قلیل عرصے میں وجود پہ صدیوں کی تھکن طاری ہو گئی تھی اور وہ بھیگے سمندر سی آنکھیں لئے اسی موڑ پہ تھی جہاں دل تھا۔

تو یہ تھی محبت، اعتبار وفا، اتنا جبس تھا تمہاری سوچوں میں وہاج حسن جیسے گریز کا ذرا سا شائبہ راہ دکھا گیا اور محبت کے سارے بے ہنر بے وفا ٹھہرے۔

وہ پہروں یوں بیٹھی رہتی تھی جیسے وجود سے ساری قوت کسی نے کھینچ لی ہو اور یہ سچ ہی تو تھا اس کی واحد قوت محبت تھی وہاج حسن کی محبت جس کو شاید وہ چھین رہا تھا اور اریبہ اشفاق کی پوری زندگی ڈسٹرب ہو رہی تھی، اپنے بے کار، فالتو ہونے کے ساتھ تنہائی کا اک گہرا احساس تھا جو اک عجیب قسم کی اداسی کو اس کے پورے وجود پہ طاری کر دیتا اور پھر وہ گھنٹوں اسی زاویے پہ بیٹھی رہتی جس پہ ہوتی۔

یونیورسٹی میں اگرچہ بہت زیادہ کسی سے گھل مل نہ پائی تھی مگر پھر بھی کچھ ایسی لڑکیاں تھیں جنہوں نے اس سے خود بخود اچھی دوستی قائم کر لی تھی اس کی بے تحاشا خوبصورتی و نزاکت اور قدرے لئے دیے رہنے والا انداز اکثر لڑکیاں اسے ہائی کلاس طبقے کی فرد سمجھ کر اس رویے کو مخصوص امیرانہ مغروری نام دے کر ناک بھوں چڑھا لیتیں، مگر اس سب کے برعکس طیبہ واحد لڑکی تھی اس کی کلاس میں جسے نہ تو اریبہ کی کلاس سے مطلب تھا نہ امیری سے وہ اس کی خوبصورتی سے گھائل تھی نہ ذہانت کی دلدادہ کہ خود ہو بہت حسین اور ذہین لڑکی تھی۔

ہاں انہیں قریب لانے میں جو قدر مشترک ٹھہری وہ شاید دونوں کی شخصیتوں کے کے اندر چھپا ڈپریشن تھا اور اریبہ موڈ میں ہوتی تو اپنی کلاس کی دیگر لڑکیوں کی طرح ہنستی بولتی، آؤٹنگ، ہوٹلنگ کرتی اور خوب انجوائے کرتی مگر اب کتنے دنوں سے اس پر اداسی کا دورہ پڑا تھا اور وہ اتنے بہت سے لوگوں کے درمیان ہوتے ہوئے بھی خود کو تنہا، اکیلی محسوس کرنے لگتی۔

طیبہ اس کی یہ ذہنی کیفیت کئی دن سے نوٹ کر رہی تھی اور خود وہ ہلکے براؤن بالوں براؤن آنکھوں، سفید رنگت تیکھے نقوش والی لڑکی تھی اپنے گھر و حلقے میں منفرد دنیا کی ہر بڑی اور قیمتی چیز تک رسائی رکھنے والی اپنی مرضی کی آپ مالک مگر ائیر کنڈیشن گاڑی میں آتے جاتے ہر من مرضی کی چیز پا کے بھی وہ اندر سے تنہا تھی کہ اس کے ماں باپ بہن بھائی نہ تھے وہ اکیلی اپنے بوڑھے دادا دادی کی سپردگی میں کروڑوں کی جائیداد کی تن تنہا وارث تھی۔

اریبہ کو اس کے سٹاپ کی بس کافی دور اتارتی تھی یونیورسٹی سے اور رکشہ ٹیکسی مل جاتا تو اکثر تنگی داماں کی اجازت نہ ہونے پر وہ پیدل چل پڑتی چونکہ یونیورسٹی روڈ تھا تو اس کے قریب سے کئی گاڑیاں گزر رہی تھیں، شائیں شائیں کرتی زن کی رفتار سے کوئی گاڑی گزرتی تو اس کی پیدل چلنے والی مشقت سے تھکے پیروں کی تھکن کچھ اور بڑھ جاتی اور وہ اپنے رب سے بے اختیار شکوہ کر جاتی۔

"کیا کمی ہے ان جیسے لوگوں کی زندگی میں، سکھ ہی سکھ، نعمتیں ہی نعمتیں کوئی پریشانی نہ فکر اور

ایک ہم جیسے بے بس جو زحمتوں اور تکلیفوں میں گھرے سکھ کے معانی بھی بھول جاتے ہیں۔''

''کتنی آسان زندگی تھی جب باپ کا مہربان اور بابرکت وجود تھا، محبتوں اور شفقتوں کا خزانہ ماں تھی جان چھڑکنے والے بہن بھائی، کتنوں سے اچھا رہتے اچھا کھاتے پیتے تھے پھر تقدیر کی تیرہ شبی نے قہرناک آگ برساتے دکھ کا سورج ہمارے سروں پر لا کھڑا کیا اس کی دھوپ ڈھلنے کا نام ہی نہیں لیتی۔'' آنسو اس کی آنکھوں میں چمکنے لگے جنہیں ضبط وصبر کا گھونٹ پلاتی وہ گرنے سے بچانے کی کوشش میں پلکیں جھپکنے لگی۔

''ہیلو اریبہ یوں پیدل کیوں جا رہی ہو؟'' طیبہ نے اسے دیکھ کر گاڑی کی رفتار آہستہ کی اور باہر چہرہ نکالتے ہوئے پوچھا۔

''ہمارے روٹ کی گاڑی ذرا دور اتارتی ہے اس لیے پیدل آنا پڑتا ہے وہاں سے۔'' اس نے خود کو سنبھالتے ہولتے جواب دیا۔

''تو گاڑی میں آجاؤ اکٹھے چلتے ہیں۔'' طیبہ نے پیشکش کی تو وہ فوراً بولی۔

''نہیں میں چلی جاؤں گی یہ سامنے ہی تو یونیورسٹی ہے۔''

''آجاتیں تو اچھا تھا خیر تمہاری مرضی اوکے بائے۔'' وہ گاڑی بڑھا لے گئی پھر چونکہ ان کا پہلا پیریڈ ٹیچر نہ آنے کی وجہ سے خالی تھا تو طیبہ یونیورسٹی گراؤنڈ میں چلی آئی۔

یہاں اریبہ اپنی اداسی میں گھری بیٹھی تھی طیبہ نے کچھ دیر اسے دیکھا پھر آ کر پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔

''لگتا ہے آج میں مس سحرش نے چھٹی کر لی ہے۔''

''ہاں شاید مجھے ٹھیک سے کچھ نہیں پتا۔'' اس نے الجھتے ذہن کے ساتھ بے ربط جواب دیا تو طیبہ نے چند ثانیے بعد ایکدم سے کہا تھا۔

''اریبہ اگر انسان خود کو تنہا محسوس کرے یا ڈپریشن کا شکار ہو تو کسی پہ اعتبار کر کے اپنا اکیلا پن اور پریشانی شیئر کر لینی چاہیے۔'' اریبہ نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''کیا اس کی افسردگی عیاں ہو رہی ہے وہ بے حد صابر اور قناعت پسند لڑکی تھی مگر حالات و واقعات یکے بعد دیگرے جو پریشانی اور گھبراہٹ مسلط کر رہے تھے وہ خوار کرنے کے ساتھ اسے خود سے معاشرے سے حالات سے شاکی کر رہی تھی۔ وہ حتی المقدور کوشش کرتی تھی کہ یونیورسٹی میں اس کے گھریلو معاملات کی کسی کو بھنک نہ پڑے اور ان دنوں تو اس کا رویہ خاص طور پر بہت محتاط ہو گیا تھا۔ وہ سب سے الگ تھلگ رہنے کی کوشش کرتی تھی تاکہ کوئی چہرے سے دل کا حال نہ پڑھ لے پھر اسے کیسے پتا چلا۔'' وہ پرسوچ انداز میں طیبہ کو دیکھ رہی تھی جو ہلکے سے مسکرا کر اس کے شانوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

''بعض باتیں بتائی نہیں جاتیں خود بخود عیاں ہو جاتی ہیں کب کیسے کیوں انہیں چھوڑ کر میں صرف اتنا کہوں گی اعتماد کر لو دوستی پر دکھ کا مداوا ہے۔'' اور اریبہ کو واقعی کسی ہمدرد کسی دوست کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی کوئی مہربان کاندھا چاہتی تھی وہ جس پر سر رکھ کر اپنے سارے دکھ بھول جائے۔ اس کی آنکھیں بھر آنے لگیں جنہیں طیبہ نے نرمی سے صاف کیا تھا اور موڈ بدلنے کو بولی۔

''پہلے تو تمہارا کزن چھوڑنے آتا تھا تمہیں اب پبلک سروس سے کیوں آنے لگیں۔'' وہ کئی لمحوں تک تشش وپنج میں گھری اسے یونہی دیکھتی رہی پھر اس طویل سانس لیتی ہوئی جسے اندر کی تپش کم کرنا چاہی کہ یہ اس کی دکھتی رگ تھی۔

''ناراض ہے وہ مجھ سے نہ ملتا ہے نہ بات کرتا ہے۔'' بالآخر وہ آہستگی سے بولی۔

''مگر کیوں جبکہ شاید منگنی بھی ہو چکی ہے اس سے تمہاری۔'' طیبہ نے کہا تو وہ سر ہلاتے ہوئے اسے مختصر لفظوں میں سب بتاتی گئی۔

''اوہ ویری سیڈ اتنے اسٹرینج حالات میں تو تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ تم دونوں شادی کر لو اور بجائے تمہیں لے کر سڑکوں پر پھرنے کے وہ تمہارا ساتھ دے۔''

''کہا تھا مگر ابھی وہ ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ اس پر تین جوان بہنوں کی ذمہ داری ہے۔ اور فرض کرو اس ذمہ داری کو نبھاتے وہ مزید چھ سال لگا دے جبکہ تم اسی سال ماسٹرز کمپلیٹ کر لو گی تو اتنے سالوں تک اس کے انتظار میں بیٹھی رہو گی۔''

''لو پھر کیا کروں پہلے وہ جاب لیس تھا بمشکل تین سال جوتیاں چٹخانے کے بعد جاب ملی ہے مگر ابھی وہ ٹرائی سیشن پر ہے اسے کمپنی کا ریگولر ممبر بنتے سال لگے گا۔''

''پھر سال بعد وہ تم سے شادی کر لے گا۔'' طیبہ نے اسے دیکھا۔

''اگر اس کی بنوں کا فرض ادا ہو گیا تو ورنہ یہ کام چند سال لے سکتا ہے۔''

''اور یہ چند سال حالات وغربت کی چکی میں پستے اپنی پاگل ماں کا علاج کرائے، بگڑے بھائی کو سنوارے، بہنوں کو اچھا مستقبل دیتے پھر خود اپنے لیے گھلتے تم کیا اپنی عمر سے کہیں بڑی نہ نظر آنے لگو گی اور پھر اگر روپیہ پیسہ کھلا آتے پا کر اس کی ترجیحات بدل گئیں، اس نے تم سے شادی سے انکار کر دیا تو، تم کیا کرو گی؟ کہاں کھڑی ہو گی؟'' طیبہ نے جو ہولناک نقشہ پیش کیا تھا سن کر اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

''کیسا ایسا بھی ہو سکتا تھا وہاج اس کے ساتھ یہ سب کر سکتا تھا اور وہ جانے اعتبار اور وفا کی کس منزل پہ تھی کہ خود کو سنبھالتی اس امکان کو یکسر رد کر کے بولی۔''

''نہیں وہ ایسا نہیں ہے مجھ سے بہت مخلص اور فیئر ہے تم نہیں جانتی طیبہ اس نے میرا بہت ساتھ دیا ہے اگر ان حالات میں وہ میرے ساتھ نہ ہوتا تو شاید میرا دم گھٹ جاتا یا میں مر جاتی۔'' اس نے صفائی پیش کرنے والے انداز میں کہا۔

''میں مانتی ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ بہت مخلص ہو گا مگر تمہارے حالات دیکھتے ہوئے تمہیں یہی مشورہ دوں گی کہ تم پریکٹیکل ہو کر سوچو اور اپنی زندگی کے لیے کوئی مناسب فیصلہ لو۔'' طیبہ رسان سے بولی۔

''مثلاً اگر سال چھ ماہ تک وہ شادی کی پوزیشن میں آ سکتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ایک لمبے انتظار میں بیٹھنے سے بہتر ہے کہ تم لوگ وقت پر ہی درست فیصلہ لے لو۔''

''میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں جبکہ میں اس نے منسوب ہوں او وہ بھی محبت کرتا مجھ سے۔'' وہ

بولی تو طیبہ نے اک گہرا سانس کھینچا تھا۔

"دیکھا اریبہ میں بخدا تمہیں اس سے بدظن یا بدخواہ نہیں کررہی محض ایک ہمدرد دوست کے طور پر تمہارے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے اک مشورہ دیا ہے اور میرا مقصد تمہیں ریلیف دینا ہے نہ کہ ٹینشن میں مبتلا کرنا اور میں یہی کہوں گی کہ محبت نسبت یہ سب کتابی باتیں ہیں اور کتابوں میں اچھی لگتی ہیں زندگی ان سے بڑھ کر اک تلخ اور سخت حقیقت ہے اور تم پریکٹیکل ہو کر وہ سوچو جو تمہارے موجودہ حالات کو سوٹ کرے، جس سے تمہاری مشکلات میں کمی ہو نہ کہ تمہاری پریشانی بڑھے۔" وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے رسان سے بولی تو اریبہ کی زرد پڑتی رنگت اس سے مخفی نہ رہ سکی تو طیبہ اسے پرسکون رکھنے کی خاطر بولی۔

"اینی ویز یہ ایک مشورہ ہے اسے آرام سے سوچنا بنا پریشان ہوئے تاکہ تم کچھ نہ کچھ درست پا سکو زندگی کو کیونکہ بطور ایک دوست کے مجھے تمہاری خوشی عزیز ہے۔" اور اریبہ اس کی بات پر مسکرا بھی نہ سکی۔

☆☆☆

یہ پہلی بار تھا کہ وہ اریبہ سے ناراض ہوا تھا وہ بھی اتنا سخت کہ اسے تلخ و ترش سنا ڈالی، بعد میں دل سے گھر کا بھی وہ خود بھی اچھا خاصا پریشان ہوا کہ کچھ بھی تھا اریبہ اس کی زندگی کا اہم حصہ تھی اور بہت مایوسی کے دنوں میں وہ یہی تو آس ہمت بندھاتی تھی اس کی کامیابیوں کے لیے دعائیں مانگا کرتی اس کی ملازمت کے لیے وظیفے پڑھا کرتی اور جب بھی وہ اسے ملنے جاتا تو چائے کھانے سے تواضع کرتی۔

کسی ناکامی سے مایوس کسی پریشانی سے نالاں وہ حوصلہ ہارنے لگتا تو وہ اس کی حوصلہ بن جاتی اور شاید نہیں بلکہ یقیناً یہ اس کی بے لوث دعاؤں اور ہمت بندھاتی باتوں کی تاثر تھی کہ پھر بہت جلد ایک اچھی فرم میں اسے جاب مل گئی اگرچہ ماہانہ پے منٹ پندرہ ہزار تھی، مگر ترقی کے بہت چانسز تھے اور اس کامیابی پر وہ کتنی خوش تھی، آفس اس کے پہلے روز کی روانگی اب تک یاد تھی، وہاج تیار مسرور اس سے مل کر آفس جانے لگا تو اس نے کتنی دعاؤں کا حصار باندھتے ہوئے اسے رخصت کیا تھا۔

منگنی سے پہلے اور بعد میں شاید کوئی رات ایسی نہ تھی جب وہ ایک دوسرے سے بات کیے بغیر سوتے ہوں، خوبصورت اور دل کو چھو لینے والی پوئٹری، اچھے نغمے، بہترین خیالات کیا کچھ وہ شیئر کیا کرتے تھے۔

اپنے مستقبل کے سہانے خوابوں سے لے کر اس دنیا تک میں ساتھ نبھانے کے وعدے اور اب کتنے دن ہو گئے تھے انہیں ملے بات کیے یوں لگ رہا تھا صدیاں بیت چلی ہوں۔

دل کو موسم اچھا تھا تو سب خوشگوار لگتا تھا اب دل خوش نہ تھا تو کچھ نہ بھا رہا تھا۔ شام کا وقت اور موسم سرما کی خنک ہوائیں اریبہ کو کتنا پسند تھا یہ وقت اور وہاج کو ہمراہ بٹھائے ڈوبتے سورج کا منظر دیکھنا کتنی چھوٹی چھوٹی سی خواہشیں تھیں اس کی وہ اکثر اسے شام ڈھلتے سمے بلایا کرتی تھی اور اب شام آتی تو ہر طرف خاموشی پھیل جاتی، جو ماحول میں عجیب سا حزن پھیلا دیتی۔

یہ حقیقت ہے کہ انسان جس سے ٹوٹ کر محبت کرتا ہے اور اس کی ذرا ذرا سی بات سے دلکشی کے ہزارہا معنی کشید کرتا ہے ہلکی مسکراہٹ سے خوشی کے پہلو ڈھونتا ہے تو اس کی معمولی سی بیگانگی یا ہلکی اجنبیت بھی ہرار ہا چرکے لگاتی ہے اور دل کو حد سے سوا دکھ پہنچتا ہے۔

وہ جانتا تھا کہ اپنے اور اس کے بیچ سفر میں محبت کو ہونے اور فخر سے جینے کا مان بخشا تھا تو اریبہ نے اپنے ہر دکھ سکھ کا ٹانکا اس سے صحیح معنوں میں جوڑ لیا تھا اور اس کے دکھوں میں حصہ دار و ہمدرد بنتے ہوئے وہ یہی سمجھایا کرتا تھا۔

"دیکھو اریبہ مصیبتیں اور آزمائشیں قدرت اپنے بندوں پر ضرور ڈالتی ہے مگر انہیں تنہا نہیں چھوڑتی ہر کسی کے لیے کوئی نہ کوئی سکھ کے راستوں کا نشان بنتا ہے۔ تمہارے لیے بھی ہے سمجھ لو میں تمہارا ہوں تو زندگی میں ابھی تمہارے لیے بہت کچھ باقی ہے اور تم زندگی کو جینے کے قابل بنا سکتی ہو مگر صرف رب بزرگ و برتر پر بھروسہ مضبوط کر کے۔" اور وہ روتی ہوئی ہنس پڑتی خود کو پھر سے زندگی کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار پاتی۔

"مگر اب کتنے دن ہو گئے ہمیں ملے کون اسے حوصلہ دیتا ہوگا، سمجھاتا ہوگا۔ اس کی ٹوٹتی ہمتیں کون سنوارتا ہوگا۔" وہاج حسن کو یکدم خیال سے آیا تو اس کا وجیہہ چہرہ بے طرح پریشان ہو اٹھا۔ آنکھوں میں خفیف سی سرخی کی لہر در آئی اور اس لہر میں ایک منظر ابھرا تھا۔

"آئی ایم سوری میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی۔" انکار صاف انکار سے بھرا قطعی بے پروا لہجہ اور سنجیدہ تاثرات لیے اریبہ اشفاق خفت، شرمندگی، اشتعال اور بے یقینی میں گھرا وہاج حسن۔ کیا یہ لمحہ وہ بھول سکتا تھا، یہ منظر ساری جزئیات و کیفیات کے ساتھ اس کے دماغ سے چمکتا ہوا تھا پھر وہ کیسے بھولتا۔

کچھ دیر پہلے محسوس ہونے والی بے چینی، بے قراری جیسے اڑنچھو ہو چکی تھی، محبت بھرے تمام جذبات پانی پر آئی بھاپ کے مانند اڑ چکے تھے۔ وہ تھا اور اس کا انا پسند دل۔

☆☆☆

اپنے سامنے رکھے سوفٹ ڈرنک کا سپ لیتے ہوئے اس نے تناؤ بھرے انداز میں ہنکارا بھرا تھا اور لب بھینچ سے گئے تھے اور مغرب کی نماز ادا کر کے اٹھتی رشیدہ خاتون بیٹے کے پاس آ رکھی تھیں۔ اس کے چہرے کو محبت سے تھام کر پھونک مارتے ہوئے پوچھا تھا۔

"کیا ہوا ہے وہاج تم ٹھیک تو ہو ناں؟" ممتا کی مٹھاس اور شفقت سے بھرا فکرمند لہجہ۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں آپ کو کیوں ایسا محسوس ہوا۔" وہ ان کے ہاتھوں کو تھامتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"ٹھیک ہو تو اتنے چپ چاپ کیوں بیٹھے ہو کب سے گلاس تھامے جانے کیا سوچ رہے ہو کہ ایک گھونٹ بھرا ہے بس۔"

"آپ کو وہم ہوا ہے امی ایسا کچھ نہیں۔" وہ انہیں یقین دلانے کو مسکرایا۔

"میں ماں ہوں میری جان اور ماں اولاد کا چہرہ دیکھ کر اندر تک پڑھ لیتی ہے اس کی آنکھیں کبھی جھوٹ نہیں بولتیں۔" وہ مطمئن نہ ہوئی تھیں۔

''خوامخواہ پریشان ہو رہی ہیں آپ یقین کیجیے ایسا کچھ نہیں۔''

''تم نہ کہو تو اور بات ہے جبکہ میرا وجدان کہتا ہے اریبہ سے کوئی ناراضگی ہے شاید۔'' انہوں نے کتنا درست اندازہ لگایا تھا۔

''امی آفس میں کام کا برڈن ہے اور کچھ نہیں بی لیو می۔'' وہ جیسے بے بس سا ہو کر بولا۔

''کام کا برڈن ہو یا کچھ اور اپنی زندگی اور محبت سے بڑھ کر کچھ نہیں اور اتنا یاد رکھنا کہ میرے لیے میرے بچوں کی خوشی اور گھر کا سکھ سب سے اہم ہے جو چیز تمہیں پریشان کرے وہ مجھے دکھی کرتی ہے تمہارے بابا کو کھونے کے بعد میں نے اپنی ریزہ ریزہ ہمتوں کو تم لوگوں کے لیے مجتمع کیا تھا اور اب مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ تمہارے حوالے سے کوئی پریشانی دیکھوں۔'' ان کی آنکھیں بھر آئی تھیں بولتے ہوئے اور وہاج ان کے ہاتھ چومتے ہوئے جذباتی لہجہ میں بولا

''امی آپ کی دعائیں ہمہ وقت میرے گرد حصار باندھے رہتی ہیں مجھے بھلا کیا پریشانی ہو سکتی ہے۔''

''اللہ تمہیں صحت، زندگی اور خوشیاں دے بیٹا بیوہ عورت کا اثاثہ، گل اس کی اولاد ہوتی ہے جس کی پرورش کے لیے وہ اپنی جان، آرام تج دیتی ہے اور ہر اچھا لقمہ اولاد کو دیتی ہے خود بھوکی رہ کرتا کہ وہ اولاد نہ صرف اخیر وقت میں اس کا سہارا بن سکے بلکہ خود بھی اچھے مقام سے سرفراز ہو، تمہارے بابا گئے تو زمانے کی نگاہیں، رشتے، شناخت، تعلق سب وجود کھو بیٹھے تھے اور مجھے لگتا تھا میں پہاڑ سی زندگی مشکل وقت نہ کاٹ پاؤں گی مگر اپنی اولاد کے لیے میں نے خود میں جرات، ہمت اور حوصلہ پیدا کیا اور رب کی ممنون ہوں کہ نہ صرف مجھے زندگی کا ثمر دیا بلکہ تم بھی غلط ہاتھوں میں جانے سے محفوظ رہے۔''

ان کی شدت جذبات سے بھیگی ہماری آواز ارتعاش سا پیدا کر گئی کرے میں۔

''میں خوشیوں کی سدا متلاشی رہی ہوں یہ بہت عجلت دکھا کر میرے پاس سے جاتی رہی ہیں، میرا دامن ان کو سمیٹنے کے لیے پھیلا ہی رہا ہے۔''

''امی اب انشاء اللہ خوشیاں آپ کے پاس سے کہیں نہیں جائیں گی بلکہ اللہ آپ کو اتنا نوازے گا کہ آپ کا دامن کم پڑ جائے گا بھول جائیں وہ دن جو گزر گئے اب صرف خوش رہیں اور پورے دل سے مسکرائیں کہ زندگی آپ کی ریاضتوں کا صلہ دینے کو تیار کھڑی ہے۔'' وہ یقین سے بولا تو رشیدہ نے اپنے سجیلے بیٹے کا ماتھا چوم کر ڈھیروں دعائیں کیں اور پھر ثمن کو کھانا لگانے کا کہتے ہوئے اندر کی سمت بڑھ گئیں۔ جبکہ وہاں سر جھٹک کر خود کو ٹینس ہونے سے بچاتا اپنے ہاتھ میں پکڑا گلاس غٹاغٹ پی گیا۔

☆☆☆

اپنی ویرانیاں چھپانے کو درد کا جال بن رہا ہوں میں
حال میں اپنے گم سہی لیکن دھڑکنیں تیری سن رہا ہوں میں

یہ دوسرے ہی دن کی بات تھی کہ کیتھرین اور تاشی کے ہمراہ وہ چن زوچنگ کے پاس پہنچ گئی درمیانی عمر کا یہ شخص ''ڈفینگ شوئی'' کے علم کا ماہر تھا کیتھرین نے مختصر الفاظ میں ماریا کا حدود اربعہ اور

سا کیکی بتائی پھر اس شخص نے ماریا کو کچھ بھی سنانے کو کہا تھا۔

''کوئی مدھر گیت، پوئٹری، اچھی بات، کوئی بھی چیز۔'' اور ماریا نے رابرٹ فراسٹ کی دو تین چھوٹی چھوٹی نظمیں سنائیں۔

۱۔ جنگل تاریک اور گہرے ہیں
مجھے پھر بھی وعدوں کو نبھانا ہے
میلوں دور جانا ہے اس سے پہلے کو نیند آ جائے
اس سے پہلے کہ نیند آ جائے
کنارے پر ہی رہنا ہے

اسے نہیں معلوم نہیں کہ اس چیز سے وہ شخص کیا اندازہ لگاتا ہے اور کیسے اس کی مائینڈ باڈی تکنیک تک پہنچتا ہے مگر اس شخص نے بولنا شروع کیا تو سمجھے اور جاننے کو ماریا کو بڑی خاموشی اور توجہ سے سننا پڑا۔

''پانی انسانی زندگی میں پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک عمل دخل رکھتا ہے اس لیے پانی کا زیادہ استعمال کریں اور ایسی جگہوں پر فارغ وقت میں بیٹھیں جہاں پانی پر نظر رکھ سکیں، اسی طرح اچھی موسیقی آپ کو فوراً گہرائی میں لے جاتی ہے اور مراقبے سے قریب کر دیتی ہے۔''

اس کو روزانہ کچھ دیر غور اور توجہ سے سنیں آپ کے ذہن میں جو فتور ہو گا وہ نکل جائے گا، گھر سکون کی جگہ ہے گھر کے کمروں میں خوشبو کا استعمال کریں اس سے گھر میں داخل ہوتے ہی آپ کو ساری تھکن اتر جائے گی۔

روزانہ گھر میں ایک موم بتی روشن کرنے سے بھی ذہن کو سکون ملتا ہے۔ جب ذہنی تناؤ بڑھتا محسوس ہو تو کسی باغ میں نکل جائیں، ذہن میں یہ بات رکھیں کہ آپ اس دنیا کی ساری باتیں چھوڑ کر کسی نئی اور صاف و شفاف دنیا میں داخل ہو رہی ہیں کوئی بھی دانہ دنکا پرندوں کے لیے پھینکیں جب یہ دانے پرندے کھانے لگیں تو آپ سے سمجھیں کہ انہوں نے ان کے ساتھ آپکی پریشانیوں کو نگل لیا، اس طرح آپ خود کو پرندوں کی مانند ہلکا پھلکا محسوس کریں گی۔

اسی طرح روزانہ پانچ منٹ یوگا کرنے سے آپ کی زندگی میں توازن پیدا ہو سکتا ہے، سیدھی سی تکنیک یہ ہے کہ سانس کو اندر لیں اور چار تک گنیں، اس کے بعد سانس کو خارج کر دیں۔

اگر آپ افراتفری مچا کر کام کرنے کی عادی ہیں تو اس عادت کو بتدریج ترک کر دیجیے۔۔ اپنی سوچ اور اپنے عمل کو سکون پہنچانے کے لیے تیزی کی رفتار کم کر جیں۔ بے روی سے بچنے کی کوشش کریں سونے کے اوقات مقرر کر لیں اور اپنے بیڈ کو صرف سونے کے لیے مختص کر لیں اور سونے سے پہلے ٹی وی دیکھنا یا اخبار پڑھنا نیند کے مسائل میں اضافہ کرتے ہیں۔ سونے سے قبل نہا لینا اچھی عادت ہے۔

اسی طرح منفی خیالات مثلاً جیلسی اور غصہ آپ کی ذہنی آزادی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں جب بھی کسی سے متعلق یہ خیالات ذہن میں آئیں تو اپنی طرف سے بھی دیکھ لیں کہ کہیں آپ سے تو کوئی غلطی نہیں ہوئی ہے۔

علاوہ ازیں آپ دوسروں کو برا بھلا کہنے کے بجائے انہیں سمجھنے کی کوشش کریں، یہ بہت اہم بات ہے کہ آپ منفی باتوں کو اپنی میموری میں جگہ نہ بنانے دیں، تاکہ وہ آپ کو مزید ہرٹ، مضطرب اور ڈسٹرب نہ کریں، اگر آپ منفی لوگوں کے لیے وسیع القلبی کا مظاہرہ کریں تو آپ کے اندر غصہ آپ کی سورج کی طرح روشن اور پرجوش فطرت کو کبھی بھی تباہ کرنے کا باعث نہیں بنے گا۔'' یہ تمام نکات واضح طور پر سمجھانے بتانے کے بعد وہ شخص انہیں باقاعدہ ٹائپ کر کے دیتے ہوئے بولا تھا۔

''یہ نہ تو میڈیسن ہے نہ دیسی نسخہ روزمرہ زندگی کے معمولات میں انجام پانے والے بہت بے ضرر اعملا ہیں جنہیں استعمال کر کے آپ زندگی کو اپنے لیے زیادہ مفید زیاددہ باعمل اور بامقصد بنا سکتی ہیں۔ کیونکہ فینگ شوئی کا بنیادی مقصد ہی معاملات زندگی میں توازن رکھنا ہے توازن ہی شخصیت کو سکون، امن اور خوشی کا گہوارہ بناتا ہے۔''

''اگر ان میں کوئی بات مشکل ناقابل عمل یا دشوار لگے تو مطلب ہوگا آپ پیدائشی اسٹریس کیس ہیں۔'' وہ بات کے اینڈ میں ذرا سا مسکرائے۔

''نہیں سر، یہ تو بہت آسان اور ہلکی پھلکی باتیں ہیں جن کو اپنانا یا انہیں اپنے روزانہ کے معمول کا ۔۔۔نا کوئی اتنا دشوار نہیں۔'' ماریا آرام سے بولی۔

''گڈ یہ بہتری کی جانب پہلا قدم ہے کہ آپ خود کو متوازن رکھنے کے حامی ہوں۔''

''سر کیا یہی ''فینگ شوئی'' کا طریقہ علاج ہے اور اس کے بعد ماریا ایک صحت مند خوشگوار زندگی گزار سکے گی۔'' کیتھرین نے پوچھا۔

''وائے ناٹ شیور، یہ موسیشین، ماحول کو نارمل اور بہتر رکھنے کا ہلکا تکنیکی فرسٹ سیشن ہے تو تقریباً پندرہ روزہ ہے اپنے نصف متعلقہ معاملات و معمولات اسی تکنیکی سپرٹ کو استعمال کرتے ہوئے قائم رکھتے ہیں اور پندرہ دن بعد آپ نے آ کر بتانا ہے کہ اب آپ کو اسٹریس، ٹینشن یا دباؤ نے کتنا تنگ کیا۔''

''خود کو کیسا محسوس کیا اور دوسروں کا رویہ کیسا لگا، زندگی کس حد تک مہربان اور آسان لگی اور کس حد تک دشوار تر۔''

''تو اس کا مطلب ہے ہماری اگلی ملاقات پندرہ روز بعد ہوگی۔'' تاشی نے کہا۔

''یقیناً اور اس کا کلی انحصار مس ماریا کی مائینڈ اسٹریجی یہ ہے کہ وہ فینگ شوئی پہ عمل کر کے خود کو اور اس علم کو کتنا مفید بناتی ہے۔''

''سر ماریا بہت حوصلے اور ہمت والی لڑکی ہے اگر اس نے اتنے عمیق حالات میں خود کو سنبھالے رکھا اور علاج کے لیے تیار کر لیا تو مجھے فینگ شوئی کا میدان بھی سر کر لے گی۔''

''اور میرے لیے یہ سب سے بڑھ کر خوشی کا مقام ہوگا کہ آپ بطور ایک سیاحتی مہمان ہمارے ملک سے واپس جائیں تو خوشی، صحت، مفید زندگی اور دیرپا کامیابی کا احساس آپکے ہمقدم چلے۔'' چن زو چنگ خوشدلی سے بولے پھر ماریا سے براہ راست مخاطب ہوئے۔

''مس ماریا ہم سب ہی سہرا ہے جانے کے مشتاق ہوتے ہیں لیکن اگر آپ اپنے کام سے خود

مطمئن ہیں تو یہ کافی ہے، اگرچہ بعض تبدیلیاں یا ناگزیر وجوہات تناؤ کا باعث بھی بنتی ہیں مگر ان کے بعد ہونے والی مثبت تبدیلیوں کو نظر انداز مت کیجیے، مثلاً آپ نے کچھ کھویا تو زندگی کو بار بار پایا بھی پھر کیتھرین تاشی جیسی فرینڈز ملیں اور کچھ اور اچھے لوگ جو آپ کو پھر سے زندگی اور جینے تک لانے کا سبب بنے سو سب بھلا کر صرف یہ سوچیں کچھ دیر کو کہ اتنا کھو چکنے کے بعد پانے کو ابھی پوری دنیا پڑی ہے اور یقین کریں یہ سوچ شعوری طور پر آپ کا مائنڈ، سسٹم اور فیلینگز چینج کر دے گی، پھر زندگی میں کچھ نیا کرنا کچھ انوکھا پانا بہت سہل ہو جائے گا آپ کے لیے۔''

کتنے رسان سے نرم خو انداز میں وہ سمجھا رہے تھے اور ماریا متاثر سی بغور سن رہی تھی کہ اسے اپنی زندگی سے حقیقتاً پیار تھا اور اس سے پیار کو سمجھ کر وہ زندگی کے مقصد سے جڑ جاتی تو اسے بالکل واضح تصویر نظر آتی کہ کون سی چیزیں اس کے مقاصد کے حصول کے لیے معاون ہیں، اور شاید اب وہ اسی طلب و پرکھ میں افسردگی کو دور بھگانے کا سوچتی زندگی کو مکمل طور پر پانے، لینے، دینے کے وسائل سے فیض یاب ہونے جا رہی تھی 'فینگ شوئی' اس معاملے میں کتنا مددگار تھا یہ آنے والے پندرہ دن بتاتے جب ماریا اپنے معمولات اسی ترتیب و شمار میں رکھتی اور یہ چیزیں وہ اپنے کنٹرول میں کر رہی تھی۔

☆☆☆

ڈاکٹر نے جو میڈیسن لکھ کے دی تھیں وہ استعمال کر رہی تھی اور اسے خاصا فرق پڑا تھا، شائستہ بیگم اور غضان علی خان نے اس سے رات کو بات کی تھی سنعیہ کا لہجہ بھرا گیا تھا ان سے بات کرتے ہوئے پھر بھی خود پہ قابو پا کے وہ نارمل لہجہ میں بولی۔

''تم ڈاکٹر کو بلوا کر ایک بار پھر چیک اپ کروا لینا اور ڈائٹ بھی پراپر لینا ورنہ ویکنیس زیادہ ہو جائے گی۔'' شائستہ نے تشویش سے کہا۔

''جی مما، آپ کا واپسی کا ارادہ کب تک ہے۔'' سنعیہ نے پوچھا۔

''ایک دو روز لگ جائے گا تھوڑا کام باقی ہے۔'' پھر انہوں نے شہریار سے کچھ دیر گفتگو کی جس میں زیادہ تلقین سنعیہ کا خیال رکھنے اور ڈاکٹر کو دکھانے کی تھی۔ شہریار سونے سے قبل ایک بار پھر ڈاکٹر کو بلوایا تھا، تشویش کی بات نہیں، پہلے سے بہت بہتر ہیں یہی دوا مزید دو دن استعمال کریں۔ جو تھوڑی بہت بیماری ہے صحیح طور پر رخصت ہو جائے گی۔

اگلی صبح وہ ابھی ناشتے سے فارغ ہوئی تھی کہ صبا آ دھمکی۔

''اف بے وفا لڑکی میں نہ ملوں تو تم مجھے بھلا بیٹھتی ہو۔'' انتہائی محبت سے گلے ملتی وہ بشاشت آمیز لہجہ میں بولی تو سنعیہ کو یوں لگا نئی زندگی ملی ہو اک واحد وہی تو دوست تھی اسکی۔

''میری طبیعت بہت خراب ہے دو تین دن سے ورنہ تم جانتی ہو میں تم سے ملے بغیر، یا بات کیے بنا دن نہیں گزارتی۔'' سنعیہ کو رونا آنے لگا۔

''اوہ تو...... پھر کوئی دوا وغیرہ لی۔'' صبا نے تشویش سے پوچھا۔

''ہوں، اب تو بہت بہتر ہوں۔''

''مجھے تو بہت کمزور اور پیلی لگ رہی ہو چہرہ دیکھو کیسا ہو رہا ہے۔''

''تھوڑا بہت اثر تو بخار چھوڑتا ہے پھر فلو بھی اتنا زیادہ تھا میں تو کڑوا جوشاندہ پی پی کے بھی تنگ آ گئی۔''

''ساتھ یہ بھی بتاؤ کہ یہ سب ہوا کس وجہ سے۔'' شہریار جو والٹ اور موبائل پکڑے آفس کے لیے تیار ہو کر اپنے کمرے سے نکلا تھا بولا۔

''السلام علیکم بھائی کیسے ہیں آپ۔'' صبا خوشدلی اور بشاشت سے بولی۔

''وعلیکم فائن اور میں آفس سے لیٹ ہو رہا ہوں ورنہ بیٹھتا، اپنی دوست کو ذرا سمجھا دینا کہ زندگی ایسے نہیں گزرتی جیسے یہ گزارنا چاہتی ہیں ہم بہت سے رشتوں، ناتوں، لوگوں سے وابستہ ہوتے ہیں اور ہمیں ان سب کی توقعات کا خیال رکھنا پڑتا ہے ہماری ذرا سی بے احتیاطی عمروں کی ریاضت مٹی میں ملا دیتی ہے۔'' بہت سنجیدہ سے لہجے میں کہتا وہ الوداعی سلام کر کے پلٹا تو صبا سعیہ کی طرف متوجہ ہوئی جس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات واضح تھے۔

''بائے دا وے یہ شہریار بھائی کس سلسلے میں کہہ رہے تھے آپ نے جو بے احتیاطی کی کیا اس کی وضاحت ہو سکتی ہے؟''

''کچھ نہیں خوامخواہ عادت ہے اس شخص کو ایفی شینسی دکھانے کی اور میں نے کوئی جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا اسی نے غصہ دلایا تھا مجھے۔'' وہ بہت تیکھی ہو رہی تھی صبا نے قدرے دھیان اس کے تاثرات دیکھے۔

''کیا کیا تھا شہری بھائی نے آئی مین وہ کونسی بات تھی جس پہ تمہیں غصہ آیا۔'' سعیہ نے ذرا دیر کو لب بھینچتے ہوئے خود کو کنٹرول کیا اور پھر گاڑی خراب ہونے سے لے کر ریسٹ ہاؤس جانے، بارش میں بھیگ کر بیمار ہونے تک سارا قصہ کہہ سنایا۔

صبا کچھ دیر کو تو اسے دیکھتی رہ گئی اسے یقیناً سعیہ سے اتنی بیوقوفی کی امید نہ تھی پھر قدرے توقف کے بعد ناراضگی سے بولی۔

''تم نے واقعی بہت غلط حرکت کی، شہریار بھائی نے تمہیں کچھ نہیں کہا؟''

''کچھ نہیں بہت کچھ کہا خوب جھاڑا، اتنا ڈانٹا اور میں نے پہلی بار اسے اتنا غصہ کرتے دیکھا تھا۔''

''یہ تو بالکل ٹھیک کیا اس نے تمہارے ساتھ یہی ہونا چاہیے تھا۔''

''بکو مت اتنی ڈانٹ سنی ہے میں نے اگلے پچھلے بدلے لینے پر تلا ہوا تھا وہ شخص، اور تم اسے ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' سعیہ کو شدید غصہ آیا۔

''دیکھو سعیہ جو حرکت بنا سوچے سمجھے تم نے کی اس سے تمہیں کوئی نقصان بھی پہنچ سکتا تھا اس نے تمہیں ڈانٹا جو کہ بالکل صحیح تھا کیونکہ ہم اس کی ذمہ داری تھیں اور فرض بھی۔''

''بالکل نہیں تسلیم کرتی میں اس فرض ورض یا ذمہ داری کو وہ شخص بھی اکڑو خان بنا اپنی اسی ذمہ داری کا دھونس جما رہا تھا۔''

''یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے اس کا معمولی ڈانٹ ڈپٹ کرنا، اگر وہ چاہتا تو تمہارے پیرنٹس کو بتا کر تمہارے لیے خفت و شرمندگی کا خوب اٹیک کر سکتا تھا، مگر نہیں اس نے صرف خود تک

اس بات کو محدود رکھتے ہوئے ڈانٹنے پر اکتفا کیا اور اتنا حق اس کا بنتا ہے آفٹر آل تم منکوحہ ہو اس کی۔'' یہ سن کر صبا رسانیت سے بولی تو اسے رونا آنے لگا۔

''اتنی انسلٹ کی اس نے میری اور تم بھی اس کی طرف دار ہو تمہیں میری انسلٹ معمولی چیز لگ رہی ہے۔''

''اگر وہ یہی ڈانٹ ڈپٹ تمہارے گھر والوں کے درمیان سب بتاتے ہوئے کرتا یا تم کسی اور پھڈے میں پھنس جاتیں اپنے اس کام کے باعث تو تمہیں پتا چلتا انسلٹ کیا ہوتی ہے تمہاری اس ذرا سی بے احتیاطی کا کچھ بھی نتیجہ نکل سکتا تھا۔ تمہارا بنا سوچے سمجھے ریسٹ ہاؤس سے نکل پڑنا کچھ بھی رنگ لا سکتا تھا اور یہ سب شہریار کے سر منڈھا جاتا کہ گھر سے تو وہ بہر حال اپنے ساتھ تمہیں لائے تھے، سو سویٹ فرینڈ اگر انہوں نے ایک معیوب بات پہ ڈانٹ دیا اسے ان کا حق سمجھ کر نظر انداز کر دو کہ خود نہ جانے کتنے ٹینس ہوں گے وہ اس وقت۔'' صبا نے مسکراہٹ اچھالتے ہوئے کہا تو وہ اسے گھورنے لگی۔

''مٹی ڈالوں یعنی اپنی اتنی انسلٹ وہ بھی شہریار کے ہاتھوں بھول جاؤں۔'' وہ بدکی۔

''جتنا زچ اس نے بندے کو تم پچھلے کئی مہینوں سے کر رہی ہو اس کی سزا تو بھرنی ہے تمہیں۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' سعیہ نے گھورا۔

''یہی کہ حالات و واقعات کو اب ڈی اینڈ کرتے ہوئے فیصلہ کر لو۔'' وہ شرارت سے بولی۔

''یہ پہیلیاں مت بجھواؤ سیدھی بات کرو۔'' سعیہ نے استفہامیہ انداز میں بھنویں اچکائیں۔

''یہی کہ بندے کا امتحان ختم کرو اور شادی کر لو۔'' صبا دوستانہ لب و لہجے میں بولی تو اسے پتنگے لگ گئے۔

''اٹھو اور دفع ہو جاؤ تم ہو ہی نہیں اس قابل کہ تمہیں کچھ پوچھا بتایا جائے یا کہ تم سے دوستی رکھی جائے۔''

''دھیرج اتنا تو بتا دو موصوف کو کیا جواب دوں پھر چلی جاتی ہوں۔''

''تمہارا مطلب ہے شہریار نے یہ کہا یعنی شادی کا۔'' سعیہ نے بے یقینی سے پوچھا۔

''بالکل ورنہ مجھے کیا ضرورت تھی گیارہ بجے کے بجائے آٹھ بجے اٹھ کر آنے کی۔'' صبا نے مجرمانہ انداز میں سر جھکاتے ہوئے کہا۔

''تو اسے بتا دینا نہ اب نہ پھر کبھی، شہریار سے مجھے شادی کرنی ہے نہ یہ شخص میری چوائس بن سکتا ہے۔'' وہ دانت پیستے ہوئے بولی تو صبا نے پر سوچ انداز میں کہا تھا۔

''یار اتنے شاندار اور اٹریکٹو بندے کو دیکھ کر تو لڑکیوں کے دل کی گھنٹی بجنے لگتی ہے اور تم انکار کر رہی ہو جبکہ موصوف خود تم میں انٹرسٹڈ ہیں۔''

''کوئی انٹرسٹڈ نہیں وہ سب ڈرامہ ہے۔'' اس نے سر جھٹکا۔

''تو پھر اپنے دل کی گھنٹی کو ہلاؤ جلاؤ ہو سکتا ہے تمہارا انکار بھی ڈرامہ ہو۔'' صبا نے شرارتی لب و لہجہ میں مسکراتے ہوئے کہا پھر اس کی خونخوار آنکھوں اور ہاتھوں میں پکڑے تکیے کو دیکھ کر بھاگ لی، سعیہ نے کچھ لمحے دیکھا پھر تکیہ پھینک کر اس کے پیچھے لپکی۔

☆☆☆

طیبہ کی باتوں نے اسے الجھا دیا تھا، شہریار کے رویے اوران باتوں کو لے کر وہ اتنی پریشان تھی کہ یونیورسٹی سے لوٹی تو بھوک ہونے کے باوجود کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔

''آپی کیا ہوا، موڈ ٹھیک نہیں لگ رہا آپ کا؟'' جویریہ نے پوچھا۔

''کچھ نہیں، یونہی سر میں درد ہو رہا ہے۔''

''تو چائے بنا دوں یا کچھ کھانے کو دوں۔''

''اُفوہ...... جویریہ تم آرام کرنے دو مجھے۔'' وہ چڑ کر بولی تو جویریہ نے غور سے دیکھا تھا اسے وہ بہت پژمردہ لگ رہی تھی۔

''آپی آپ کچھ دنوں سے بہت کمزور اور بجھی بجھی دکھائی دے رہی ہیں، کیا پریشانی ہے مجھ سے بھی نہیں کہیں گی۔'' جویریہ آہستگی سے بولی۔

''مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے بس ایگزامز سر پر ہیں تو انہی کی ٹینشن ہے۔'' اس نے ٹالا۔

''کمال ہے ہمیشہ اچھے گریڈز میں پاس ہوتی ہیں قدرتی اتنی ذہانت ہے کہ پڑھائی کبھی آپ کی ٹینشن بنی نہیں بات کچھ اور ہے۔''

''جویریہ میرے سر میں واقعی بہت درد ہو رہا ہے اور تم پلیز یہ اندازے مت لگاؤ چائے بنا دو میں پی کر ڈاکٹر سے دوا لاتی ہوں۔''

جویریہ کو چونکہ خود بھی اپنے اندازے کا یقین نہیں تھا سو چپ کر کے چلی گئی اور اس کے جاتے ہی گویا ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا تھا وہ گھٹنوں میں سر دیئے رو دی۔

کتنے آرام دہ انداز میں سہل زندگی گزر رہی تھی، اپنے گھر کا اعتماد و سکون اور وہاج حسن کی محبتیں سب مکمل تھا۔

مہکتے دن، دہکتی شامیں، محبتوں کا نرمی سے بہتا دریا کوئی غم پریشانی کچھ نہ تھا، خوشبودار باتیں، خوشگوار لمحات، روز ملاقاتیں، ملنے پر گھنٹوں باتیں، مگر پھر تیز و تند ہواؤں کے ساتھ غم کے طوفان اور ہمت ہارے ہوئے جینے کی سعی کرتی وہ نازک سی لڑکی جو سنبھل نہ پا رہی تھی اور اسے وہاج حسن سنبھالتا تھا، حوصلہ دیتا تھا، اس کو غم سے نکالنے کے لئے وہ کتنا مخلص تھا پھر اس روز کیا ہوا تھا، اس نے کتنا کچھ کہا تھا۔

''کیوں کیا، اسے میری صاف شفاف محبت بھول گئی، کیا میرا ساتھ دیتے وہ تھکنے لگا ہے۔'' اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں اور سر کا درد شدید ہونے لگا۔

''آپی کیا درد زیادہ ہو رہا ہے۔'' جویریہ نے چائے لائے ہوئے پوچھا۔

''تمہیں کیسے بتاؤں میں کہ درد کا یہ بھنور کتنا شدید ہے۔'' اریبہ نے ہتھیلیوں سے رگڑ کر آنکھیں صاف کیں، جویریہ اسے تشویش سے دیکھ رہی تھی۔

''لائیے میں آپ کا سر دبا دیتی ہوں۔'' جویریہ نے کہا تو وہ انکار کرتے ہوئے بولی۔

''نہیں رہنے دو، تم مجھے کوئی پین کلر دے دو اور بس آرام کرنے دو سو گئی تو خود بخود ٹھیک ہو جاؤں گی۔''

جویریہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اسے دوا دی اور دروازے پہ پردہ برابر کرتے ہوئے باہر نکل گئی، اریبہ نے چائے کا خالی کپ سائیڈ کارنر پر رکھتے ہوئے آنکھیں صاف کیں اور لیٹتے ہوئے تکیہ سر کے نیچے رکھا، وہاج حسن اپنے تمام تر مردانہ غرور و وجاہت سمیت چھم سے سوچ کے افق پر پھر لہرانے لگا۔

''کیا طیبہ کا تجزیہ درست تھا، تم وہاج حسن تم کسی روز اپنی ترجیحات بدل سکتے ہو، اور کیا وہ کسی روز آیا چاہتا ہے، اگر واقعی ثمن، ہما، آمنہ کی شادیوں میں پانچ چھ سال لگ گئے اور تم ترقی پاتے اونچے عہدے پر پہنچ گئے تو کیا واقعی تم مجھے رد کر دو گے۔''

اسے لگا تھا لمحہ بھر کو وہ دکھ کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر گئی ہے، وہاج حسن سے بچھڑنے کا خیال ہی اس کی دھڑکنوں کو منتشر کرنے لگا تھا کہ جب وہ انتہائی غریب تھا بے روزگار تھا ان کے گھر میں خستگی اور مالی بدحالی کا دور دورہ تھا، اس وقت بھی اریبہ نے راہ بدلنے کا نہ سوچا تھا بلکہ اس کے مسائل کو سمجھتے ہوئے اس کا ساتھ دیا تھا، وہ اس سے محبت کرتی تھی بے غرض اور شدید، اس محبت کا اظہار اپنے رویے و انداز سے بھی کرتی تھی، اسی لئے یہ سب سوچتے ہوئے اسے تکلیف ہو رہی تھی، طیبہ کا تجزیہ و باتیں اگرچہ سچی اور تلخ تھیں پھر بھی وہ انہیں سوچتی تو خو کو کسی طور وہاج سے الگ کر ہی نہ پاتی۔

''نہیں طیبہ تم محبت کا درد نہیں جانتیں تمہارے لئے اسی طرح کے مشورے دینا آسان ہے مگر میرے لئے ان پر عمل مشکل کہ میں وہاج حسن سے محبت کرتی ہوں، ٹوٹ کر کی جانے والی محبت وہ محبت جو شاید روئے زمین میں آج تک کسی نے کسی سے نہ کی ہو گی اور یہ محبت تمہیں کیا پتا کب سے میرا اندر پنپ گئی شاید اس وقت جب خدا نے پہلی بار دل بنایا ہو گا اس کے اندر ایک احساس، ارمان، خواہش، اگائی ہو گی، محبت کا اسم پڑھ کر اور وہ دل پھر ہر رنگ جذبے سے سینچ کر خوابوں، خیالوں، امنگوں سے بھر کر اک بے چین مضطرب روح کے اندر رکھ دیا ہو گا اور وہ روح میری ہو گی۔''

''میں جو اول روز سے ہی محبت کی داسی تھی اس کے نام کی مالا کیسے نہ جپوں اپنے دل کو کیسے اجاڑ دوں جو بنا ہی محبت کے لئے ہے، چاہے وہ کتنے برس لگائے اپنے فرائض نپٹانے میں مگر محبت تو آپشنز نہیں بدلتی نا، سو میں بھی نہیں بدلوں گی۔''

وہ خود کو سمجھا رہی تھی مگر آخر کب تک، کہ واہمے، خدشات منہ اٹھائے اس کے سامنے پھن پھیلائے آ کھڑے ہوئے، وہ رات اس نے جیسے تیسے کر کے کاٹی، اگلے صبح یونیورسٹی گئی تو کلاسز مکمل ہونے میں ہی وقت کاٹنا جیسے دشوار تھا، آخری پیریڈ آف تھا، وہ گومگو کی سی کیفیت میں اپنی دوستوں کے پاس سے گزرتی سوچ رہی تھی۔

''وہاج حسن سے ایک بار مل لیا جائے آخر معلوم تو ہو وہ چاہتا کیا ہے؟''

اور اپنے نوٹس فائل میں پن اپ کر کے ترتیب سے لگاتی وہ آخرکار فیصلہ کر گئی۔

شاید یہ اس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ وہاج اسے یونیورسٹی روڈ سے ذرا آگے مل گیا اریبہ کو ٹیکسی سے اترتے وہ دیکھ چکا تھا مگر انجان بنا موٹر سائیکل کی ٹینکی فل کرواتا رہا، جیسے ہی وہ پٹرول پمپ

سے ذرا ادھر ہوا اریبہ نے جیسے بھاگ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''یہیں کسی پارک میں لے چلو، مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

وہاج کو اس کی حرکت پر بری طرح طیش آیا تھا، مگر وہ کوئی سچوئیشن کری ایٹ نہیں کرنا چاہتا تھا کہ یہ پبلک پلیس تھا، سولب بھینچ کر لحظ بھر اسے دیکھنے کے بعد بیٹھ گیا اور ایک قریبی پارک میں اتارتے ہوئے بولا۔

''جو کہنا ہے جلدی کہو مجھے آفس پہنچنا ہے۔''

''وہاج کیا ہوا ہے تمہیں؟ کیوں کر رہے ہو میرے ساتھ ایسا؟'' وہ روہانسی ہوئی۔

''کیا کر رہا ہوں۔'' چبھتا ہوا لہجہ۔

''کتنے دن ہو گئے، ملے نہیں نہ فون اٹینڈ کرتے ہو۔''

''میرے خیال میں ہمارے درمیان ایسا کوئی تعلق نہیں جس کے برتے پر ہم ملیں۔''

''محبت، نسبت، ہمارے دکھ، خواب کیا یہ تعلق نہیں؟''

''اچھا جبکہ ان چیزوں کو تم خود ریفیوز کر چکی ہو۔'' وہ آرام سے بولا۔

''شٹ اپ وہاج، جسٹ شٹ اپ تم میری مجبوریوں سے آشنا ہونے کے باوجود مجھے خوار کر رہے ہو، تمہیں معلوم ہے کہ میرا اپنا سگا بھائی مجھ پہ طعنہ زنی کر رہا تھا تمہارے حوالہ سے لوگ دبی زبانوں میں بولتی آنکھوں سے تیر مارتے ہیں اگر خود کو ان طعنوں تشنوں اور گندے چھینٹوں سے بچانے کو اک بار انکار کر دیا جانے سے تو تم نے اسے سزا بنا دیا میرے لئے۔'' وہ بے حد اشتعال آمیز جذباتی انداز میں بولی تو وہاج نے چند لمحے اسے دیکھنے کے بعد اک گہری سانس نکالی اور درخت سے ٹیک لگالی۔

''باہر لے کر گھومنا چاہتے ہو، میرے ساتھ آؤٹنگ، ہوٹلنگ کی خواہش ہے، اگر یہی تمہارے راضی ہونے کا حوالہ ہے تو مجھے منظور ہے تم دنیا کے آخری سرے پر بھی جانے کو کہو گے تو میں بنا انکار کیے چلوں گی، تمہاری ہر بات مانوں گی ہر خواہش کا احترام کروں گی۔'' گھنی پلکوں تلے سیاہ آنکھوں میں دکھ و غصہ کے رنگ لئے تمتماتے چہرے کے ساتھ بولتی وہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی جو اب کچھ نہیں بولا تھا۔

اریبہ کی آنکھوں سے چھلکتا انتشار اور اضطراب اس کی تمام اذیت افشار کر رہا تھا وہ یکلخت ہی چہرہ موڑ کر نگاہیں جھکتے ہوئے اپنے آپ کو پرسکون کرنے لگی اور اس سعی میں قدرے کامیاب ہو جانے کے بعد اس نے خاموش کھڑے وہاج حسن سے بہت آرام اور رسان سے کہا تھا۔

''تم اپنی منوانے کے لئے میری ایک بات لو مجھ سے شادی کر لو۔'' اس کی سکون سے کہی گئی بات وہاج حسن کے لئے کسی دھماکے سے کم نہ تھی وہ ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگا۔

☆☆☆

فوک گلوکارہ بار برا اسینڈرل کو سنتے ہوئے وہ چینی گارڈن میں چہل قدمی کر رہی تھی واک مین لگائے پھولوں، خوشبوؤں سرسبز درختوں کے درمیان کچھ دیر ہر چیز سے دور فطرت کے بے حد قریب زندگی کتنی سحر انگیز لگ رہی تھی۔

ٹہلتے ہوئے وہ مونگ پھلی بھی کھا رہی تھی جس کے کچھ دانے باغ میں چہکتے پرندوں کو بھی ڈال رہی تھی اور ایسا کرتے ہوئے وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی، کسی نئی اور صاف شفاف دنیا میں قدم رکھتی یوں محسوس کر رہی تھی روشنی کا اک دریا ہے جو اس کے اندر ہیولا بن کر لہرا رہا ہے اور اسے بدل رہا ہے نئی عادات نئے معمولات اور نئے ویوز اسے یکسر ایک نئی شخصیت کے طور پر ڈھال رہے تھے، وہ اعصابی اضمحلال اور خود کو ہر دم مجبور بے بس سمجھنے والا احساس جیسے منہ چھپا کر کہیں بھاگ رہا تھا۔

آہستگی سے بہت نرمی سے وہ خود کو ایک متوازن، بہترین اور پرسکون زندگی کی طرف چلتے پا رہی تھی اور محسوس کر رہی تھی کہ خود سے پیدا کردہ خوشگوار خیالات اور اچھے احساسات کے ساتھ ایک خوبصورت زندگی گزاری جا سکتی ہے، آئندہ وقت کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہونے کے بجائے اپنے خوف کا براہ راست مقابلہ کرنا ہی پریشانی کو تخلیقی یا تعمیری جانب موڑتا ہے۔

اور فینگ شوئی کا یہ نکتہ اس کے بے حد کام آ رہا تھا وہ مثبت رویے، مثبت سوچوں کو اپنا رہی تھی، زندگی کے رنگ، عکس، نقش اور خوبصورتی کو پورے دل سے محسوس کر رہی تھی اور اس کی یہ تبدیلی سب کو خوشگوار حیرت کا شکار کر رہی تھی۔

زندگی کے لئے اچھا سوچنا، دوسروں کے لئے اچھا چاہنا خود کو اہم سمجھنا اور اپنے اردگرد رہنے والوں کو ان کا جائز مقام دینا، وہ ان سب احساسات کو اپنے اندر پا رہی تھی اپنا رہی تھی اور خوش تھی۔

اسے اب محسوس ہو رہا تھا کہ زندگی الجھنوں، اسٹریس، ناکامی، دکھ اور خود ساختہ اداسی و تنہائی سے ہٹ کر بہت موج مستی والی اک خوشگوار شے اور اس کا ایک بہت معتبر مقصد ہے ایک بہتر مصروف ہے اور وہ بہتر مصرف بہتر مقصد کیا ہے اسے کھوجنا ہے اپنے طور پر مگر کیسے اور کیونکر؟ اس نے پلکیں موندتے ہوئے سوچا تھا۔

سامنے سے آتی تاشی نے اسے دیکھا آرام دہ ٹراؤزر شرٹ میں پیپل کے گھنے سائے تلے آلتی پالتی مارے یوگا کے مخصوص اسٹائل میں بیٹھی وہ بہت اچھی لگی معصوم سیدھی سی۔

''تم کبھی کبھی نہ مجھے تم ''سدھارتھ'' لگتی ہو۔'' تاشی اس کے نزدیک بیٹھتی ہوئی بولی۔

''سدھارتھ'' یہ کیا چیز ہے؟'' ماریا نے استفہامیہ انداز میں پوچھا تو تاشی بے ساختہ ہنستی چلی گئی۔

''یہ کوئی چیز نہیں ایک جیتا جاگتا انسان تھا جو قدیم ہندوستان کی سرحد پر واقع ریاست کپل وستو کا شہزادہ اور ولی عہد تھا، اس کے دل میں جانے کیا سمائی کہ اس نے تخت شاہی، پرتعیش زندگی اور عیش و آرام تج کر ویرانوں کا رخ اختیار کر لیا اور پھر ''گیا'' کے ایک گھنے پیپل تلے ملنے والے ''گیان'' نے اسے ''مہاتما بدھ'' بنا دیا۔''

''امیزنگ ویری انٹرسٹنگ پھر کیا ہوا؟'' ماریا نے بے حد دلچسپی سے پوری طرح تاشی کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

”پھر مہاتما بدھ کی زندگی کا یہ موڑ شاہانہ طرز حیات سے عوامی شب و روز، تعیش سے سادگی، آسودگی سے مصائب اور دولت سے فقر کی ہی طرف سفر نہیں تھا، بلکہ انہوں نے پرہنگام قصر سیاست سے نقل مکانی کر کے روحانیت کی خاموش گھپا میں بسیرا کر لیا۔“ ماریا کو یہ سب سننا اچھا لگ رہا تھا روحانیت سے متعلق گفتگو اس کی توجہ یونہی کھینچا کرتی تھی وہ جانتی تھی تاشی خود بدھ مت کی پیروکار ہے اس کے پاس اس حوالہ سے خاصی معلومات ہونگی، اسی لئے وہ دھیان سے سن رہی تھی۔

”مہاتما بدھ کی وفات کے برسوں بعد اشوک اعظم نے بدھ مت اختیار کر کے اس نوزائیدہ مذاہب کو اقدار و طاقت کا سہارا عطا کیا، اشوک اعظم کی کوششوں سے یہ مذہب نہ صرف ہندوستان کے راج سنگھاسن پر براجمان ہو گیا بلکہ اردگرد کے دیسوں میں بھی تیزی سے پھیلنے لگا پھر ایک وقت وہ بھی آیا جب ہندو مت اس دھرم کو سالم نگل گیا اور یہ اپنی جنم بھومی میں ہی بے نام و نشان ہو گیا۔“

”تم ٹھیک کہتی ہو واقعی مجھے ہندوستان میں بدھ مت کا کوئی ایسا چرچا نہیں دکھا۔“ ماریا نے کہا۔

”مگر اب تک دنیا میں انتہائی خاموش ترین روحانی فلسفہ سے لبریز یہ مذہب اپنے بنیادی اصول عدم تشدد کی راہ پر گامزن پھیل رہا ہے، کیونکہ دینا فرسٹریشن، ڈپریشن، بے سکونی، اور الجھنوں کا شکار ہے، روحانیت اور مراقبوں پر مبنی یہ مذہب چونکہ سکون کو فروغ دینے میں مددگار ثابت ہوا ہے، تو اسے پذیرائی مل رہی ہے۔“ تاشی نے رسان سے کہا۔

ماریا نے خود یوگا، مراقبہ سے بہت سکون محسوس کیا تھا وہ خود بدھ ازم کی مادیت مخالف، ترغیب سے متاثر تھی اور چین آنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ بدھ مت پہ ریسرچ کرنا چاہتی تھی اور تاشی کی فراہم کردہ معلومات اسے دلچسپ و مفید لگ رہی تھیں، وہ مہاتما بدھ کے متعلق اور مزید معلومات کی متمنی تھی۔

اگلے دن کیتھرین اسے اپنے ساتھ لے گئی ان کا گروپ چین کے مشہور زمانہ ثقافتی میوزیم کو دیکھنے جا رہا تھا، میوزیم جانا بھی اپنی جگہ بہت ایڈونچرنگ اور دلچسپ تجربہ ثابت ہوا، چین کی پوری تاریخ تصاویر و تصانیف کے ذریعے محفوظ تھی پھر میوزیم کے ساتھ ہی چین کی قدیم ترین تہذیب کے نشانات اسٹوپوں اور مجسموں کی صورت میں محفوظ تھے، صدیوں پرانے یہ مجسمے آج بھی اپنی بہترین حالت میں موجود تھے، گندھارا تہذیب کے آثار لیے پرانی عبادت گاہیں جنہیں سٹیل کی چھتوں سے ڈھانپ کر محفوظ کیا گیا تھا حیران کن بات یونانی دیوتاؤں کے برہنہ مجسمے تھے خصوصاً اٹلانٹس دیوتا کے بہت سے مجسمے موجود تھے۔

ان کا ٹورسٹ گائیڈ بتا رہا تھا کہ یونانی دیومالا کے مطابق اٹلانٹس وہ پہاڑی دیوتا ہے جس کے بارے میں قیاس کیا جاتا تھا کہ اس دیوتا نے آسمان کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے، اسی وجہ سے اٹلانٹس کا مجسمہ ایسی حالت میں تراشا گیا ہے جسے دیکھ کر یہی گمان ہوتا ہے کہ اس کے کندھوں پر واقعی آسمان کا بوجھ ہے۔

ماریا چلتی ہوئی ہاتھیوں، شیروں کے مجسمے دیکھتی رکی ایک مجسمہ مہاتما بدھ کا اپنی تعلیمات کا درس دینے کا منظر دکھاتا تھا، اس مجسمے کے دونوں پاؤں برہنہ تھے اور ان سلا کپڑا جسم پر اس طرح سے اوڑھے ہوئے کہ دایاں کندھا اور بازو برہنہ تھا اس لباس میں یونانی طرز نمایاں تھی ماریا نے قیاس لگایا کہ یقیناً یہ تہذیب کسی نہ کسی دور میں یونانی سلطنت کے زیر اثر رہی ہوگی۔

ایک چینی وفد شفایابی کے حصول کے لئے قطار کی صورت اپنی باری کے انتظار میں تھے، کیونکہ وہ بدھ مت کے پیروکار تھے اور ان کا اس بات پر پختہ یقین تھا کہ مہاتما بدھ کے صحت یابی کے مجسمے کی ناف میں انگلی ڈال کر اگر بیمار افراد اپنی صحت کے لئے دعا کریں تو سو فیصد شفایاب ہوتے ہیں، انہوں نے کیتھرین کے گروپ کو بھی دعوت دی تھی، جسے نظر انداز کر کے وہ لوگ گائیڈ کے ہمراہ مجسموں کی ایک ایسی مصنوعی شبیہ کی جانب چلے جس میں سوریا دیوتا، پلوٹو دیوتا اور خوبصورتی کی دیوی مہاتما بدھ کی اطاعت کرتے دکھائی دے رہے تھے، گائیڈ بتا رہا تھا کہ حقیقت میں اس منظر کی کوئی سچائی نہیں کیونکہ ان دیوتاؤں کے اصل مجسمے سرکاپ کی وادی سے تعلق رکھتے تھے جہاں عہد قدیم میں بت پرست اقوام آباد تھیں۔

وہ سب کچھ دیر ریلیکس کرنے کو میوزیم کے شمال کی جانب بنے ریسٹ ہاؤس میں آ بیٹھے یہاں کوک، برگر اور فاسٹ فورڈ سے انصاف کرنے کے بعد کچھ دیر باتوں میں لگی پھر میوزیم کے مختلف حصوں میں تصاویر بنائی گئیں۔

مہاتما بدھ کے کئی مجسمے قیمتی پتھروں سے سجے تھے جن میں بیشتر مجسموں کی آرائش عقیق نیلم اور یاقوت سے کی گئی تھی، یہ بیش زیورات سے لیس مجسمے مہاتما بدھ کے ابتدائی دور کو ظاہر کرتے ہیں، جب وہ کھشتری شہزادہ تھا جبکہ بعض مجسموں میں اسے معمولی لباس میں دکھایا گیا تھا جس سے مراد مہاتما بدھ کا گیان حاصل کر لیا ہے، یہ مجسماتی کہانیاں سنسکرت اور چینی زبان کے ایسے قدیم رسم الخط میں عبارتیں بنا کر تحریر کی گئی ہیں جو دور حاضر میں استعمال نہیں کیا جاتا اور اسے دیکھتے ہوئے کچھ بھی ان کے پلے نہیں پڑا ماسوائے گائیڈ کے بتانے کے۔

ایک اچھے معلوماتی سیاحتی ویو سے وہ سب فریش ہو چکے تھے اور گندھارا تہذیب، یونانی طرز تعمیر چینی ثقافت و تاریخ کے ساتھ بدھ مت پہ اک وضاحتی تفصیل و تحقیق انہیں میسر آ چکی تھی، اگلا پورا ہفتہ وہ سب تازہ دم ہو کر اپنا کام کر سکتے تھے، واپسی پہ میوزیم کے انچارج منیجر نے انہیں بطور خاص ایک اچھے خوشگوار طریقہ سے رخصت کیا اور سوفٹ ڈرنک کا اک کارٹن ان کی گاڑی میں رکھوایا۔

گاڑی میں بیٹھ کر سوفٹ ڈرنک پیتے ہوئے وہ سب اپنے آج کے دن کو بہترین کہہ رہے تھے ماریا تو تھی ہی مشکور سب کی کہ اگر وہ لوگ اسے ساتھ نہ لاتے تو وہ کبھی بھی یہ سب نہ جان سکتی یہاں آ کر جان رہی تھی، اس کی تھرلنگ طبیعت کے لئے یہ انوکھا ٹریول تھا۔

(جاری ہے)

محبت دشت فرقت میں

سحر شیخ

مکمل ناول

''کیسی لگ رہی ہوں؟'' اس نے میک اپ کو فائنل ٹچ دیتے ہوئے لپ اسٹک اپنے خوبصورت عنابی ہونٹوں پر پھیلا کر گھوم کر اس کی طرف دیکھا عروئی جو غائب دماغی سے اسے سامنے بیڈ پر بیٹھی دیکھے جا رہی تھی اسی طرح ساکت بیٹھی رہی۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟ اوہ شاید تم یہ سوچ رہی ہو کہ تم بھی میری طرح حسین و جمیل ہوتیں، ہیں نا؟'' اس نے ایک ادا سے لہرا کے کہا تھا عروئی کے وجود میں حرکت ہوئی۔

''آپ تو واقعی بہت حسین ہیں آپی! میں بھلا آپ کا مقابلہ کہاں کر سکتی ہوں۔'' اس نے سنبھلتے ہوئے کہا تھا ساویہ کے ہونٹوں پر فتح مندانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''وہ تو ہے ویسے بھی آج کل حسن اور پیسہ ان دو چیزوں کی بہت مانگ ہے دونوں میں سے ایک چیز ہونا بہت ضروری ہے، اگر عورت کے پاس محض حسن ہو تو اس حسن کے بل بوتے پہ پیسہ حاصل کرنا کوئی ناممکن بات نہیں کوئی بھی شہزادہ عالم اس ریشمی جال میں الجھ کر اپنا سرمایہ زندگی اس حسن پر لٹا سکتا ہے۔'' اس کے لہجے میں فخر تھا، غرور تھا، مان تھا، سرشاری تھی، اس کی آنکھوں میں جگمگاہٹ تھی اس منزل کو پا لینے کی جس کے رستوں پر وہ نہ جانے کب سے سفر کر رہی تھی اور اب سفر تمام ہوا تھا اور اس منزل کی مسافر تو وہ بھی تھی جس نے سفر کا آغاز بڑی امید اور خوشی کے ساتھ کیا تھا اس کے وجود میں بھی کونپلیں پھوٹ رہی تھیں خواہشوں کی کونپلیں اور ان خواہشوں کا

محور وہ تھا جو آج کسی اور کا نصیب بننے جا رہا تھا اس کے احساس میں درد رچ گیا دل میں اضطراب سا پھیلنے لگا آنکھوں میں خواب چبھنے لگے اور روح کھنڈر ہونے لگی۔

''جبکہ تمہارے پاس تو کچھ بھی نہیں، تم تو دونوں میں صفر ہو۔'' اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا اور خود ہی ہنس پڑی عروٰی نے بے یقینی اور حیرت سے اس کے اس انداز کو دیکھا۔

وہ آج تک یہ سمجھنے سے قاصر رہی تھی کہ وہ اس پر اپنی برتری ثابت کر کے آخر اپنی کس حس کی تسکین کرتی ہے ہمیشہ ہی سے اسے اپنے غیر معمولی حسن پر بہت ناز اور گھمنڈ رہا تھا وہ اسے اپنی اسی خوبی کے بل بوتے پر نیچا دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی اکثر وہ اس کے اس بے حس رویے پہ متاسف اور حیران ہوتی تھی کیونکہ اس کی نسبت وہ بہت نفیس احساسات و جذبات کی مالک تھی حالانکہ وہ خود بھی خاصی خوش شکل تھی لیکن اپنی اس خوبی پر اسے کبھی بھی ناز نہیں رہا تھا عاجزی و انکساری اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

''ہاں آپی! آپ سچ کہتی ہیں، آپ کو خدا نے بے مثال حسن دیا ہے اس لئے آپ مجھ سے زیادہ خوش نصیب ہیں۔'' اس نے بنا بحث کیے اس کے اس خود غرضانہ نظریے کو قبول کر لیا تھا کیونکہ دو سال عمر میں بڑی ہونے کی وجہ سے وہ اس کا بہت لحاظ اور احترام کرتی تھی اور یہ احترام تو اب بھی ختم نہیں ہوا تھا جب وہ اس کے اور اسجد حدید کے درمیان آ گئی تھی۔

''تم میری منگنی پر کون سا جوڑا پہنو گی؟'' ساویہ نے ایک ادا سے اپنے بال جھٹکتے ہوئے اس سے پوچھا تھا اس نے یکدم چونک کر اسے دیکھا اس کے زخم رسنے لگے تھے جنہیں بھرنے کی کوشش میں وہ ہلکان ہوئی جا رہی تھی یا دن کا چین اور رات کی نیند کہیں اور جا سوئی تھی اس نے بمشکل اپنی آنکھوں میں اٹڈنے والی نمی کو روکا۔

''ابھی تو کچھ Decide نہیں کیا، شاید بازار پر جاؤں گی تو جو بھا جائے لے آؤں گی۔'' اس نے سرسری سے انداز میں کہا تھا اور پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی باہر نکل گئی تھی ساویہ نے نخوت سے سر جھٹکا۔

''کیا واقعی آنکھیں دھوکہ دیتی ہیں، کیا اسجد حدید کی نظروں میں چھپی محبت محض دھوکہ تھی؟'' وہ کچن میں کھڑی غائب دماغی سے برتن دھوتی اسی ایک نکتے پہ سوچے جا رہی تھی۔

''کیا واقعی وہ ساویہ آپی کی محبت میں گرفتار تھے۔'' اس کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ پھنس گیا۔

''تو پھر ان کی نظروں نے مجھے کیوں دھوکہ دیا، میرا معصوم سا دل کیوں ویران کر دیا، کیوں اپنی آنکھوں کے ذریعے اپنے حسین پیغامات مجھ تک پہنچائے؟'' وہ غائب دماغی سے ہاتھ میں پلیٹ لئے کھڑی تھی، پانی مسلسل بہہ رہا تھا اسے کوئی خبر نہ تھی۔

''عروٰی کہاں چلی گئی؟ آ کے مجھے دوا دے جا، سچ ہے بندہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرے، کسی کا محتاج نہ ہو، پر کیا کروں جوڑوں کے درد نے مار دیا۔'' اماں کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تو وہ چونک پڑی۔

''اوہ!'' اس نے ٹونٹی بند کر کے بغیر پلیٹ وہیں پٹخی تھی اور تقریباً بھاگتی ہوئی ان تک آئی تھی۔

''اماں! میں بس آ ہی رہی تھی۔'' اس نے سامنے شیلف پر رکھی ان کی دوا اٹھائی تھی اور پاس پڑے جگ میں سے گلاس میں پانی میں انڈیل

لگی تھی۔

''ابھی تو اتنے کام پڑے ہیں کرنے کے لئے، بازاروں کے چکر، گھر کے بکھیڑے دو دن بعد ساویہ کی منگنی ہے اور کام کچھ ہوا نہیں، عروٰی بیٹا تیرا جوڑا درزن نے سی کے بھیجا کہ نہیں۔'' اماں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بھیج دے گی اماں، کہہ رہی تھی کل تک تیار ہو جائے گا، کل جمعرات ہے کل آ جائے گا سل کے۔'' وہ انہیں دوا کھلانے کے بعد لٹا کر لحاف اوڑھا رہی تھی۔

''آپ پریشان نہ ہوں اماں! بازاروں کے چکر میں اور ساویہ لگا تو رہی ہیں، آپ کیوں ناحق اپنی جان کھپاتی ہیں ہم ہیں نا۔'' وہ مسکرا کر بولی تو اماں کو اس پر ڈھیروں پیار آ گیا۔

''جیتی رہ بیٹی! تو نے مجھے بہت سکھ دیا ہے، خدا تجھے ڈھیروں خوشیاں دے۔''

☆☆☆

ساویہ کی منگنی کے لئے جمعہ کا مبارک دن رکھا گیا تھا گھر میں خوب ہلچل مچی ہوئی تھی ابا کا مصالحہ جات کا تھوک کا کاروبار تھا گھر میں خوشحالی تھی کوئی مالی پریشانی نہیں تھی زندگی بہت سکون میں گزر رہی تھی، شجاعت کریم نے اپنی اولاد کو ہر آسائش دینے کی کوشش کی تھی ان کی اولاد میں سب سے بڑی ساویہ تھی اس سے تین سال چھوٹی عروٰی اور عروٰی سے پانچ سال چھوٹا واحد، ان سب میں سے ساویہ بہت دلکش اور خوبصورت تھی اس کی سفید گلابی رنگت، سنہری بال، لائٹ براؤن آنکھیں اور ستواں نقوش، اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگاتے تھے، ایم اے اردو کرنے کے بعد اس نے کسی پرائیویٹ سکول میں جاب کر لی تھی جبکہ عروٰی ابھی بی اے کے فائنل ائیر میں تھی اور واحد میٹرک کا اسٹوڈنٹ تھا ساویہ اور واحد جتنے کھلنڈرے، زندہ دل اور شوخ و شریر تھے عروٰی اتنی ہی دبو، شرمیلی، سنجیدہ مزاج تھی اور اس کی انہی خوبیوں پر اسجد حدید مر مٹا جو عمر میں اس سے پانچ سال بڑا تھا ایم بی اے کرنے کے بعد کسی مقامی بینک میں ملازمت کر رہا تھا، اسجد حدید عنایت حسین اور مہر النساء کا بیٹا تھا اور رشتے میں عروٰی کا پھوپھی زاد، تین بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا تنزیلہ سب سے بڑی تھی پھر ملائکہ اور یہ دونوں ہی شادی شدہ تھیں ان سے چھوٹی شازمہ تھی، جو کسی سے انگیجڈ تھی، تنزیلہ ذرا رعب و دبدبے والی تھی اس لئے سب اس سے دبتے تھے جبکہ شازمہ اور ملائکہ سے ان کی خوب بنتی تھی دونوں گھرانے یک جان دو قالب تھے اسجد باوقار، سوبر اور منکسر المزاج شخصیت کا حامل تھا، بچپن انہوں نے سارا کراچی میں گزارا تھا کہ عنایت حسین کی کسی سرکاری محکمے میں ملازمت کرتے تھے پھر ٹرانسفر ہوا تو وہ بمع فیملی یہیں سرگودھا میں آ بسے یوں دونوں گھرانے پھر سے ایک ہو گئے۔

زندگی یونہی راحتوں کے سفر پر گامزن تھی کہ اس سفر میں اچانک بھیانک موڑ آ گیا جب ایک روز عنایت حسین آفس جاتے ہوئے ٹریفک حادثے میں جاں بحق ہو گئے یہ خبر ان کے گھرانے پر بجلی بن کر گری مہر النساء تو ہوش میں ہی نہ تھیں تینوں بیٹیوں کا بھی غم سے برا حال تھا زخم تو اسجد حدید کو بھی لگا تھا مگر وہ سہہ گیا اور جلد ہی اپنی فیملی کو جذباتی اور مالی سپورٹ دے کر پھر سے زندگی کی طرف راغب کر دیا حالانکہ وہ خود اندر سے ٹوٹ چکا تھا دوسری طرف شجاعت کریم نے ماموں ہونے کا حق ادا کیا اور اسے ہر طرح کی سپورٹ دی انہیں اپنا یہ بھانجا واحد کی طرح ہی عزیز تھا وہ اسے اپنا بڑا بیٹا سمجھتے تھے اسجد حدید ان کی مہربانیوں پر ان کا دل سے ممنون تھا۔

عنایت حسین کی موت کے بعد ان کے گھرانے ایک دوسرے کے زیادہ قریب آ گئے شجاعت کریم کی فیملی نے انہیں تنہا ہونے کا احساس نہیں ہونے دیا اسجد حدید کی گو کہ ان کے تینوں بچوں سے کافی دوستی تھی لیکن اس کا جھکاؤ عروٰی کی طرف زیادہ تھا سماویہ سے اس کا زیادہ تر اختلاف ہی رہتا تھا کیونکہ وہ فطری طور پر جھگڑالو ضدی اور انا پرست لڑکی تھی جبکہ وہ بچپن سے ہی بہت فرینڈلی شریف اور صلح جو تھا اور عروٰی بھی انہی صفات کی مالک تھی تبھی وہ اس کے زیادہ قریب تھا لیکن جوں جوں اس کی عمر کے سال بڑھتے گئے اور اس کا شعور بیدار ہوتا گیا وہ اسجد حدید سے غیر محسوس طریقے سے دور ہوتی چلی گئی وجہ اس کی فطری جھجک اور شرم و حیا تھی جو شعور اجاگر ہونے پر صنف مخالف سے فاصلہ پیدا کرتی ہے اسجد حدید شروع شروع میں تو یہ سب اس کی ناراضگی کا سبب سمجھا لیکن آہستہ آہستہ اس پر عیاں ہوتا چلا گیا کہ وہ اپنے اور اس کے درمیان ایک مشرقی اور شرمیلی لڑکی کی طرح مخصوص فاصلہ رکھنا چاہتی ہے سو وہ بھی اس سے مخاطب ہونے میں محتاط ہو گیا وہ دونوں باتیں بھی کرتے تھے ہنستے بولتے بھی تھے لیکن اپنی اپنی حدود کو پہچان کر جبکہ سماویہ کافی بولڈ بے باک اور باتونی لڑکی تھی وہ ہر بات آسانی سے اس سے کہہ دیا کرتی تھی کوئی حد متعین کیے بغیر، اکثر وہ اس سے کسی نہ کسی معمولی خوشی کے تحت بھی ٹریٹ مانگ رہی ہوتی تھی اور پھر اکیلی ہی اس کے ساتھ ریسٹورنٹ بھی چلی جاتی اسجد حدید ٹالنے کی کوشش بھی کرتا تو وہ لڑنے بھڑنے پر تیار ہو جاتی مجبوراً اسجد حدید کو اس کے مطالبات ماننے پڑتے اس چکر میں اکثر اس کی جیب بھی کنگال ہو جاتی لیکن وہ پیچھے ہٹنے کو تیار نہ ہوتی زبردستی اسے اپنے ساتھ شطرنج کی بازی لگانے کو کہتی کئی بار وہ خود بے ایمانی کرتی لیکن اسجد حدید نظر انداز کر دیتا کئی بار وہ جان بوجھ کر ہار جاتا اور پھر وہ شرط کے طور پر اس سے طے کیے پیسے نکلوا لیتی لیکن پھر اسجد حدید کی زندگی بھی مصروف ہوتی چلی گئی، اسے ایم بی اے کرنے کے بعد بینک میں اچھے عہدے پر ملازمت مل گئی اور یہ تھی بھی دوسرے شہر میں، سو وہ اپنے گھر والوں کو لے کر وہیں چلا گیا ان کی روانگی کے وقت سماویہ اور واحد بہت روئے جبکہ عروٰی اپنے آنسو اندر ہی اندر گراتی رہی اسجد حدید نے جاتے سمے اس کی گہری سیاہ نم آنکھوں میں جھانکا تو وہ پلکیں جھپکا گئی پھر اسجد حدید تو چلا گیا مگر اپنا دل یہیں چھوڑ گیا عروٰی کے پہلو میں اور عروٰی اس کے جانے کے بعد تکیے میں منہ چھپائے گھر والوں سے چھپ کر گھنٹوں روتی رہی اس کے لئے آنسو سماویہ اور واحد کے آنسوؤں سے مختلف تھے سماویہ اور واحد اپنا بہترین دوست اور کزن کے بچھڑنے پر روئے تھے جبکہ عروٰی اسجد حدید کے عشق میں گرفتار ہو چکی تھی۔

دوسری طرف اسجد حدید کی حالت بھی عروٰی سے مختلف نہ تھی وہ اسے اس وقت سے اپنے دل میں بسائے ہوئے تھا جب شعور کی سیڑھی پر پہلا قدم رکھا تھا اسے پتہ بھی نہیں چلا تھا کہ کب وہ اس کی آنکھوں کے ذریعے اس کے دل میں اتر گئی تھی وہ اس کے بہت قریب جانا چاہتا تھا لیکن اس کا گریز اسے اس کے قریب جانے سے روکتا تھا کچھ عمروں کا لحاظ بھی عروٰی کو اس سے زیادہ بے تکلف نہیں ہونے دیتا تھا وہ اس سے پانچ سال بڑا تھا اور وہ اسے بھائی کے لقب سے پکارتی تھی، کبھی آپ سے تم پر نہیں آئی تھی اور پھر جب دل کسی اور تال پہ دھڑکنے لگا تو اس کے انداز میں اور بھی زیادہ جھجک آ گئی پھر اسجد حدید کی آنکھوں میں اپنا نام پڑھ کر اس کے جذبوں کو اور بھی زیادہ توانائی ملی تو اس کی محبت مضبوط ہوتی گئی اسجد حدید اسے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا تھا لیکن ابھی اس کی پڑھائی جاری تھی وہ بی اے کے فائنل ائیر میں تھی دونوں کی آنکھوں میں خواب پل رہے تھے کہ کوئی تیسرا ان خوابوں کے درمیان میں آ گیا اور وہ تھی سماویہ اس کی اپنی بہن جو نہ جانے کب اور کیسے اسجد حدید کو چاہنے لگی اسجد حدید بھی اس کے ان نرم جذبوں سے بے خبر تھا عروٰی کو اس تیسرے فرد کا اس وقت پتہ چلا جب ایک روز اماں کے خیالات سنے۔

☆☆☆

وہ اماں کے کمرے میں موجود دیوار گیر الماری کی صفائی کرا رہی تھی اماں زینت بی کے ساتھ سر جوڑے نہ جانے کیا راز و نیاز کر رہی تھیں زینت بی عنایت حسین کی دور پرے کی رشتہ دار تھیں اسی شہر میں مقیم تھیں دو گلیاں چھوڑ کر ان کا گھر تھا کبھی کبھار چکر لگا لیا کرتی تھیں اور پھر ان کے پاس اماں کو سنانے کے لئے اتنے ڈھیر سارے قصے ہوتے تھے کہ وقت کئی گھنٹے آگے بڑھ جاتا لیکن انہیں خبر نہ ہوتی اسے ہی قصے کہانیوں میں الجھی وہ دونوں اس نئے اور حیران کن موضوع پر آئیں تو عروٰی کی سماعتیں ہوشیار ہو گئیں۔

"میں سوچ رہی تھی اگر اسجد اور سماویہ کا جوڑ بن جائے تو کتنا اچھا لگے گا، دونوں کی جوڑی مناسب اور اچھی لگے گی۔" اماں نے یہ کیا کہا تھا عروٰی کو اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے اور جسم سے جان ختم ہونے لگی۔

"بہت اچھی، دونوں جوڑ کے ہیں اسجد بھی خاصا خوبصورت، گورا چٹا ہے اور سماویہ بھی چاند کا ٹکڑا، دونوں خوب جچیں گے۔" زینت بی نے خوشگوار انداز میں کہا عروٰی کو ٹانگوں پر اپنے وجود کا بوجھ سہارنا مشکل ہو گیا وہ الماری بند کرتی دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔

"لیکن مسئلہ یہ ہے کہ مہر النساء سے بات کون کرے، اب میں لڑکی کی ماں ہو کے خود تو بات نہیں کر سکتی نا۔" اماں فکر مندی سے بولیں۔

"تو فکر نہ کر امینہ، میں بات کروں گی مہر النساء سے، اپنی سماویہ میں کمی کیا ہے، مہر النساء تو انکار کر ہی نہیں سکتی، تو حوصلہ رکھ، میں اپنی طرف سے بات چلاؤں گی۔" زینت بی نے اماں کے شانے پہ ہاتھ رکھ کے تسلی دی باہر کھڑی عروٰی سے مزید برداشت نہ ہو سکا وہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی اور بیڈ پر گر پڑی۔

"اسجد کسی اور کا نصیب، کسی اور کی زندگی، میں کیسے سہہ پاؤں گی یہ صدمہ، اپنے خوابوں کو بکھرتا ہوا کیسے دیکھوں گی، کیسے سمیٹوں گی اپنے خوابوں کی کرچیاں؟" وہ گھٹنوں میں سر دیے بے آواز رونے لگی۔

"اور کیا اسجد...... اسجد مان جائیں گے؟"
اس کے دل میں امید کی کرن جاگی۔

"وہ تو صرف مجھے چاہتے ہیں، صرف مجھے، وہ یقیناً انکار کر دیں گے۔" وہ آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"ان کی آنکھوں میں صرف میرا چہرہ ہے۔"
وہ اپنے چہرے پر دھیان میں ہاتھ پھیرنے لگی۔

"وہ صرف میرا نام لیں گے۔" وہ اپنی ہتھیلیوں میں جھانکنے لگی کہ شاید ان لکیروں میں اس کا نام لکھا ہو۔

"میری محبت اتنی کمزور نہیں ہے، میرے جذبے اتنے ارزاں نہیں ہیں کہ وہ مجھے رستے میں ہی چھوڑ کر چلے جائیں، ان کی منزل میں ہوں

اور وہ اس منزل کو کبھی نہیں چھوڑیں گے۔'' اس کے وجود کے اندھیروں میں روشنیاں پھیلتی جا رہی تھیں۔

اماں کی زبانی ساویہ کو بھی اس سارے قصے کا پتہ چل گیا اس کی تو جیسے مراد بر آئی وہ تو نہ جانے کب سے اسجد حدید کی آس لگائے بیٹھی تھی وہ دل سے چاہتی تھی کہ اسجد حدید اس کا نصیب بنے اس نے جاگتی آنکھوں سے اس کے خواب دیکھے تھے کتنی راتیں اس نے اس شخص کی یاد میں تڑپتے ہوئے گزاری تھیں جو کبھی کبھار تھوڑی دیر کے لئے آتا تھا اور ہوا کے جھونکے کی مانند گزر جاتا تھا وہ جو اس سے اپنے ان جذبوں کا اظہار کرنا چاہتی تھی اسے بتانا چاہتی تھی کہ وہ اس کے لئے کیا ہے؟ سب الفاظ اپنے اندر ہی پی جاتی اس کے لبوں پر قفل پڑ جاتے اور اندر ہی اندر سسکیاں دم توڑنے لگتیں اور آج اماں نے اس کے دل کی بات کہہ دی اس خاموش محبت کو کنارہ ملنے والا تھا اس کی خواہشیں پار لگنے والی تھیں اس کے خواب حقیقت بننے والے تھے وہ اب اس کے ملن کے خواب بننے لگی تھی کوئی اس کے ان جذبوں سے باخبر نہیں تھا کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کے دل میں تو بہت پہلے سے ہی یہ خواہش موجود تھی۔

☆☆☆

''مہر النساء مان گئی ہے امینہ! اور مانتی بھی کیسے نا، اس کے بھائی کی بیٹی ہے اور ہر لحاظ سے بہتر، اس کے بیٹے کے ساتھ جچے گی بھی خوب۔''

اماں دالان میں جامن کے پیڑ کے نیچے تخت پر بیٹھی تھیں جب زینت بی خوشخبری لئے چلی آئی تھی عروئی جو خوش فہم بنی کسی اور جواب کی منتظر تھی صدمے سے کھڑی کی کھڑی رہ گئی کپڑے پریس کرتے اس کے ہاتھ رک گئے۔

''آ رہی ہے دو تین دن میں، تو شجاعت بھی بتا رہے وہ بھی سن کے خوش ہو جائے گا بی کہہ رہی تھی میرے دل میں پہلے سے ہی یہ خ موجود تھا مگر زبان پہ اس لئے نہ لائی کہ بھا انکار نہ کر دیں۔'' زینت بی کے لہجے سے خو چھلکے پڑ رہی تھی۔

''چلو شکر ہے، ساویہ تو پار لگی، میرا اسجد بڑا دل تھا بڑا نیک اور شریف بچہ ہے، ساویہ ابا کو تو بڑا عزیز ہے کہ انہوں نے تو اسے باپ طرح پالا ہے، ساویہ پار لگے تو عروئی کے بھی کہیں اِدھر اُدھر نظر دوڑاؤں۔'' اماں اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے ہائے نکالی۔

''یہ جوڑوں کا درد بھی جان نہیں چھو طرح طرح کے علاج کروا کروا کے تھک گئی'' اماں اپنی بیماریوں کے قصے لے بیٹھی تھیں ع کے نتھنوں سے کوئی بو ٹکرائی تو اس نے چونک سامنے دیکھا اماں کا دوپٹہ استری تلے پڑا جل خاکستر ہو چکا تھا اس نے تیزی سے سوئچ آف اور افسوس سے دوپٹے پر نگاہیں دوڑانے لگی۔

تین چار دن بعد ہی مہر النساء آ پہنچی ساتھ میں شازمہ بھی تھی اس کے چہرے پر الوہی خوشی تھی آنکھوں میں خواب مہک رہے ہمیشہ کی طرح وہ ساویہ اور عروئی سے تپاک ملی خاص طور پر اس نے ساویہ پر بہت گہری ڈالی تھی۔

''یقیناً تم ہی میری بھابھی بننے کے ہو، تمہارا حسن تو اب چاند کو بھی شرمانے لگا ہے'' شازمہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی تو وہ سے سرخ پڑ گئی مصنوعی خفگی سے اس پر مکا لیا۔

''شازمہ باجی! میں آپ کی شادی ڈھول لے کر آؤں گا، میرے ڈھول کی آواز

کر کوسوں دور سے بھی لوگ دوڑے چلے آئیں گے۔'' واحد جوان کی محفل میں ابھی وارد ہوا تھا جوش سے بولا۔

''نہیں تم بس رہنے ہی دو، رحم کرو لوگوں کے حال پر جو بے چارے یہ بے سری آواز سنتے ہی مر جائیں گے، جب تم اتنے بے سرے ہو تو تمہارا ڈھول بھی لازماً بے سرا ہی ہوگا۔'' شازمہ نے اسے چڑانے والا انداز میں کہا ساویہ کا ہنس ہنس کے برا حال ہو گیا۔

''اچھا یہ بات ہے تو پھر لگ گئی شرط؟ اگر میرے گانے پر لوگوں نے بھنگڑا نہ ڈالا تو کہنا۔'' واحد نے اپنی سریلی آواز کی شان میں وہ قصیدہ گوئی کی کہ ساویہ کو بریک لگانے پڑے۔

''اچھا بس اب چپ ہو جاؤ، کان کھا لئے ہیں تم نے بول بول کر۔'' وہ تنک کر بولی تھی واحد نے برا سا منہ بناتے ہوئے اسے دیکھا۔

''آپ تو میری ازلی دشمن ہیں، جل ککڑی، نک چڑھی، خود پسند اور سر چڑھی۔'' وہ تیزی سے بولتا رکا نہیں تھا باہر نکلتا چلا گیا تھا جانتا تھا ساویہ کوئی نہ کوئی چیز اٹھا کے دے مارے گی۔

''خود کو سمجھتا کیا ہے بن مانس کہیں کا۔'' وہ منہ سے شعلے نکالنے لگی تھی شازمہ نے ٹوک دیا۔

''بس کرو ساویہ، اتنے اچھے بھلے خوش شکل لڑکے کو تم بن مانس کہہ رہی ہو؟'' اس نے فوراً واحد کی حمایت کی تھی کہ اس کی واحد سے دوستی بھی تو بہت تھی۔

''عروئی آپی! کھانا دیں بہت بھوک لگی ہے۔'' وہ بریانی کو دم لگا رہی تھی جب وہ تن فن کرتا کچن میں داخل ہوا تھا اور کرسی گھسیٹتا وہیں ڈائننگ ٹیبل پہ ٹک گیا تھا عروئی نے ایک نظر اس کے پھولے ہوئے منہ کو دیکھا۔

''کیا ہوا واحد! کسی سے لڑ کر آ رہے ہو، کہیں شازمہ نے......'' اس نے سرسری سی نظر اس پر دوڑائی تھی۔

''نو...... وہ تو میری بیسٹ فرینڈ ہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''تو پھر؟'' عروئی نے بھنویں اچکا کے اسے دیکھا تھا۔

''مجھے ساویہ آپی بالکل اچھی نہیں لگتیں عروئی آپی! ان کے اندر کسی بدمزاج اور گھمنڈی انسان کی روح رہتی ہے، خود کو پتہ نہیں کیا سمجھتی ہیں؟ سچ آپی، اسجد بھائی کے قابل صرف آپ تھیں وہ نہیں، اتنے سوبر، نرم خو، اور بااخلاق بندے کے ساتھ ایسی جھگڑالو اور بد اخلاق ہستی۔'' واحد کا منہ کڑوا ہو گیا تھا عروئی نے یکدم سے اسے ٹوکا تھا۔

''بری بات واحد! وہ بڑی ہیں تم سے۔'' اس نے کھانا اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''اور ہاں آئندہ ایسی بات مت کرنا، میرا ان کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں، وہ صرف ساویہ آپی کا نصیب ہیں۔'' یہ سب کہتے ہوئے اس کے ہاتھوں میں واضح لرزش اتر آئی تھی آنکھوں نے یکدم دھوکا دے دیا تھا اور بہت سے آنسو اس کے رخساروں پر پھسل آئے تھے اس نے بے دردی سے یہ آنسو مسل ڈالے چونکہ واحد کی طرف اس کی پشت تھی اس لئے وہ اس کے بھیگتے چہرے کو نہیں دیکھ پایا تھا۔

☆☆☆

''مہر النساء جمعے کو منگنی رکھنے کا کہہ رہی ہے۔'' ابا صبح اپنے کمرے میں بیٹھے ناشتہ کرنے میں مگن تھے جب اماں نے ان کے سامنے بچھے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں ٹھیک ہے، جمعہ کا مبارک دن صحیح رہے گا۔'' ابا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے

کہا۔

''آج اتوار ہے میں سوچ رہی ہوں کہ ابھی سے خریداری شروع کر دوں، ظاہر ہے منگنی بھی کوئی خالی خولی تھوڑی کریں گے لینا دینا تو چلتا ہی ہے نا۔'' اماں نے پرسوچ انداز میں کہا۔

''ہاں تو لے آؤ جو لانا ہے، جتنے پیسے چاہئیں ہونگے لے لینا مجھ سے۔'' ابا ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''اچھا میں چلتا ہوں، نذیر نے دکان کھول لی ہو گی، آج کچھ نیا سامان بھی ڈلوانا ہے گودام میں، اللہ کا کرم ہے میری دکان تمام دکانوں سے زیادہ اچھی چل رہی ہے، بس خدا ایسے ہی ہاتھ پکڑے رکھے۔'' ابا نے ریک سے اپنی ٹوپی اٹھا کر اپنے سر پر رکھی۔

''ہاں، خدا ایسے ہی خوشحال رکھے، بیٹیوں کا ساتھ ہے کل کو انہیں ان کے گھروں کا بھی کرنا ہے پھر لینے دینے کے سو خرچے۔'' اماں ان کی تائید میں سر ہلاتی بولیں تو ابا نے باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

☆☆☆

رات کی تاریکی دالان میں اتر رہی تھی، وہ اپنے کمرے کی بالکونی سے ٹیک لگائے کھڑی تھی ماحول کی طرح اس کے وجود میں بھی ویرانیاں اتر رہی تھیں چہرے پر پژمردگی اور آنکھوں میں وحشت تھی اس کا ذہن مسلسل ایک ہی نہج پہ سوچے جا رہا تھا کہ اسجد حدید نے سماویہ کے لئے ہامی کیوں بھری تھی؟ مہر النساء پھپھو کی زبانی اسے پتہ چلا تھا کہ اسجد کو اس رشتہ پر کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ وہ اس رشتے پہ بہت خوش ہے نہ جانے کیوں اس کا دل یہ بات ماننے کو تیار نہیں تھا اس نے کبھی اسجد حدید کی آنکھوں میں سماویہ کی شبیہ نہیں دیکھی تھی اس کی آنکھوں میں صرف عرویٰ کا عکس تھا اس کے لئے اس کی آنکھوں میں اس کے لئے واضح پیغامات تھے اس کے لفظوں میں چھپے خوبصورت معنی صرف عرویٰ کے لئے تھے پھر آج وہ سماویہ کے ساتھ پر کیسے خوش ہو سکتا تھا۔

اس نے نوٹ کیا تھا سماویہ کی آنکھوں میں اسجد حدید کا نام سنتے ہی دیپ جلنے لگے تھے اس کے لبوں پر ہر دم مسکان سجی رہنے لگی تھی اور اس کا شک یقین میں بدلنے لگا تھا کہ سماویہ کے دل میں پہلے سے ہی اسجد حدید کی خواہش موجود تھی اسجد حدید کا ذکر چھڑتے ہی اس کے چہرے پر گلال بکھرنے لگتے تھے اس کے لئے یہ انکشاف بہت بڑے دھچکے کی بات تھی اور پھر اس نے خود پر چپ کی بکل مار لی وہ سماویہ کی خوشی میں خوش تھی گو کہ اس کے اندر بہت گہرا خلا پڑ گیا تھا محبت کی محرومی کا خلا لیکن اس نے سماویہ کی محبت میں یہ راز اپنے اندر ہی قید کر لیا کہ اسجد حدید اس کی آنکھوں کا بھی خواب ہے اس کے دل کی بھی سب سے بڑی خواہش ہے یہ اور بات تھی کہ وہ اندر ہی اندر اس عشق کی آگ میں جھلستی جا رہی تھی جو اسے اسجد حدید کی ذات سے تھا اس نے اندر ہی اندر روگ پال لیا تھا لیکن لبوں سے سسکی تک نہیں نکلنے دی تھی اس کی آنکھیں ویران ہو گئی تھیں لب سل گئے تھے اور وجود میں مستقل تھکن اتر آئی تھی دکھ اسے اتنا اپنی محبت کے بچھڑ جانے کا نہیں تھا جتنا اسجد حدید کے رستہ بدلنے پر تھا اس نے ایک بار بھی نہیں سوچا تھا کہ جس کی آنکھوں کو اس نے اپنے خواب سونپے ہیں اس پر کیا بیتے گی؟ اور ستم یہ تھا مد مقابل اس کی بہن تھی جس سے وہ چاہنے کے باوجود بھی متنفر نہیں ہو سکتی تھی کہ یہ رشتہ تھا ہی اتنا نازک اور اس پل صراط سے گزرنے کے لئے حوصلہ بھی بہت چاہیے تھا، جو وہ اپنے اندر جمع کر رہی تھی وہ جانتی تھی کہ اسجد حدید کھو کھونے کے بعد وہ کبھی اس کھو دینے کی اذیت سے چھٹکارا نہیں پا سکے گی مگر بہن کی خوشی کے لئے وہ اس اذیت کو پالنے پر تیار تھی۔

اسے یاد تھا سماویہ نے ہر قدم پر ہر معاملے میں اسے کتنا ڈی گریڈ کیا تھا اسے اپنے ملکوتی حسن پر ناز تھا وہ ہمیشہ اپنی اس خوبی کے ذریعے اسے نیچا دکھانے کی کوشش کرتی رہتی تھی اپنی طرحداری اپنی خود اعتمادی خود پسندی انا پرستی اور گھمنڈی طبیعت کی بدولت وہ اس سے ہمیشہ سے ہی الگ تھلگ رہی تھی عرویٰ اس کی نسبت گندمی رنگت، متناسب قد قامت، متناسب وجود، لمبے سیاہ بالوں کی مالک عام سی لڑکی تھی گو کہ وہ بھی کوئی کم پرکشش اور جاذب نظر نہیں تھی لیکن سماویہ کے مقابلے میں عام لگتی تھی اس کے مقابلے میں وہ کم اعتماد شرمیلی اور کم گو لڑکی تھی اور اس کی یہی خصوصیات سماویہ کو قابل قبول نہیں تھیں اسے سادہ اور گھریلو لڑکیوں سے چڑ تھی وہ خود بھی خاصی فیشن ایبل اور سوشلی لڑکی تھی اپنی دوستوں کے گھریلو فنکشنز ہوں یا محلے خاندان کی تقریبات وہ ضرور شامل ہوا کرتی تھی جبکہ اس کی کسی محفل کو اٹینڈ کرنے سے ہی جان جاتی تھی اس کی زندگی بس گھر سے کالج اور کالج سے گھر تک محدود تھی دونوں کی فطرت کا یہ تضاد ان کے درمیان فاصلے پیدا کرتا چلا گیا تھا جس میں سارا قصور سماویہ کا تھا اسے گھر گرہستی سے لگاؤ نہیں تھا اور اسی لئے وہ عرویٰ کو جاہل اجڈ کے لقب سے نوازا کرتی اسے گھر گرہستن عورتیں اسی معیار کی لگتی تھیں، نے اسے بھی عرویٰ کی طرح گھریلو امور میں طاق کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس نے سختی سے یہ سب کرنے سے انکار کر دیا تھا، اس سے جھگڑا مول نہیں لے سکتی تھیں سو چپ لگا گئیں۔

کچھ روز بعد اس کی اسجد حدید سے منگنی ہونے والی تھی اس کی رگوں میں نہ جانے کب سے جو یہ قطرہ قطرہ محبت اتر رہی تھی اس کا نشہ دو چند ہو گیا وہ اور بھی زیادہ مغرور اور خود پسند ہو گئی یہ جان کر کہ اسجد حدید بھی اس کی ہمراہی چاہتا ہے۔

☆☆☆

وہ نہ جانے کتنے گھنٹوں سے بیڈ پہ چت لیٹا ساکت چھت کو گھورے جا رہا تھا اس کی آنکھوں میں گہرا ملال تھا کچھ کھو دینے کا ملال، اس کے وجود میں آندھیاں سی چل رہی تھیں ذہن ایک ہی نکتے پر ٹکا تھا کہ عرویٰ جس کے علاوہ اس نے آج تک کسی دوسری لڑکی کے بارے میں سوچا تک نہیں تھا اسے کھونے کی اذیت وہ سہہ بھی سکے گا یا نہیں، اس کی ماں مہر النساء اس کے علم میں لائے بغیر سماویہ کے لئے ہاں کہہ چکی تھی اور جب اسے اس معاملے کا پتہ چلا تو پہلے تو وہ شاک کی کیفیت میں رہا پھر جب ہوش و حواس درست ہوئے تو دکھ کی جگہ غصہ غالب آ گیا وہ ماں سے الجھ پڑا۔

''آپ نے میرے علم میں لائے بغیر سماویہ کے لئے ہاں کیوں کی؟'' وہ ضبط کی حدوں کو پہنچتے ہوئے بولا تھا مہر النساء بیٹے کا یہ روپ دیکھ کر پریشان ہو گئیں ان کے لئے تو وہ ہمیشہ سے بڑا صابر بیٹا تھا جو وہ کہتیں سر جھکا کر مان لیتا اور آج وہ ان کے سامنے کوئی اور انداز اپنائے ہوئے تھا گھبراہٹ میں ان کے منہ سے سوائے ربط ٹوٹے پھوٹے لفظوں کے اور کچھ بھی نہ نکلا۔

''بیٹا!...... میں...... میں تو......'' وہ بولنے کا حوصلہ کھو بیٹھیں۔

''میں پہلی بار زندگی میں آپ کی بات ٹال رہا ہوں امی! آپ سماویہ کے لئے انکار کر دیں، ابھی اور اسی وقت۔'' وہ بہت ٹھہر ٹھہر کے مضبوط لہجے میں بولا تھا مہر النساء پر گویا ساتوں آسمان

ٹوٹ پڑے وہ ٹکر ٹکر اس کی شکل دیکھنے لگیں جہاں مکمل سنجیدگی تھی۔

''لیکن بیٹا اب تو میں ہاں کہہ چکی ہوں اور تین دن بعد تمہاری اس سے منگنی ہے، اگر تم اسی وقت انکار کر دیتے جب میں ہاں کہہ کر آئی تھی تو شاید میں ان سے انکار کر دینے کا حوصلہ کر دیتی لیکن اب......اب تو......''

''یہ آپ کا مسئلہ ہے آپ سنبھالیں، میں اتنے دن خود کو سمجھانے میں لگا رہا ہوں، کہ ایک ایسی لڑکی جو کبھی میرے دل میں نہیں اتر سکی نہ ہی میں نے خود اسے وہ مقام دیا کہ وہ میری منظور نظر بن سکے تو میں کیسے اس کے ساتھ زندگی گزار سکتا ہوں لیکن......'' وہ جانے کیا سوچ کے خاموش ہو گیا۔

''میں تو سمجھتی تھی اسجد کہ تجھے ساویہ کی ہمراہی پہ کوئی اعتراض نہیں ہوگا، ساویہ خوبصورت ہے، خوش اخلاق ہے، گھلنے ملنے والی ہے ہر خوبی ہے اس میں، اس لئے تو بہت خوش ہو گا لیکن لاعلمی میں مجھ سے غلط فیصلہ ہو گیا۔'' وہ تھکے تھکے سے انداز میں اپنا سر تھام کر صوفے پر بیٹھ گئی تھیں اسجد ان کے سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''مجھے بہت افسوس ہے امی میں آپ کے فیصلے سے روگردانی کر رہا ہوں لیکن میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ آپ کے اپنے بھائی کی فیملی سے تعلقات خراب ہوں اس لئے آپ ساویہ سے نہیں۔'' وہ رکا تھا۔

''عروٰی سے میرا رشتہ طے کر دیں۔'' وہ اٹل لہجے میں بولا تھا، مہر النساء بیٹے کو بس دیکھتی رہ گئیں۔

''تم نے رشتے ناتوں کو مذاق سمجھ رکھا ہے اسجد! تم جانتے ہو تم کیسی بے تکی بات کر رہے ہو؟

تمہیں تو شاید اس بات کے سنگین نتائج کا احساس نہ ہو لیکن مجھے ہے اور میں کسی طرح بھی تمہاری یہ ضد پوری نہیں کر سکتی، ساویہ تو عروٰی سے بھی زیادہ ... ہے کتنے امید وار بیٹھے ہیں اس کے ... اسے چھوڑ کے عروٰی کے لئے بضد ہو، ... ایسا ہرگز نہیں کروں گی تم سن لو کان کھول کر۔'' ... قطعیت سے کہتی اٹھیں تو وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

''تو پھر میری طرف سے ساویہ کے لئے صاف ... ہے آج سے تین دن بعد میری منگنی ہو گی ... عروٰی سے ورنہ کسی سے نہیں۔'' وہ لمبے ... بھرتا وہاں سے چلا گیا تھا مہر النساء کو لگا ... عنایت حسین کی موت کے بعد یہ ان کی زندگی ... دوسرا بڑا حادثہ ہے۔

☆☆☆

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے، وہ تینوں ... بہنیں لاؤنج میں ہی اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے شجاعت کریم آج جلدی دکان سے واپس آ گئے تھے اور گول کمرے میں موجود تھے جہاں مہر النساء بھی ان کے ساتھ ہی موجود تھیں نہ جانے ان بڑوں کے درمیان کیا خفیہ کانفرنس ہو رہی تھی وہ تینوں ہی متجسس تھے ساویہ ... انگلش چینل لگائے بیٹھی تھی واحد کتاب منہ کے سامنے رکھے صوفے پہ اوندھا لیٹا تھا جبکہ عروٰی کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتی ہوئی نہ جانے کیا سوچے جا رہی تھی؟

''میرا خیال ہے کہ اندر ساویہ آپی کی منگنی کے انتظامات کے بارے میں کوئی سوچ بچار کی جا رہی ہے، ظاہر ہے دونوں فریقوں کی طرف سے مناسب اور شاندار انتظامات ہونا بہت ضروری ہیں کہ پھپھو کے اکلوتے بیٹے کی خوشی ہے اور ہمارے گھر میں کسی پہلے فرد کی خوشی۔'' واحد

سیانے بزرگ کی طرح ناک پہ انگلی جما کے بولا تھا ساویہ شرم سے خود میں سمٹ گئی۔

''ہاں میرا بھی یہی خیال ہے، آخر ہماری آپی کی منگنی ہے کسی ایرے غیرے کی تو نہیں۔'' عروٰی نے اپنے لہجے کو ہشاش بشاش بناتے ہوئے کہا تھا ورنہ اس کے اندر تو خزاؤں کا سا درد تھا ساویہ نے شرمانے کی بھرپور ایکٹنگ کی تھی ورنہ شرم و حیا تو اسے چھو کے بھی نہ گزری تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہی گول کمرے کا دروازہ کھلا مہر النساء باہر نکلیں اور ان تینوں پر طائرانہ سی نظر ڈالی خلاف معمول آج وہ بہت چپ چپ اور اداس سی لگ رہی تھیں پہلے کی طرح انہوں نے آج انہیں اپنے ساتھ لپٹا کے پیار نہیں کیا تھا عروٰی کو انہوں نے نہ جانے کس انداز سے دیکھا کہ وہ گڑبڑا کر رہ گئی پھر وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی باہر نکل گئی تھیں اس نے سامنے کھڑے اماں ابا پر نظر ڈالی جن کے چہروں پر برسوں کی تھکن اور پژمردگی تھی۔

''کہیں مہرو پھپھو نے انکار تو نہیں کر دیا ساویہ آپی کے لئے؟'' اس کا دل ڈوب کر ابھرا تھا وجود میں عجیب سی بے چینی پھیل گئی تھی۔

شام سے رات ہو گئی تھی مگر اماں ابا کے ہونٹوں پر قفل تھا صبح سنڈے تھا وہ تینوں گھر پر تھے آج ابا کام پر نہیں گئے تھے حالانکہ سوائے بیماری کے وہ کبھی ناغہ نہیں کرتے تھے ساویہ کو طرح طرح کے خدشات ستا رہے تھے جنہیں وہ نہ چاہتے ہوئے بھی جھٹک رہی تھی عروٰی الگ بولائی بولائی پھر رہی تھی کچھ تھا جو غیر متوقع تھا اس کا دل بے سکونی کی لے پہ دھڑک رہا تھا اور پھر آدھا دن گزرنے کے بعد یہ عقدہ بھی کھل گیا جب اماں دبے قدموں اس کے کمرے میں داخل ہو گئیں اور سپاٹ چہرے سے اسے دیکھنے لگیں۔

''عروٰی! تم اپنی تیاریاں شروع کر دو، اس جمعہ کو تمہاری منگنی ہے۔'' وہ دھماکہ کر کے پلٹنے لگیں وہ جو حیرت سے آنکھیں کھولے انہیں دیکھ رہی تھی بمشکل حلق سے آواز نکالی۔

''میری منگنی؟، مگر اماں جمعہ کو تو ساویہ آپی کی منگنی ہے، میرا رشتہ کہاں سے آ گیا۔'' اس نے تیزی سے پوچھا وہ آہستگی سے اس کی طرف آئیں اور اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام لیا۔

''اسجد کے ساتھ......'' وہ آگے بول نہیں پائیں اور مزید کچھ کہے بغیر باہر نکلتی چلی گئیں وہ جو چند منٹ پہلے ساویہ کے دوپٹے میں ستارے ٹانک رہی تھی دوپٹہ ہاتھ سے پھسل کر پلنگ سے نیچے گر پڑا، وہ سکتے کی حالت میں بیٹھی رہ گئی۔

☆☆☆

ساویہ نے رو رو کے برا حال کر لیا تھا کبھی عروٰی سے الجھ پڑتی تو کبھی اماں سے۔

''آپ نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے اماں، آپ نے ابا کے ساتھ مل کر اپنی اس چہیتی کو میری جگہ پہ لا کھڑا کیا ہے۔'' اس نے تنفر سے عروٰی کی طرف دیکھا جو مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑی تھی۔

''آپ لوگ چاہتے تو ان کا مطالبہ ٹال بھی سکتے تھے کہ آپ لوگ کسی صورت بھی میری جگہ اسے نہیں دیں گے لیکن آپ کو اپنی اس لاڈلی سے پیار جو تھا انکار کیسے نکلتا آپ کے منہ سے۔'' وہ غصے سے پاگل ہو رہی تھی بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے اپنے ہاتھوں سے شوٹ کر ڈالے۔

''میرے لئے تو تم دونوں ہی برابر ہو بیٹا، پھر اسجد جیسے لڑکے آج کل ڈھونڈے سے نہیں ملتے۔'' وہ اپنی صفائی دینے لگیں لیکن وہ کچھ سننے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"مجھے سب پتہ ہے اماں یہ اس کی سازش ہے، اگر اس کے دل میں میرے لئے ذرا بھی جگہ ہوتی تو خود اسجد کے لئے انکار کر دیتی لیکن یہ تو خود اس کی عاشق نکلی۔" وہ اسے سکتے کی حالت میں چھوڑ کے تن فن کرتی وہاں سے چلی گئی تھی جو حیران پریشان اس کے ان زہریلے لفظوں کے زیر و بم میں الجھتی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

وہ نہ جانے کب سے بیڈ پہ بیٹھی غائب دماغی سے پیڈ پر قلم گھسیٹ رہی تھی ساتھ ہی کتاب کھلی پڑی تھی لیکن اس سے ابھی تک ایک لفظ بھی لکھا نہ گیا تھا ذہن مسلسل سماویہ کے کہے گئے لفظوں کی طرف تھا آج صبح ہی اس کی سماویہ سے بڑی زور دار جھڑپ ہوئی تھی جب وہ کالج جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی سماویہ دروازہ دھکیلتی کمرے میں چلی آئی تھی وہ اس وقت آئینے کے سامنے کھڑی بالوں میں برش چلا رہی تھی۔

"ہاں ہاں کرو سنگھار آخر اپنی لے کر بھی تو کرنی ہے اس کے لئے۔" اس نے طنزیہ انداز میں اسجد کے لئے اس کے لفظ استعمال کیا تھا عروٰی یکدم اس کی طرف مڑی تھی۔

"آپی! آخر آپ کو یقین کیوں نہیں آتا کہ میں اس معاملے میں بالکل بے قصور ہوں، میں بھلا آپ کی خوشیوں کو کیسے آگ لگا سکتی ہوں، آپ مجھے بہت عزیز ہیں۔" اس کی آواز گلوگیر ہو گئی تھی۔

"بس کرو اب یہ ٹسوے بہا بہا کے مت دکھاؤ مجھے، سب جانتی ہوں تمہارے اوچھے ہتھکنڈوں کو، چوری چوری اسجد سے محبت کی پینگیں بڑھاتی رہیں، اسے اپنا دیوانہ بنا ڈالا، اپنی اداؤں سے قید کر لیا اسے مٹھی میں، ورنہ میرے سامنے تمہاری اوقات ہی کیا ہے، نہ شمع سی آب و تاب کہ پروانے جل جائیں، نہ چاند سی دلکشی کہ کوئی پلک جھپکنا بھول جائے پھر تم نے ایسا کون سا سحر پھونکا کہ وہ مجھے چھوڑ کے تمہاری طرف لپکا؟ مرتا تو وہ میرے حسن پر تھا پر تم نے چوری چوری پتا نہیں کب اس پر ڈورے ڈال دیے۔"

اس کے منہ سے لفظوں کے بجائے زہر ابل رہا تھا عروٰی تاسف اور بے یقینی سے اس کی یہ شعلہ فشانی سن رہی تھی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سماویہ اس کی بہن ہونے کے باوجود اس کے لئے اتنے ہتک آمیز اور شرمناک خیالات رکھے گی وہ اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتی تھی اسے بتانا چاہتی تھی کہ اس نے صرف اسی کے لئے اسجد حدید پر صبر کیا لیا تھا حالات سے اور اپنے نصیب سے سمجھوتہ کر لیا تھا صرف اسی کی خاطر وہ تنہا ہی اسجد حدید کی محبت کے بچھڑنے کا غم منا رہی تھی صرف اس کی خوشی کے لئے اور وہ اس کی ذات پر کیسے کیچڑ اچھال رہی تھی لیکن وہ یہ سب سن کر بھی چپ سادھے ہوئے تھی کہ اس پر کسی دلیل کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا تھا۔

"مجھے شک نہیں یقین ہے کہ تم نے ہی اب عین وقت پر اسے انکار کرنے پر مجبور کیا ہے۔"

حسد اور غصے سے وہ پاگل وہ رہی تھی نہ جانے کیا کیا بولتی جا رہی تھی عروٰی سے مزید کھڑا رہنا مشکل ہو گیا اس کے قدم زمین چھوڑنے لگے آنسو پورے چہرے کو شرابور کر گئے وہ منہ پہ ہاتھ رکھتی بھاگ کر باہر نکل گئی سماویہ نے پاس پڑا گلدان اٹھایا اور سامنے دیوار پہ دے مارا ایک بہت سے ٹکڑے فرش پر بکھر گئے اس نے ان بکھرے ہوئے ٹکڑوں پر نظر جمائی اور پھر خود بھی پھوٹ پھوٹ کر روتی فرش پر بیٹھتی چلی گئی۔

☆☆☆

اماں ابا کے لئے یہ بہت بڑا دھچکہ تھا عین

ٹائم پہ اسجد حدید نے عروٰی کے لئے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا، وہ جانتے تھے کہ سماویہ کو بھی جذباتی صدمہ پہنچا ہے لیکن اسجد حدید بہترین انسان تھا ایسے لڑکے نایاب ہوتے ہیں اور یہی سوچ کر شجاعت کریم نے اس کا مطالبہ مان لیا تھا انہیں اپنا یہ قابل اور شریف النفس بھتیجا بہت عزیز تھا جس نے رستوں کی کٹھنائیوں اور تاریکیوں کے باوجود پے در پے کامیابیاں سمیٹی تھیں اور اپنی منزل پانے میں کامیاب ہو گیا تھا وہ اس ہیرا لڑکے کو کھونا نہیں چاہتے تھے۔

عروٰی، شجاعت کریم کے اس فیصلے سے خوش تھی یا ناخوش وہ اندازہ نہیں لگا پا رہی تھی ایک طرف وہ اسجد حدید کے مل جانے پر خوشیاں منانا چاہتی تھی تو دوسری طرف سماویہ کے تہی دامن رہ جانے کا دکھ اسے اندر ہی اندر کاٹ رہا تھا اور پھر اسی چبھن کی وجہ سے وہ اس خوشی کو محسوس ہی نہ کر سکی اس کا وجود اندر سے بالکل خالی ہو گیا تھا۔

اماں اس کی منگنی کے لئے تمام تیاریاں خود ہی کر رہی تھیں وہ ان کے بار بار زور دینے پر بھی کسی بھی کام میں حصہ نہیں لے پا رہی تھی سماویہ سے نظریں چرائے وہ اپنے کمرے میں بند تھی اور سماویہ بھی اپنے کمرے میں ہی قید تھی گھر والوں سے لاتعلقی بنی، اماں اس کی خاموشی کو بہت محسوس کر رہی تھیں لیکن بے نیاز بن گئی تھیں وہ جانتی تھیں اس کے لئے یہ وقتی صدمہ ہے آہستہ آہستہ وہ اس صدمے سے نکل آئے گی۔

آج جمعہ تھا اور آج سماویہ کی بجائے وہ اسجد حدید کے نام کی انگوٹھی پہنے بیٹھی تھی میرون اور گرین جارجٹ کے بھاری کامدار سوٹ میں ہلکا سا میک اپ اور لائٹ سی جیولری پہنے وہ بے انتہا حسین لگ رہی تھی اس کی گندمی رنگت میں گلابیاں کھل رہی تھیں اس کا پرکشش اور جاذبیت سے بھرپور ملیح چہرہ ہر آنکھ میں ستائش بھرے ہوئے تھا مہر النساء نے اسے اسجد حدید کے نام کی انگوٹھی پہنائی تو وہ جو کب سے بت بنی سر جھکائے بیٹھی تھی چونک پڑی انگوٹھی کی حدت اس کی انگلیوں میں اترنے لگی بے ساختہ ہی اس کے لبوں پر بڑی دلکش سی مسکراہٹ آ ٹھہری اسے لگا تھا جس سفر میں اس نے اپنی آنکھیں اور قدم تھکائے ہیں وہ کٹھن سفر ختم ہو چکا ہے اچانک کچھ یاد آنے پر اس نے سر اٹھایا سماویہ کہیں نہیں تھیں اس کے اندر پھر سے اداسیاں پھیلنے لگیں۔

"ارے سماویہ! ادھر آنا ذرا۔" کسی نے سماویہ کو کسی کام سے پکارا تھا اور اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اس کی پشت پر ہی کھڑی ہے طمانیت کی ایک لہر اس کے وجود میں اتر آئی۔

☆☆☆

"مبارک ہو تمہیں۔" وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی خود کو جیولری اور میک اپ سے آزاد کر رہی تھی جب کسی نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے پکارا تھا۔

"سم...... سماویہ؟" اس کے لب ہلے۔

"ہاں...... میں......" اس نے اسے پکڑ کر اٹھایا تھا اور اپنے سامنے کھڑا کیا تھا، پھر اپنے سرد برفیلے ہاتھ اس کے نرم ہاتھوں پر رکھ دیے تھے۔

"اسجد حدید تمہارا ہی نصیب تھا عروٰی اور جو چیز تمہارا نصیب تھی وہ میرا نصیب کیسے ہو سکتی تھی؟ یہ بات مجھے اب سمجھ میں آئی ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتی سنجیدگی سے بولی تھی عروٰی دم سادھے اسے سن رہی تھی۔

"اسجد حدید کبھی بھی میرے دل میں نہیں تھا۔" اس نے دھماکہ کیا تھا عروٰی حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھنے لگی وہ تو سمجھتی تھی کہ

"بس جب اماں ابا نے اس سے مجھے

منسوب کرنے کا سوچا تو میرے دل میں اس کے لئے نرم احساسات اتر آئے، لیکن جب اس نے میرے ساتھ سے انکار کیا تو......" وہ لحظہ بھر کو رکی اس کی آنکھوں میں یکدم وحشت اتر آئی عروئی کو خوف سے جھرجھری سی آ گئی۔

"تو میں نے بھی اسے اپنے دل سے نکال کے پھینک دیا اور تم جانتی ہو کسی کو اپنے دل سے نکال کر پھینک دینا اسی وقت ہی ممکن ہوتا ہے جب ہمیں اس سے محبت کی بجائے محض وقتی انسیت ہو۔" اس نے یکدم اس کے ہاتھ چھوڑ دیے تھے عروئی کو لگا وہ تھوڑی دیر اور اسی طرح کھڑی رہی تو گر پڑے گی ہولے ہولے قدم اٹھاتی وہ بیڈ کی پائنتی میں جا بیٹھی۔

"اب وہ میرے دل میں نہیں ہے، نہ ہی اس کی کسک ہے نہ ہی تڑپ، وہ ایک وقتی جذبہ تھا جو ماند پڑ گیا اس کے لئے اگر تمہارے دل میں میرے بارے میں ایسا کچھ ہے بھی تو ذہن سے جھٹک دو تاکہ تمہاری زندگی بھی آسان ہو جائے اور میں بھی تمہیں خوش اور پرسکون دیکھ کر مطمئن ہو جاؤں۔" وہ بہت ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی عروئی بے یقینی سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"ہمیشہ خوش رہو، تم اسجد کے ساتھ بہت خوبصورت زندگی کا آغاز کرو، میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ تھپتھپاتی وہاں سے چلی گئی تھی عروئی کو لگا تھا اس کے دل سے منوں بوجھ اتر گیا ہو۔

☆☆☆

پورے چھ ماہ بعد وہ اسجد حدید کی سیج پر بیٹھی تھی شازمہ کی شادی بھی اسجد حدید کے ساتھ ہی کر دی گئی تھی اس لئے وقت ملائکہ ہی جو اسے اسجد کا نام لے لے کر چھیڑ رہی تھی تنزیلہ اپنے بچوں میں ہی الجھی تھی آہستہ آہستہ سب کمرے سے رفو چکر ہو چکی تھیں وہ مسلسل ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی تھی کمر تختہ ہو چکی تھی جب بہت انتظار کے بعد وہ اندر داخل ہوا تھا شیروانی سوٹ میں وہ اس کے بالکل سامنے آ کر بیٹھ گیا تھا اس کا جھکا سر مزید جھک گیا ہاتھوں میں واضح کپکپاہٹ آ گئی۔

"ویلکم مائی لائف۔" گمبھیر لہجے میں کہتے ہوئے اس نے اپنے بھاری ہاتھ اس کے نازک ہاتھوں پر رکھ دیے تھے۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا عروئی کہ میں نے تمہیں حاصل کر لیا ہے، یقین کرو عروئی جب امی نے مجھ سے بغیر پوچھے میرے لئے شازمہ کو چنا تو مجھے لگا جیسے میں تمہارے بغیر ایک پل بھی نہیں جی سکوں گا میں نے خود کو سمجھانے کے لئے کچھ وقت لیا کہ شاید میرا دل اس رشتے کو قبول کر سکے لیکن نہیں۔" وہ رکا عروئی کی سماعتیں آگے سننے کو بے تاب ہو گئیں۔

"دل نے کہا کہ تم ہی میرا پہلا اور آخری خواب ہو جو اگر پورا نہ ہوا تو میں کبھی خوش اور مطمئن نہیں رہ سکوں گا چنانچہ میں نے ہر قیمت پر تمہیں اپنانے کا فیصلہ کیا اور آج میرے اندر جو خوشی محو رقص ہے اس کا تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتیں۔" اسجد حدید کے اس جملے پر یکدم اس نے سر اٹھایا تھا اس کی آنکھوں میں سچائی تھی طمانیت تھی سرشاری تھی اس کی آنکھیں چھلک پڑیں اسجد حدید نے جلدی سے اس کے آنسو اپنی پوروں پر لے لئے۔

"یہ آنسو اگر میرے مل جانے کی خوشی میں ہیں تو میرے لئے بہت قیمتی ہیں کہ یہ اس بات کی گواہی ہیں کہ میں بہت پہلے تمہارے دل میں جگہ بنا چکا تھا۔" اس نے شرارت سے کہا تو اس کے ہونٹوں پر شگفتہ مسکراہٹ آ گئی اور اسجد حدید اندر تک شانت ہو گیا۔

☆☆☆

اسجد حدید نے کچھ ہی دنوں میں اسے اپنی محبت سے مالا مال کر دیا تھا وہ اسے ایسے رکھتا تھا جیسے وہ کوئی کانچ کی نازک سی گڑیا ہو مہر النساء بھی اسے ہاتھ کا چھالا بنائے رکھتیں وہ لاکھ ضد کرتی کہ وہ بھی گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹائے گی لیکن مہر النساء پیار سے ٹال دیتیں۔

"تم میرے اسجد کی من چاہی بیوی ہو تو میری بھی من چاہی بہو ہو بلکہ بیٹی ہو، تمہارے یہ پیارے ہاتھ صرف چوڑیوں مہندی کے قابل ہیں انہیں کام کر کے تکلیف نہ دو۔" انہوں نے پیار سے اس کا ماتھا چوم لیا تھا ان کی اتنی محبت پہ اس کی آنکھوں میں نمی تیر گئی۔

"لیکن امی میں اس دل کا کیا کروں جو چاہتا ہے کہ میں صرف ایک بار عروئی کے ہاتھ کا کھانا کھا کر دیکھوں، اس کے ہاتھ کا ذائقہ چکھوں۔" نہ جانے کب اسجد حدید اس کی پشت پر آ کھڑا ہوا مہر النساء نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا۔

"میری بہو کو ابھی اپنی ان خاطر داریوں میں نہ لگاؤ، ابھی تو کئی مہینے میں اسے کچن سے دور ہی رکھوں گی۔" انہوں نے حتمی انداز میں کہا تو وہ آنکھوں میں چمک لئے اسے دیکھنے لگا وہ اپنے آپ میں سمٹ سی گئی۔

"گرما گرم چائے، جلدی پی لیں، ٹھنڈی ہو جائے گی۔" رات کو وہ بیڈ پر ترچھا لیٹا کوئی انڈین چینل لگائے بیٹھا تھا جب اس نے چائے کا کپ لا کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا وہ ٹی وی آف کر کے پھرتی سے اٹھ بیٹھا اور اسے بھی ہاتھ پکڑ کر اپنے سامنے بٹھا لیا۔

"ابھی سے تم میرے لئے یہ زحمت نہ کیا کرو مائی ڈیئر وائف کیونکہ ابھی میں تمہارے ناز اٹھانا چاہتا ہوں۔" وہ اس کی پیشانی پر آئی لٹ کو اپنی انگلی سے بل دیتے ہوئے بولا تو وہ کھلکھلا کے ہنس پڑی۔

"اور کتنے ناز اٹھائیں گے آپ میرے، ہماری شادی کو چار ماہ دس دن ہو چکے ہیں، اب میں اس گھر کا پرانا فرد بن چکی ہوں۔" اس نے اٹھلاتے ہوئے کہا تو اسجد حدید نے اس کے اس خوشگوار انداز کو من میں سمو لیا۔

"لیکن ہمارے لئے تو آپ ہمیشہ نئی نویلی ہی رہیں گی، ہم تو آپ کے ہمیشہ ایسے ہی ناز اٹھاتے رہیں گے آخر اتنا درد اتنی اذیت جھیل کر آپ کو حاصل کیا ہے۔" وہ اس کا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگاتا ہوا بولا وہ دل کھول کر ہنس دی۔

"اچھا جناب! اب یہ باتوں کا سلسلہ موقوف کریں اور مجھے کچن میں جانے دیں، آج میں آپ کی پسندیدہ ڈش بنانے لگی ہوں۔" اس نے دھیرے سے اپنا ہاتھ اس کے بھاری ہاتھوں سے آزاد کرواتے ہوئے کہا تو وہ خفگی سے اسے گھورنے لگا۔

"ابھی اتنی جلدی کچن میں نہیں جانا تم نے، کچن میں جانے کے لئے پوری زندگی پڑی ہے، ابھی صرف ان لمحوں کو انجوائے کرو میرے ساتھ۔" وہ مخمور لہجے میں کہتا اس کی طرف جھکا تو وہ سرعت سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"انجوائے کرنے کے لئے تو پوری عمر پڑی ہے اسجد صاحب، لیکن کچن سنبھالنا عورت کا بنیادی فرض ہے اور میں اپنے اس فرض سے غافل نہیں ہونا چاہتی۔" وہ قطعیت سے بولی اور دروازے کی طرف بڑھنے لگی تو وہ ایک ہی جست میں اس کے قریب پہنچ گیا۔

''لیکن یہ نئے نویلے لمحے پھر نہیں ملیں گے، پھر تو بس بچوں کی چیں چاں، ہی کافی ہوگی۔'' وہ اپنے لب اس کے بالوں پر رکھتا ہوا بولا اور اس کے باہر جانے کے تمام راستے مسدور کر دیے۔

''آج کی شام تمہارے نام۔'' وہ بہک کر بولا تھا اور اس کی پلکیں جھکتی چلی گئی تھیں۔

☆☆☆

اماں آنگن میں چارپائی ڈالے دھوپ سینک رہی تھیں ساویہ غائب دماغی سے سامنے بیٹھی کرسی پر جھول رہی تھی گود میں کوئی میگزین کھلا پڑا تھا واحد نے فل آواز میں ڈیک چلایا ہوا تھا راحت فتح علی خان کی آواز پورے گھر میں گونج رہی تھی جب وہ بیرونی دروازے سے اسجد کے ساتھ اعتماد سے قدم اٹھاتی اندر داخل ہوئی تھی خوشی اس کے ہر ہر انداز سے ٹپک رہی تھی ساویہ نے جونہی نظر اٹھا کر انہیں دیکھا اس کے وجود میں ویرانیاں اترنے لگیں اسجد حدید کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں دیوانگی اور وحشت سی اتر آئی تھی یکدم خود کو نارمل کرتے ہوئے وہ دوڑ کر ان کی طرف آئی تھی اور عروٰی سے لپٹ گئی تھی۔

''اتنے دن بعد آئی ہو بے مروت کہیں کی میں نے اتنا مس کیا تمہیں؟'' وہ مصنوعی خفگی سے اس سے شکوہ کرنے لگی عروٰی اس کی اتنی محبت پہ مسرور سی ہوگئی۔

''ہاں بس اسجد کے پاس ٹائم ہی نہیں ہوتا، پھر پھپھو بھی بیمار رہتیں ہیں تو گھر کے معاملات مجھے ہی دیکھنا پڑتے ہیں۔'' وہ صفائی دیتی ہوئی بولی تو ساویہ کا دھیان یکدم اسجد کی طرف چلا گیا جو اماں سے باتوں میں مگن تھا۔

''تم کیا جانو اسجد حدید یہ آنسو جو میری آنکھوں میں ٹھہرے ہیں یہ تمہیں دیکھ کر میری آنکھوں میں در آئے ہیں۔'' اس کے لبوں نے خاموش سرگوشی کی تھی۔

''کیسے ہو اسجد؟'' وہ خود کو سنبھالنے میں کامیاب رہی تھی اب خوشدلی سے پوچھ رہی تھی اسجد حدید نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''بالکل ٹھیک ٹھاک، ایک دم فرسٹ کلاس، تم سناؤ تمہاری جاب کیسی چل رہی ہے؟'' وہ جواب دیے کر سوال بھی کر بیٹھا تھا۔

''وہ تو چھوڑ دی میں نے۔'' وہ لاپرواہی سے بولی تھی اور کرسی گھسیٹ کر وہیں بیٹھ گئی تھی عروٰی بھی وہیں ٹک گئی۔

''چھوڑ دی، مگر کیوں؟'' وہ حیرت اور بے یقینی سے بولا تھا۔

''تم تو اس جاب سے بہت مطمئن تھیں۔''

''بس اس سے بہتر جاب مل گئی تھی، سیلری بھی اچھی ہے پھر سیلری کی مجھے اتنی کوئی خاص فکر نہیں تھی، اصل میں میری کولیگ جو میری بیسٹ فرینڈ بھی ہے وہ یہ جاب چھوڑ کے اس ادارے میں چلی گئی تھی تو میں بھی وہاں سے ریزائن کر کے اسی کے ساتھ چلی گئی، تم سناؤ ہماری عروٰی کو اچھی طرح رکھ رہے ہو نا؟'' وہ عروٰی کے صبیح چہرے کو فوکس کرتے ہوئے بولی تو وہ دلکشی سے مسکرانے لگی۔

''نہیں، آپ کی عروٰی بیگم کی ہم دن رات پٹائی کرتے ہیں، صبح و شام بھوکا رکھتے ہیں، گھر میں محبوس رکھتے ہیں اور......'' وہ سنجیدگی سے بولتا جا رہا تھا عروٰی ہنستے ہنستے سرخ ہوگئی تھی۔

''ہوں، یعنی کہ ہماری پیاری معصوم بہن کو انتہائی ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔'' ساویہ مصنوعی خفگی سے اسے گھورنے لگی تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگا۔

''جی جناب! اور ان تمام زیادتیوں کے باوجود بھی آپ کی بہن صاحبہ ہمارے ساتھ

پرخوش اور مطمئن ہیں۔'' وہ عروٰی کو نظروں کے حصار میں لیتا ہوا بولا تھا اچانک کچھ یاد آنے پر وہ اردگرد نظریں دوڑانے لگی۔

''واحد کہاں ہے؟ نظر نہیں آ رہا؟'' وہ کسی کمی کا احساس ہونے پر بولی تھی۔

''سنائی نہیں دے رہا، کیا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے، صبح سے اس لڑکے نے، موا ڈیک چلا چلا کے میرے کان پکا رکھے ہیں اس لڑکے نے، اللہ جانے کیا کرے گا یہ لڑکا؟'' اماں جو اتنی دیر سے بیٹھی ان کی نوک جھونک سے محضوظ ہو رہی تھیں اس کے سوال پہ اکتاہٹ سے بولیں تو اس کی توجہ اچانک فضا میں بکھرتے گیت کی جانب چلی گئی۔

''میں دیکھتی ہوں اس شیطان کو۔'' وہ اپنے دوپٹے کا پلو سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی ساویہ نے ایک چور سی نظر اس کے سراپے پہ ڈالی دل میں ٹیس سی اٹھی تھی۔

''آج اس کی جگہ میں ہوتی تو میں بھی کتنی خوش اور مطمئن ہوتی۔'' اس نے سرد آہ بھری تھی پرانا زخم چھلنے لگا تھا تکلیف کی شدت سے اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں اسجد حدید اس کی کیفیت سے بے خبر اماں کی باتوں میں مگن تھا۔

☆☆☆

''تم بھی کتنے تنہا، اداس اور خالی ہو بالکل میری طرح، اور بے بس بھی کہ اپنی ان اداسیوں میں رنگ بھی نہیں بھر سکتے، اپنی مرضی کے رنگ، تم بھی میری طرح حسن سے مالا مال ہو لیکن اس حسن کا کیا فائدہ جو میرے پاس ہے تو سہی مگر کسی کام کا نہیں۔''

آج چودھویں کی رات تھی چاندنی، پورے آنگن کو اپنی دودھیا روشنی میں نہلا دیا تھا وہ بالکونی میں کھڑی رات کے تیسرے پہر اس روشنی پر نظریں جمائے تھی جو چاند سے چھن چھن کر آ رہی تھی جونہی اس دودھیا چمکدار گولے کی طرف نظر اٹھاتی دل عجیب سے کروٹ لینے لگتا۔

''تم جانتے ہو میری اداسی کا سبب، میں نے کیا کھو دیا؟'' اس نے پھر سے اس حسین گولے کو نظر بھر کر دیکھا تھا۔

''وہ ہستی کھو دی جو میری طلب تھی میری ضرورت تھی، میرا خواب تھی میری خواہش تھی۔'' اس کی آنکھیں ساون بھادوں بن گئیں۔

''لیکن وہ کسی اور کا ہو گیا، ہاں اسجد حدید کسی اور کا ہو گیا، تم جانتے ہو میں اس کے بغیر اس ادھورے انسان کی مانند ہو گئی ہوں جس کا ایک عضو بے کار ہو گیا ہو اور اسے کاٹ کے پھینکنا پڑے لیکن پھر بھی اس کی محبت کا میٹھا زہر میری رگوں کو کاٹ رہا ہے، مجھے اندر ہی اندر ختم کر رہا ہے لیکن اب......'' اس کی آنکھوں میں چمک سی لہرائی تھی۔

''میں اس زہر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دوں گی کیونکہ محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔'' اس نے بے رحمی سے سوچا تھا اور وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

☆☆☆

وہ آج پھر کسی نئی ڈش سے نبرد آزما تھی اسجد حدید کے لئے مختلف انواع و اقسام کے کھانے پکانا یہی اس کا آج کل محبوب مشغلہ تھا آج بھی وہ اس کے لئے چکن پلاؤ فرنی چکن کڑاہی اور شامی کباب بنانے میں جتی تھی گلابی اور فیروزی کاٹن کے کامدار سوٹ میں لمبے سیاہ بالوں کا جوڑا بنائے وہ بہت سادہ اور معصوم لگ رہی تھی۔

تمام کام سے فارغ ہو کر وہ مہر النساء کے پاس چلی آئی تھی مہر النساء کوئی سفر نامہ پڑھنے میں مگن بیڈ پر نیم دراز تھیں اسے دیکھ کے اٹھ کر بیٹھ گئیں اور اسے بھی اپنے ساتھ ہی بٹھالیا۔

''آ جاؤ بیٹی، میری بیٹی تھک گئی ہو گی اتنا کام کر کے آئی ہے۔'' انہوں نے شفقت سے کہتے ہوئے اس کی پیشانی چوم لی۔

''ارے نہیں پھپھو، کچن کا کام ہی کتنا ہوتا ہے ویسے بھی مجھے کھانا بنانے کا حد سے زیادہ شوق ہے اور پھر گھر کا بقیہ کام تو ماسی ہی کرتی ہے، اچھا چھوڑیں ان باتوں کو، یہ بتائیں کل آپ ہمارے ساتھ چلیں گی یا نہیں؟'' وہ ان کے گلے میں بازو حمائل کرتی ہوئی بولی تو وہ سوالیہ انداز سے اسے دیکھنے لگیں۔

''کہاں جانے کی بات کر رہی ہو بیٹا؟'' وہ حیرت سے بولیں۔

''بھول گئیں آپ، کل میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ اسجد کے دوست راحیل کی شادی ہے آج سے پورے تین دن بعد آپ نے چلنا ہے ہمارے ساتھ۔'' وہ حتمی انداز میں بولی تو وہ نفی میں سر ہلانے لگیں۔

''نہیں بیٹا! تم اور اسجد چلے جاؤ، خدا تمہارا جوڑ بنائے رکھے، ایسی جگہوں پہ تم دونوں جاتے ہی اچھے لگتے ہو پہلے اسجد اکیلے ہی دوستوں کے فنکشنز اٹینڈ کرتا تھا، یہ بتاؤ آج میری بیٹی نے بنایا کیا ہے کھانے میں؟'' انہوں نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لیتے ہوئے کہا۔

''بہت کچھ ہے، سرپرائزنگ ڈشز ہیں آپ کے اور اسجد کے لئے۔'' وہ رازدرانہ انداز میں بولی تو وہ کھل کر ہنس دیں۔

''مجھے پتہ ہے ڈش جو بھی ہو میری بیٹی کے ہاتھ کا ذائقہ اس میں اتر آتا ہے۔'' انہوں نے کھل کر تعریف کی تو وہ بھی خوش ہو گئی۔

''واہ بھئی واہ، آج تو تم نے کمال کر دیا، ہر ڈش کو لاجواب بنا دیا ہے۔'' رات کو اسجد حدید ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا تو ہر ڈش کو چٹخارے لے کر کھانے لگا عروئی اس کے تعریفی کلمات کو سن سن کر مسکراتی جا رہی تھی پھر اچانک کچھ یاد آنے پر سنجیدہ ہو گئی۔

''ویسے ایک بات تو بتائیں اس دن آپ پھپھو کے سامنے یہ کیوں کہہ رہے تھے کہ آپ نے شادی سے پہلے کبھی میرے ہاتھ کا ذائقہ نہیں چکھا حالانکہ آپ اکثر ہمارے گھر آتے تھے اور میرے ہی ہاتھوں کا بنا ہوا کھانا کھاتے تھے۔'' وہ مصنوعی خفگی سے بولی تو اسجد حدید کے منہ سے قہقہہ اُمڈ پڑا۔

''یعنی ہماری مسز کو یہ شکایت ہے کہ ہم ان کے ہاتھ کا کھایا کھانا بھول کیوں گئے؟ بھئی بیگم دراصل بات یہ ہے کہ شادی سے پہلے کھانے کھانوں میں وہ چارم نہیں ہوتا جو شادی کے بعد بیگم کے ہاتھ کا کھانا کھا کر ہوتا ہے۔'' وہ تفصیل بتانے لگے تو اس نے دمیان میں ٹوک دیا۔

''آپ مجھے یہ بیگم کے لقب سے مت پکارا کریں، بیگم کا لفظ سن کر میرے تصور میں بھاری بھرکم، موٹی تازی خواتین آتی ہیں، مجھے خود بھی اپنا آپ ایسا لگتا ہے اور میں خوفزدہ ہو جاتی ہوں اپنا ایسا تصور کر کے۔'' وہ افسردگی سے بولی تو اسجد حدید ہنستے ہنستے دوہرا ہو گیا تھا۔

☆☆☆

آج وہ پیدل گھر آئی تھی ٹیکسی، رکشہ بہت خوار ہونے کے بعد بھی نہیں ملا تھا خود پر ضبط کر وہ بیرونی دروازے سے اندر داخل ہوئیں تو اماں کو آنگن میں ہی جامن کے پیڑ کے نیچے تخت بیٹھے پایا جوان کے سامنے ہی بید کی کرسی پر کوئی اول جلول حلیے والی عورت بیٹھی تھی چائے اور دیگر لوازمات سے لطف اندوز ہو رہی تھی اس کی تیوری چڑھ گئی اس کا حلیہ دیکھ کر۔ جانتی تھی کہ یہ کس مقصد کے لئے آئی ہے۔

وہ اسے نظر انداز کر کے سیدھی گزر جانے لگی تو اماں نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''سماویہ! سلام کر ماسی کو تیرے ہی کام کے لئے آئی ہے، بڑا اچھا رشتہ لائی ہے تیرے لئے۔'' اماں نے جوش سے بتایا تو اس کا جی چاہا ماسی کو اٹھا کے باہر کوڑے دان میں پھینک دے وہ ان کے حکم کو نظر انداز کرتی اپنے کمرے میں چلی آئی ہینڈ بیگ دور اچھال کر شال اتار کے صوفے پر پھینکی اور پیروں کو جوتوں سے آزاد کرتے ہوئے نیچے قالین پہ ہی سر تھام کے بیٹھ گئی۔

''یہ لوگ کیوں نہیں سمجھتے، کہ مجھے کسی کی چاہ نہیں ہے سوائے اسجد حدید کے، میرے دل میں سوائے اس کے کوئی مرد اترتا ہی نہیں۔'' وہ صوفے سے سر ٹکا کے بیٹھ گئی تھی، آنکھیں موند لی تھیں نہ جانے کب تک وہ ایسے ہی بیٹھی رہی جب اماں نے اسے پکارا تھا وہ چپل پیروں میں پھنساتی باہر آ گئی اماں تخت پر اکیلی بیٹھی تھیں وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ان کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

''تو اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہے، کی آسمان سے تیرے لئے خاص شہزادہ اترے گا، جو بھی رشتہ آتا ہے کوئی نہ کوئی اعتراض لگا کر واپس لوٹا دیتی ہے، کتنے لوگوں نے تمہارا رشتہ مانگا ہے، ایک سے ایک اچھا رشتہ آیا، پر میں ان لوگوں کو کیا بتاتی کہ میری بیٹی کے مزاج نہیں ملتے، دماغ عرش پر رہتا ہے، کان کھول کے سن لے اگر اب تو نے کسی بھی رشتے میں کوئی کیڑا نکالا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا، میری عروئی کو دیکھ لے جیسا ماں باپ نے دے دیا خوش ہو کر قبول کر لیا تبھی تو سکھ چین سے جی رہی ہے، تیرے جیسی بیٹیاں تو اپنی پسند حاصل کر کے بھی ساری عمر بے سکون رہتی ہیں۔'' اماں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا خوب کھری کھری سنا ڈالی تھیں وہ چپ چاپ مزید کچھ سنے بغیر پلٹ کر واپس اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

''تمہیں کیا معلوم اماں! عروئی ہی تو ہے میری خوشیوں کی قاتل، میرے راستوں کی رکاوٹ، میرے دل کی بے چینی کا سبب، میری زندگی کی ناکامی کا سبب، تم کیا جانو اماں اسجد حدید ہی تو ہے جو کسی بھی رشتے پر میرا دل ٹھہرنے ہی نہیں دیتا، مجھے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔'' آئینے کے سامنے کھڑی وہ خاموش آنسوؤں کے ساتھ رو رہی تھی۔

''لیکن میرا بھی خود سے وعدہ ہے، میری زندگی میں کوئی آئے گا تو صرف اسجد حدید ورنہ...... کوئی نہیں۔'' اس نے ہاتھوں کے پشت سے اپنے بھیگا چہرہ بے دردی سے مسل ڈالا تھا اور بکھرے ہوئے بالوں کو ہاتھوں سے سمیٹتی باہر نکل آئی تھی۔

☆☆☆

میڈم شافعہ کا خوبصورت شاندار بنگلہ آج روشنیوں میں نہایا ہوا تھا ان کا بیٹا ایف ایس سی میں شاندار نمبروں سے پاس ہوا تھا اور میڈیکل میں ایڈمیشن ہو جانے کی خوشی میں انہوں نے اپنے بیٹے کے لئے گرینڈ فنکشن کا اہتمام کیا تھا جس میں نہ صرف ان کے خاندان کے لوگ دوست احباب مدعو تھے بلکہ ان کے سکول کی تمام ٹیچرز بھی مدعو تھیں جس میں وہ بھی شامل تھی جو میرون جارجٹ سوٹ میں جس پرستاروں کا کام تھا کوئی اپسرا لگ رہی تھی نائٹ فنکشن کے لحاظ سے اس نے ڈارک میک اپ کیا تھا حالات و واقعات نے اس کے حسن میں حزن و ملال بھر دیا تھا اور اس کا یہ اداس حسن ہر ایک کی سراہتی نظر

میں تھا اس کی کولیگز زندگی سے بھرپور قہقہے گانے میں مگن تھیں اور وہ خالی خالی نظروں سے محض انہیں دیکھتی رہی اس کی دوست غازیہ نے اسے ٹہوکا دیا تھا۔

''کیا بات ہے سماویہ! کوئی کھو گیا ہے تمہارا جسے ڈھونڈ رہی ہو؟'' وہ معنی خیزی سے ہنستی ہوئی سرگوشی میں بولی تھی وہ جو کھوئی کھوئی نظروں سے وہاں موجود لوگوں کو دیکھ رہی تھی جھینپ کر حواسوں میں آ گئی اسی پل میڈم شافعہ کسی خوش شکل سے نوجوان کے ساتھ وہیں چلی آئیں۔

''بھئی ان سے ملو یہ ہے میرا بہت ہی لاڈلا اور چہیتا بھانجا شہروز، بہت قریب ہے یہ میرے، اپنی ماں سے زیادہ مجھ سے اٹیچ ہے، جاب کی غرض سے لاہور میں ہوتا ہے لیکن پیرنٹس سے ملنے یہاں آتا رہتا ہے، بہت سوشل اور کھلنڈرا ہے، آج کل اپنے لائف پارٹنر کی تلاش میں ہے بقول اس کے شادی زندگی میں ایک بار ہی ہوتی ہے سو اپنی پسند سے ہونی چاہیے۔'' وہ خوشدلی سے اس کا سارا بائیو ڈیٹا بتاتی اسے پر شفقت نظروں سے دیکھ رہی تھیں جو اردگرد سے بے نیاز اس کے حسین چہرے کو فوکس کیے ہوئے تھا وہ اس کی گرم نگاہوں کی تپش سے پزل ہوئی جا رہی تھی۔

''آپ نے میرے بارے میں تو سب کچھ کہہ سنایا انہیں، اب ان کا بھی تو تعارف کروائیں نا مجھ سے۔'' وہ معنی خیزی سے اسے دیکھتا ہوا بولا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں...... یہ ہیں مس لبنیٰ، یہ مس شائستہ، مس مومنہ...... مس سماویہ۔'' وہ اور بھی نام بتا رہی تھیں لیکن وہ تو صرف اسی ایک نام پہ ٹھہر گیا تھا اس کا نام جان کر اسے خوشگوار سا احساس ہوا تھا۔

فنکشن کے اختتام پر وہ اسے اکیلا دیکھ کر اس کے پاس آیا تھا وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی جو نرم نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں نے سوچا آپ جا رہی ہوں تو الوداع ہی کہہ دوں۔'' وہ بہت اعتماد سے بولا تھا وہ اس کی بے تکلفی پر حیران ہونے لگی تھی۔

''یہ میرا کارڈ ہے آپ اگر پھر کبھی مجھ سے ملنا چاہیں۔'' وہ اپنا کارڈ اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا پھر اس کے چہرے پر چھائی بیزاری کو دیکھ کر سنبھل گیا۔

''دراصل میں اچھے لوگوں سے مل کر ہمیشہ بہت خوش ہوتا ہوں اور پھر ان سے دوبارہ بھی ملنے کی خواہش کرتا ہوں، آئی تھنک میری یہ معصوم سی خواہش کسی کو ضرر تو نہیں پہنچاتی۔'' وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتا ہوا بولا تو وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی نہ جانے اس نے اس میں اتنی مختصر سی ملاقات میں کون سی اچھائی دیکھ لی تھی جو اس پر لٹو ہو گیا تھا وہ بس سوچتی رہ گئی پھر مروتاً اس کا کارڈ پکڑ لیا۔

''مجھے کون سا اس شخص سے رابطہ رکھنا ہے۔'' وہ دل ہی دل میں سوچ کر پرسکون ہو گئی تھی پھر واپسی کے لئے باہر کی جانب قدم بڑھا دیے تھے۔

اس روز کے بعد اس کا اس شخص سے کوئی رابطہ نہیں رہا تھا نہ ہی اسے کوئی ضرورت پڑی تھی کہ وہ اس سے رابطہ کرتی لیکن ایک روز جب وہ اپنے روزمرہ کے کاموں سے فارغ ہو کر رات کو بستر پر لیٹی تھی اس کا فون آ گیا وہ حیرت سے موبائل کو دیکھتی رہ گئی اس نے نہ جانے کہاں سے اس کا نمبر ڈھونڈ نکالا تھا کچھ سوچ کر اس نے موبائل کان سے لگایا تو اپنے اسی ازلی خوش اخلاق اور گمبھیر لہجے میں مخاطب تھا۔

''ہائے مس سماویہ! کیسی ہیں آپ؟ میں یونہی فارغ بیٹھا تھا سوچا آپ کی خیریت پوچھ لوں، میں نے کہا تھا نا کہ میں اچھے لوگوں سے بار بار مل کر خوش ہوتا ہوں، ان سے بات کر کے میرا دل و دماغ ہلکا پھلکا اور روشن ہو جاتا ہے۔'' وہ اپنی ہی جون میں بولتا جا رہا تھا کہ اس نے درمیان میں ٹوک دیا۔

''لیکن آپ کو میرا نمبر کہاں سے ملا؟'' اس کے انداز میں حیرت بھی تھی اور خفگی بھی وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''بس جنہیں تلاش ہوتی ہے وہ ڈھونڈ ہی نکالتے ہیں، دراصل آپ کا نمبر میں نے آپ کی دوست مس شائستہ سے حاصل کیا ہے، بڑی منت سماجت کرنی پڑی ہے ان کی، اب پلیز آپ انہیں اپنے عتاب کا نشانہ مت بنائیے گا، وہ بالکل بے قصور ہیں بس میری باتوں کے جال میں پھنس گئیں کہ ہمیں قائل کرنا آتا ہے نا، چلیں چھوڑیں ان باتوں کو آپ سنائیں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے، گھر بار بال بچے؟'' وہ نان اسٹاپ بولتا گیا تو وہ چیخ پڑی۔

''میرے بچے نہیں ہیں۔'' اس کے لہجے میں جھلاہٹ بھی تھی اور غصہ بھی، وہ کھل کر مسکرا دیا۔

''اچھا یعنی ابھی سنگل ہیں آپ، اوہ سوری ویری سوری، دراصل مجھے سر پہ سہرا سجانے کا بڑا شوق ہے نا اور بال بچوں کا بھی، تو بس یہی لفظ منہ پہ چپکا رہتا ہے، اوکے چھوڑیں ان فضول باتوں کو، یہ بتائیں کب مل رہی ہیں؟'' اس کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا وہ بھونچکا رہ گئی اس کی ہمت پر۔

''مجھے کیا ضرورت پڑی ہے آپ سے ملنے کی، مجھے آپ کی ذات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے سمجھے آپ؟'' وہ دو ٹوک لہجے میں کہتی موبائل بند کرنے لگی تو وہ سرعت سے بول پڑا۔

''ارے ارے سنیے تو، آپ تو بہت ہی بے مروت اور بد اخلاق ہیں، دو لفظ محض دل رکھنے کو بھی نہیں بول سکتیں۔'' وہ جھلا کر بولا تھا وہ لب بھینچ کر رہ گئی پھر خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا اس کے دل میں اس شخص کے لئے کسی بھی قسم کے خوشگوار احساسات بیدار نہیں ہو رہے تھے شاید اس کی وجہ امجد حدید تھا جو کسی بھی طور کسی دوسرے شخص کو اس کے دل کے مندر میں ٹھہرنے نہیں دیتا تھا۔

وہ اسے چوبیس گھنٹوں میں تقریباً پانچ چھ بار تو ضرور میسج کرتا تھا اور اس کے ان میسجز میں اس کی محبت کا واضح پیغام ہوتا تھا وہ اس سے ملنا چاہتا تھا ایک بار پھر اس کی جھلک دیکھنا چاہتا تھا، جو پہلی ہی نظر میں اس کے دل کے تار چھیڑ گئی تھی وہ ان پیغامات کو پڑھتی ضرور تھی لیکن کبھی نہ جواب دینے کی کوشش کی تھی نہ ہی ضرورت محسوس کی تھی البتہ عروٹی سے اس کا ذکر ضرور کیا تھا جو حیران ہونے کی بجائے ایکسائیٹڈ بھی ہو رہی تھی۔

''ہائے سچ آپی! کون ہے وہ جو آپ پر اتنا مرتا ہے، ایسے لوگ تو نایاب ہوتے ہیں اس دنیا میں کہ مسلسل آپ اسے اگنور کر رہی ہیں اور وہ آپ کی طرف پھر بھی اتنی ہی چاہت سے بڑھ رہا ہے، مجھے تو ملوائیں آپی اس سے، ہو سکتا ہے وہ آپ کے معیار کے مطابق ہو۔'' وہ اس روز میکے آئی ہوئی تھی اور سماویہ کی بات سنتے ہی وہ شہروز سے ملنے کو بے چین ہو گئی تھی یکدم ہی سماویہ کے ذہن میں کوندا سا لپکا تھا اس کی آنکھیں عجیب سی لو دینے لگیں ذہن تیزی سے تانا بانا بننے لگا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں، ضرور ملواؤں گی تمہیں۔'' اس کے ہونٹوں پر بہت محظوظ سی

مسکراہٹ درآئی تھی۔
اسے بہت دن انتظار کی بھٹی میں جھونکنے کے بعد وہ بالآخر اس سے ملنے ریسٹورنٹ جا پہنچی تھی وہ اسے دیکھتے ہی شانت ہو گیا تھا اس کے انگ انگ سے خوشی پھوٹ رہی ہے۔
''میں نے سوچا آپ اتنے روز سے ملنے پر اصرار کر رہے ہیں تو آپ سے مل ہی لیا جائے۔'' وہ دھیمے سے مسکرائی تھی۔
''میری خوش نصیبی ہے کہ آپ نے مجھے یہ عزت بخشی، مجھے یقین آ گیا ہے کہ محبت میں اگر ثابت قدمی ہو اور دل میں مکمل جذبہ تو بالآخر یہ اپنا آپ منوا ہی لیتی ہے۔'' وہ اسے نظروں کے حصار میں لیتا ہوا بولا تھا۔
''آپ یقین کیجئے مس سماویہ! جب سے آپ کو دیکھا ایک رات بھی سکون سے نہیں سو سکا، دل آپ کے ملن کی خواہش کرنے لگا ہے، آپ کی ہمراہی ہی چاہنے لگا ہے، آپ کے وصل کا خواہاں ہے اور شاید یہی خواہش مجھے آپ سے دور نہیں ہونے دیتی۔'' وہ اپنی ہی دھن میں بولتا جا رہا تھا کہ اس کے چہرے کی سنجیدگی دیکھ کر ایک پل کے لئے رک گیا۔
''آپ کو میری باتیں بری تو نہیں لگ رہیں؟'' اس نے دھیرے سے پوچھا تو اس نے مسکرا کر نفی میں سر ہلا دیا۔
''ایکچوئیلی بہت صاف گو اور سادہ سا انسان ہوں جو میرے دل میں ہوتا ہے اس کا برملا اظہار کر دیتا ہوں، آپ مجھے اچھی لگیں میں نے اظہار کرنے میں دیر نہیں لگائی اور اب میں یہ کہنے میں بھی دیر نہیں لگاؤں گا کہ میں آپ کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ یکدم ہی سنجیدہ ہو گیا تھا اس نے سر اٹھا کر اسے سوچتی نظروں سے دیکھا جس کی آنکھوں میں امید کی دیے روشن تھے اور اس نے اس روشنی کو بجھنے نہیں دیا۔
''آپ ایک اچھے انسان ہیں، مجھے آپ کی ہمراہی پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔'' اس کے ہونٹوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ آئی تھی جسے شہروز بخاری نے بہت دلچسپی سے دیکھا تھا۔
''اس خوشی میں آپ کیا لیں گی؟ جو بھی آرڈر کریں گی حاضر ہو گا۔'' وہ ویٹر کو اشارہ کرتے ہوئے بولا تھا۔
''As you wish۔'' وہ خوشدلی سے بولی تو وہ مینو کارڈ اٹھا کر اپنی پسند کا آرڈر دینے لگا۔
شہروز بخاری سے اس کی ملاقاتیں روز بروز بڑھنے لگی تھیں وہ اس کے خوبصورت جذبوں کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی اور وہ خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھنے لگا تھا جسے اتنا خوبصورت ہم سفر ملنے والا تھا وہ جلد از جلد اپنے گھر والوں کو اس کے ہاں بھیجنا چاہتا تھا لیکن وہ ابھی نہ جانے کس مصلحت کے تحت خاموش تھی۔

☆☆☆

ابا آج گھر پر ہی تھے آنگن میں رکھی کرسی پر بیٹھے اپنے کاروباری حساب کتاب کا رجسٹر کھولے بیٹھے تھے اماں تخت پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے پاندان سامنے رکھے اپنا پان تیار کر رہی تھیں اچانک کچھ یاد آنے پر ان کی طرف متوجہ ہو گئیں۔
''میں کہتی ہوں سماویہ کے ابا! اپنے اس چہیتے پلندے سے نظر اٹھا کر دو گھڑی ہماری طرف بھی توجہ دے لیا کریں۔'' اماں نے کوفت سے کہا تو ابا اپنا چشمہ سر پہ ٹکاتے ہولے سے ہنسے تھے۔
''بیگم! ساری عمر آپ ہی کو دیکھتے آئے ہیں اب کیا اس عمر میں بھی آپ کی صورت پہ ہی

نظریں جمائے رکھیں؟'' ابا شرارت سے بولے تو اماں نے جھینپ کے خفگی سے انہیں دیکھا۔
''توبہ توبہ بات کا بتنگڑ بنانا تو کوئی آپ سے سیکھے، میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ آخر کب تک ہم سماویہ کو اپنی دہلیز پر بٹھائے رکھیں، اسے گھر بار کا بھی کرنا ہے کہ نہیں؟'' انہوں نے بنا ہوا پان منہ میں دائیں سائیڈ پہ رکھتے ہوئے کہا ابا سوچتی نظروں سے انہیں دیکھنے لگے۔
''اس کی طرف سے تو میں بھی بہت پریشان رہتا ہوں لیکن کیا کیا جائے، وہ خود مختار ہے، سمجھدار ہے، میں نے کبھی اپنی اولاد کو زبردستی اپنے فیصلوں کا پابند نہیں کیا اس لئے اس معاملے میں بھی اگر وہ اپنی الگ رائے رکھتی ہے تو ہمیں بھی اسے یہ حق دے دینا چاہیے وہ خود اپنے بارے میں بہتر فیصلہ کر لے گی تو اس بات کو انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے، آج کے بچوں کی اپنی سوچ ہے اور ہم پرانے لوگوں کی اپنی۔'' وہ کہہ کر پھر سے رجسٹر میں گم ہو گئے ان کی یہ بات اماں کو ہضم نہ ہوئی غصے سے پاندان ایک طرف پٹخا اور خفگی سے انہیں دیکھنے لگیں۔
''سچی بات تو یہ ہے کہ آپ کی انہی باتوں نے اس کا دماغ آسمان پر چڑھا دیا ہے، ورنہ ماں باپ سے بہتر اولاد کا کوئی نہیں سوچ سکتا، میں تو کہتی ہوں جیسے ہی لڑکی ماں باپ کے فیصلوں کو ٹال رہی ہے ایک دن ایسے ہی سر پکڑ کے روئے گی خود کو کوئی بہت ہی اونچی شے سمجھنے لگی ہے، ایک میری عروئی تھی ماں باپ نے جو کہہ دیا صرف آخر سمجھ لیا کبھی منہ سے ہوں نہیں نکالی تبھی تو سکھی ہے اور خدا اسے ہمیشہ ہی سکھی رکھے۔'' اماں کے دل سے بے اختیار دعا نکلی تھی ابا نے ان کے چہرے پہ بیٹی کے لئے بے پناہ محبت بکھرتے دیکھی تو وہ بھی غیر ارادی طور پر ان دونوں کا موزانہ کرنے لگے تھے انہیں یکدم ہی عروئی پر بے پناہ پیار آ گیا۔
''ہاں نیک بخت، تم صحیح کہتی ہو، عروئی تو بڑی فرمانبردار اور پیاری بچی تھی، خدا ایسی بیٹیاں سب کو دے، سماویہ تو اسکی محبت کا ذرا سا بھی اثر نہیں لے پائی، اس کی طرف سے تو میں بھی پریشان رہتا ہوں، لیکن میں اولاد پر دباؤ ڈالنا پسند نہیں کرتا، اس لئے میں نے سب کچھ رب پر چھوڑ دیا ہے۔'' انہوں نے سرد آہ کھینچی اور اپنا رجسٹر اٹھا کر چپلیں پاؤں میں اڑستے اٹھ گئے تھے۔

☆☆☆

''آپی! آپ اماں کو بتا کیوں نہیں دیتیں کہ آپ شہروز کو پسند کرتی ہیں اور اس سے شادی کرنا چاہتی ہیں؟'' آج سماویہ اس سے سکول ٹائم کے بعد ملنے آ گئی تھی عروئی اپنے بیڈ روم میں اس کے ساتھ بیٹھی تھی دونوں میں اس وقت یہی موضوع چل رہا تھا جو گزشتہ دس دن سے ان کے درمیان زیر بحث تھا لیکن سماویہ نے اسے سختی سے منع کیا تھا کے وہ ابھی شہروز کے بارے میں نہ اماں ابا کو کچھ بتائے اور نہ ہی اسجد حدید کو، بقول اس کے ابھی وہ شہروز کو خود سمجھنے کی کوشش کر رہی ہے۔
''ابھی نہیں، ابھی میں شہروز سے تمام معاملات طے کر لینا چاہتی ہوں، بس جلد ہی تمہیں خوشخبری سناؤں گی۔'' وہ ایک اچٹتی نظر اس پر ڈالتی بولی تھی پھر آرام دہ حالات میں بیڈ کراؤن سے ٹیک لگ کر اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں جھانکنے لگی تھی، بہت دیر تک جب وہ اسی حالت میں بیٹھی رہی تو عروئی نے تشویش سے اسے دیکھا۔
''آپی! کیا ڈھونڈ رہی ہیں اپنی لکیروں

میں؟'' وہ نرم سے انداز میں مسکرائی تھی اس نے نظریں اٹھا کر اسے چور نظروں سے دیکھا۔

''یہی کہ میرا نصیب کون ہوگا؟'' وہ گھٹنوں کے گرد ہاتھ باندھی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی اور غیر مرئی نقطے کو گھورنے لگی تھی عروئی سر جھٹک کر ہنسی۔

''ظاہر ہے شہروز!'' اس نے معنی خیزی سے کہا تھا ساویہ نے ایک طنزیہ نظر اس پر ڈالی اور تلخ سی ہنسی ہنس دی۔

''یہ تو وقت بتائے گا۔'' اس نے گہری نظروں سے اسے دیکھا اور جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی عروئی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھانا چاہا۔

''آپی! ابھی تو آئی تھیں آپ، اتنی جلدی جا رہی ہیں؟ کھانا تو کھاتی جائیں، پھپھو بس پڑوس تک گئی ہیں، آپ مل کر جانا ان سے۔'' وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتی بولی تھی وہ تیزی سے اس کی طرف گھومی۔

''نہیں چندا! پھر آؤں گی، اماں انتظار کر رہی ہوں گی، اماں کو بتا کر نہیں آئی تھی میں۔'' وہ اس کا گال تھپتھپاتی الوداعی انداز میں ہاتھ ہلاتی گیٹ سے باہر نکل آئی تھی سرخ اینٹوں کی روش پہ کھڑی عروئی نے ایک اداس نظر اس پر ڈالی تھی۔

''خدا آپ کو بہت ساری خوشیاں دے آپی! آپ کو بہت چاہنے والا بہت اچھا لائف پارٹنر ملے جو آپ کی ساری اداسیاں سمیٹ لے۔'' اس کے دل سے بے اختیار دعا نکلی تھی۔

☆☆☆

وہ آج گھر کی سیٹنگ تبدیل کروانے کی غرض سے صبح سے ہی ملازمہ کے سر پر کھڑی تھی ساتھ ساتھ کچن میں بھی جھانک لیتی تھی آج کل شازمہ ماں سے ملنے کے لئے آئی ہوئی تھی تھوڑا وقت اس کی خاطر داری کرنے بھی گزر جاتا تھا اسجد کو وہ آج کل بہت کم ٹائم دے پاتی تھی جس کا وہ بہت زیادہ شکوہ کرنے لگا تھا ان مصروفیات کی وجہ سے اس کا میکے جانا بھی بہت حد تک کم ہو گیا تھا اماں فون پر ہی اس سے گلے شکوے کرنے بیٹھ جاتی تھیں کہ وہ ان سے دور ہو گئی ہے انہیں یاد نہیں کرتی اور وہ انہیں لاکھ تاویلیں دیتی کہ گھریلو ذمے داریاں بڑھ گئی ہیں مگر وہ اس کی ایک نہ سنتیں ہمیشہ اسے میکے آنے کا حکم دیتیں اور وہ لاکھ کوشش کے باوجود بھی جا نہ پائی کہ ملائکہ اور تنزیلہ اکثر ہی بمع بچوں کے ٹھہرنے آجاتی تھیں گو کہ آدھے کام تو ملازمہ سمیٹ لیتی تھی مگر اوپر کے بھی بہت سے کام ہوئے تھے جو اسے سنبھالنے پڑتے تھے ساویہ کے فون آنا بھی بند ہو گئے تھے اس لئے جونہی اس روز اس کا فون آیا وہ اس کے نہ آنے کا شکوہ کر بیٹھی۔

''آپ تو ملنے ہی نہیں آتیں آپی! کئی روز ہو گئے ہیں، کہیں اپنا اسکول کھولنے کا ارادہ تو نہیں کر لیا جو اتنی مصروف رہنے لگی ہیں؟'' اس نے چھوٹتے ہی شکوہ کیا۔

''بس اسکول کے ہی کچھ معاملات نمٹانے ہوتے ہیں، دراصل پرنسپل اپنے بیمار بیٹے کے ٹریٹمنٹ کے لئے اسلام آباد گئی ہوئی ہیں تو عارضی طور پر میں ان کی سیٹ پر کام کر رہی ہوں، تو بس یہی مصروفیات ہیں، میں نے تمہیں البتہ کسی خاص کام کے لئے کال کیا ہے۔'' وہ کہہ کر رکی تو دوسری طرف عروئی بے چین ہو گئی۔

''کیا خاص کام آپی؟''

''دراصل میں نے شہروز سے شادی کا فیصلہ کر لیا ہے، ہم دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ چکے ہیں اسی لئے اب ہم جلد از جلد ایک ہونا چاہتے ہیں لیکن کچھ معاملات ہیں جو ابھی طے کرنے ہیں تم میچور ہو تم ان معاملات کو اچھی طرح سے ہینڈل کر سکتی ہو دوسری طرف اماں ابا کو بھی شہروز کے بارے میں تمہیں ہی قائل کرنا ہے لیکن اس سے پہلے میں چاہتی ہوں کہ تمہاری ایک بار شہروز سے ملاقات کروا دوں، تا کہ تم بھی شہروز کے بارے میں جان سکو کہ وہ کس مزاج کا انسان ہے اس کی کیا ترجیحات ہیں وہ میرے ساتھ چل سکتا یا نہیں، آئی تھنک اس سے ایک ملاقات کے بعد تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ وہ میرے قابل ہے یا نہیں۔'' اس نے مدبرانہ انداز میں اسے کہا تھا۔

''ٹھیک ہے پھر کب ملوا رہی ہو؟'' عروئی تیزی سے بولی تھی حقیقت تو یہ تھی کہ وہ ساویہ کی شادی کے لئے بہت پرجوش اور بے صبری ہو رہی تھی کہ اسے اپنی بہن کا گھر بسنے کی بہت فکر تھی۔

''بس دو تین دن میں ہی میں تمہیں اس سے ملوا دوں گی، تم تیار رہنا اور سنو ابھی پھپھو کو یا اسجد کو اور اماں کو فی الحال ہے نہ چلے ہو سکتا ہے تم شہروز سے مطمئن نہ ہو سکو اور مجھے اپنا ارادہ بدلنا پڑ جائے۔'' وہ محتاط انداز میں بولی تو دوسری طرف موجود عروئی نے اثبات میں سر ہلا دیا پھر کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اس نے فون رکھ دیا، رات اسجد حدید کا دیر سے آنا ہوا تھا۔

☆☆☆

ساویہ نے اگلے دن ہی اسے کسی مقامی ریسٹورنٹ میں شہروز سے ملنے کا ٹائم دے دیا تھا اور اسے یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ عین شام سات بجے وہاں پہنچ جائے گی عروئی وہاں جانے کا کوئی معقول بہانہ سوچ رہی تھی ساویہ کی نصیحت کے مطابق وہ اسجد حدید کو نہیں بتا سکتی تھی کہ وہ شہروز سے ملاقات کے لئے جا رہی ہے سو اسے بہتر راستہ یہی نظر آیا تھا کہ وہ اپنی کسی دوست کے ہاں جانے کا بہانہ گھڑ لے۔

رات اسجد دیر سے آیا تھا اور اتنا تھکا ہوا تھا کہ آتے ہی بیڈ پر لیٹ گیا وہ دبے پاؤں اندر داخل ہوئی مگر وہ ایسے ہی آنکھیں موندے پڑا رہا وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی دائیں سائیڈ پر آئی اور الماری کھول کر ہینگ کیے کپڑے دیکھنے لگی ایک چور سی نظر اس نے اسجد حدید پر ڈالی تھی جو اب آنکھیں کھول کر چھت کو گھور رہا تھا اچانک گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا جو ایک سوٹ کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگا اس کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

''کیا بات ہے اتنی رات کو تم یہ سوٹ پہن کر کہاں جا رہی ہو ہمیں تنہا کر کے؟'' وہ اس کے ہاتھ میں دبے سوٹ کو سوالیہ نظروں سے دیکھتا شرارت سے بولا تو وہ چونک کر سیدھی ہوئی پھر سوٹ صوفے پہ ڈال کر اس کے برابر آ کر بیٹھ گئی۔

''ابھی تو کہیں نہیں جا رہی البتہ کل کہیں جانا ہے بہت ضروری۔'' اس نے سنبھل سنبھل کے بتایا تو اسجد حدید نے اس کے گرد اپنے مضبوط بازوؤں کا حصار کر لیا۔

''ہمیں چھوڑ کر کہاں جاؤ گی سویٹ ہارٹ؟'' تو وہ بتانے کے لئے لفظ ترتیب دینے لگی۔

''میری دوست ہے ناں وجیہہ، اس کی بہن آئی رہی ہے کینیڈا سے، وہ مجھے اس سے ملوانا چاہتی ہے، کل شام پانچ بجے بلایا ہے مجھے۔'' وہ چور نظروں سے اسے دیکھتی بولی تھی وہ سیدھا ہو کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

''کوئی مسئلہ نہیں ہے، چلی جانا، لیکن اب اس وقت یہ جانے کی بات کر کے مجھے افسردہ مت کرو، ابھی ہم صرف آپ کی زلفوں تلے سونا

چاہتے ہیں۔" وہ اس کے کان میں گنگنایا تو وہ شرم سے سرخ پڑ گئی، اسجد حدید نے اسے اپنے اندر سمولیا اور وہ اس کی قربت میں بھیگتی چلی گئی۔

☆☆☆

وہ سہج سہج کر قدم اٹھاتی ریسٹورنٹ میں داخل ہوئی پھر اردگرد نظریں دوڑاتے ہوئے کسی کو نہ پا کر بیزار سے انداز میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی کونے والی ٹیبل پہ آ بیٹھی ویٹر مینو کارڈ اٹھائے اس کی طرف چلا آیا اس نے مسکرا کر انکار کر دیا۔

"ابھی نہیں تھوڑی دیر بعد۔" بار بار اس کی نظریں اپنی رسٹ واچ پر پھسل رہی تھیں ابھی تک ان دونوں میں سے کسی ایک کے بھی آنے کا کوئی امکان نہیں تھا اچانک اس کی نظر سامنے سے آتے وجود پر پڑی تھی اس کے پژمردہ چہرے پر رونق آ گئی اس نے ہاتھ ہلا کر اسے اپنی طرف بلایا وہ مسکراتا ہوا قریب آ گیا اور پھر فوراً ہی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"ایم سوری، مجھے آنے میں ذرا دیر ہو گئی، ساویہ نہیں آئی ابھی تک؟" وہ فکرمندانہ لہجے میں بولا تھا۔

"نہیں، ابھی تک تو نہیں آئی، بس آتی ہی ہو گی، آپ سنائیں آپ کیسے ہیں؟" وہ خوشدلی سے بولی تھی۔

"ٹھیک ٹھاک، ایک دم خوش باش اور آپ سنائیں آپ کے میاں صاحب کیسے ہیں، کہیں آپ نے انہیں سنگدل بیویوں کی طرح اپنے پنجوں میں تو نہیں جکڑ رکھا؟" وہ ہنستے ہوئے بولا تھا وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"نہیں جی! آپ مجھے ایسا ویسا مت سمجھیں، میں بہت اچھی اور فرمانبردار بیوی ہوں، حاکمیت پسند اور تیز طرار نہیں۔" اس نے فخر سے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی کھلکھلا کے ہنس پڑا۔

"او کے رائٹ!"

وہ اس وقت آفس میں بیٹھا ضروری فائلیں نمٹا رہا تھا جب موبائل کی بپ پر اس نے ٹیبل کے اردگرد نظریں دوڑائیں اور موبائل تلاش کر کے مصروف سے انداز میں کان سے لگایا دوسری طرف ساویہ تھی۔

"سنو اسجد میں نے تمہیں یہاں بہت ضروری بات بتانے کے لئے فون کیا ہے ذرا صبر اور تحمل سے سنو، دیکھو اسجد میں تمہاری سچی خیر خواہ ہوں اور اسی طرح عروٰی کی بھی لیکن عروٰی جس سمت جا رہی ہے تم اس سے لاعلم ہو۔" وہ جان بوجھ کر رکی تو دوسری طرف موجود اسجد حدید بے چین ہو گیا۔

"کیا ہوا عروٰی کو؟ کیا کر دیا ہے عروٰی نے؟" وہ ضبط کے پل صراط سے گزرتے ہوئے بولا اندر کہیں کوئی کھٹکا سا ہوا تھا۔

"عروٰی نے......؟ عروٰی اور تمہارے درمیان کوئی تیسرا آ گیا ہے جس سے وہ تم سے چوری چھپے ملتی ہے میں نے کئی بار تمہیں بتانے کی کوشش کی تا کہ تم اپنی ہنسی مسکراتی زندگی میں دراڑ آنے سے پہلے ہی حالات پر قابو پا سکو لیکن بہن ہونے کے ناطے پہلے میں اسے خود ہی سمجھاتی رہی کہ وہ تم جیسے اچھے انسان کو اس طرح چیٹ نہ کرے جو تم سے محبت نہیں عشق کرتا ہے لیکن وہ بہت آگے نکل چکی ہے میری باتوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اور......" وہ اس کی حالت سے بے پرواہ بولتی جا رہی تھی جب اسجد حدید نے تیزی سے اسے ٹوکا تھا۔

"اس وقت کہاں ہے وہ؟"

"بتاتی ہوں لیکن اس شرط پر کہ تم اسے یہ نہیں بتاؤ گے کہ میں نے تمہیں یہ سب بتایا ہے

کیونکہ میں اپنی بہن کو کھونا نہیں چاہتی۔" وہ لہجے میں بے بسی سموتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے...... لیکن وہ ہے کہاں؟" وہ ضبط کی حد سے گزرتے ہوئے بولا تھا۔

"شہروز کے ساتھ۔" وہ تلخ سے لہجے میں بولی تھی اسجد حدید کا چہرہ ضبط کی شدت سے سرخ پڑ گیا۔

"کہاں؟" وہ بمشکل بولا تھا۔

"یہ نہیں بتا سکتی کیونکہ تم وہاں پہنچ جاؤ گے اور دنیا کے سامنے تماشا لگ جائے گا اور میں ایسا کچھ نہیں چاہتی، یہ بات صرف ہم تک محدود ہے تو زیادہ اچھا ہے ورنہ لوگوں کے ہاتھ یہ موضوع لگ گیا تو ایک سے ایک فسانہ بن جائے گا البتہ وہ گھر آئے تو اس سے باز پرس ضرور کرنا، اسے سمجھانا بھی لیکن مجھے نہیں لگتا کہ وہ تمہاری بات سمجھے گی کیونکہ اس نے دوٹوک انداز میں کہہ دیا ہے کہ وہ شہروز کو نہیں چھوڑ سکتی۔" اس نے فکرمندانہ لہجے میں کہا تو اسجد حدید نے جھٹ سے موبائل آف کیا اور چیئر دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا ساویہ نے فتح مندانہ مسکراہٹ کے ساتھ موبائل کو دیکھا تھا اور دور صوفے پر اچھال دیا تھا آرام دہ حالت میں بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے اس نے اپنے وجود کو ڈھیلا چھوڑ دیا تھا اس کے وجود میں کہیں دور تک سکون ہی سکون در آیا تھا۔

☆☆☆

"ساویہ آپی نہ جانے کہاں رہ گئیں، لگتا ہے اب نہیں آئیں گی، مجھے چلنا چاہیے، اسجد آج جلدی گھر آ گئے ہیں، ابھی ابھی میسیج بھیجا ہے، آپ سے پھر ملاقات ہو گی مجھے ذرا جلدی ہے میں چلتی ہوں۔" وہ خوشدلی سے اسے خدا حافظ کہتی وہاں سے نکل آئی تھی شہروز بھی ساویہ کی آمد سے مایوس ہو کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی اسے مہر النساء نظر آئی تھیں جو لان کی صفائی کرتی ملازمہ کو ہدایات دینے میں مگن تھیں اسے دیکھتے ہی وہ شفقت سے مسکرائی تھیں۔

"آؤ بیٹی! اسجد تمہارا کب سے انتظار کر رہا ہے، مجھے لگتا ہے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، آفس سے جلدی آ گیا ہے، تم جا کے اس کی خیر خیریت لو۔" وہ اسے نصیحت کرتی پھر سے ملازمہ کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں وہ تقریباً دوڑتی ہوئی لان سے اپنے بیڈ روم تک کا فاصلہ طے کر گئی تھی، اسجد اس کی ذات کے لئے اس قدر لازم و ملزوم ہو چکا تھا کہ اس کی ذرا سی پریشانی بھی وہ جھیل نہیں سکتی تھی تبھی تو پھپھو کے منہ سے اس کے بارے میں سن کر اس کے چہرے پر فکر کی لکیریں ابھر آئی تھیں۔

"اسجد ٹھیک نہیں ہیں؟" وہ پریشان اور گھبرائے ہوئے لہجے میں بولتی تقریباً بھاگتے ہوئے اپنے بیڈ روم میں پہنچی تھی وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے لیٹا تھا شاید سو رہا تھا ہینڈ بیگ ایک طرف پھینک کر وہ اس کے قریب آئی۔

"اسجد!" وہ اس کی طرف جھکی تو اس نے آنکھوں پر سے بازو ہٹا کر گہری نظروں سے اسے دیکھا اس کی آنکھیں سرخ انگاروں جیسی ہو رہی تھیں کشادہ پیشانی پر شکنیں پڑی تھیں اور لب ایک دوسرے میں پیوست تھے وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھا تو اس پر جھکی عروٰی کا چہرہ اس کے چہرے سے ٹکرایا تھا وہ جھینپ کر سیدھی ہو گئی۔

"آپ نے جوں ہی میسیج کیا میں دوڑی چلی آئی۔" وہ صفائی دینے والے انداز میں بولی تو اس نے ایک تیز نظر اس کے صبیح چہرے پر ڈالی۔

"تمہیں میری اتنی فکر کب سے ہونے لگی؟ تمہارے بغیر بھی میں اپنی کیئر خود کر سکتا ہوں۔"

وہ اجنبیت بھرے لہجے میں بولا تو وہ اسکے اس انداز پہ چونک گئی کچھ لمحے تو وہ یونہی بالکل خاموش بیٹھی رہی کہ آخر اس کے اس رویے کا سبب کیا ہے؟ وہ تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''کہاں سے آ رہی ہو؟'' اس کے لہجہ بے انتہا سنجیدہ تھا عروٰی کے وجود میں خوف کی لہر سی دوڑ گئی وہ بیڈ کے دوسرے سرے پہ کھڑی تھی لیکن اسجد حدید کی نظریں اسے اپنا وجود کاٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔

''آپ کو بتایا تھا میں نے کہ میں اپنی دوست کے ہاں......'' وہ بولنے لگی تو وہ زور سے دہاڑ پڑا۔

''اپنے دوست شہروز کے پاس......؟'' اس کا انداز اتنا کٹیلا اور سخت تھا کہ ایک پل کو تو اسے لگا جیسے وہ اپنا وجود اپنے قدموں پر برقرار نہیں رکھ سکے گی اور فوراً زمیں بوس ہو جائے گی۔

''کک...... کون...... شہروز؟'' وہ ہکلانے لگی تو اسجد حدید آگے بڑھ کر اس کے نازک شانوں کو اپنے بھاری ہاتھوں میں دبوچ لیا۔

''وہی شہروز جس کے ساتھ جانے کب سے یہ محبت کا ناٹک کھیل رہی ہو اور میرے خالص اور سچے کھرے جذبوں کی توہین کر رہی ہو۔'' وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کے بولا اور اسے صوفے پر دھکیل دیا اسے بڑی زور سے جھٹکا لگا تھا آنکھوں میں پانی بھر آیا تھا۔

''میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گی، آپ مجھے موقع تو دیں، یقین کریں جو آپ سمجھ رہے ہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔'' وہ بمشکل خود کو سنبھالتی پھر سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور سر اٹھا کر اس لمبے چوڑے انسان کو دیکھنے لگی تھی جس کی آنکھوں میں تحقیر اور وحشت کے علاوہ اور کوئی عکس نہیں تھا۔

''بس۔'' اس نے اسے ہاتھ سے پیچھے دھکیلا تھا۔

''اب کوئی صفائی مت دینا کیونکہ مجھے اب تمہاری کوئی ضرورت نہیں، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔'' اس کے چہرے پر چٹانوں کی سی سختی تھی، لہجہ بے انتہا پتھریلا تھا۔

''نہیں اسجد، پلیز ایسا نہ کریں میری بات تو سنیں۔'' وہ تڑپ کر آگے بڑھی تھی۔

''میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔'' اس کی چبھتی نظریں اس کے وجود کو اندر تک چھید رہی تھیں۔

''مجھے تہی داماں مت کریں، میں تو آپ کے بغیر کچھ بھی نہیں اسجد، میرے سارے جذبے ساری چاہتیں سارے لمحے صرف آپ کے نام ہیں اسجد، میں تو......'' وہ نیچے بیٹھ کر اس کے پیر چھونے لگی تو وہ بدک کر پیچھے ہٹ گیا۔

''میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔'' وہ اس کے خواب کچلتا وہاں سے چل گیا تھا اور وہ خالی آنکھوں سے دروازے کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

آج اسے اجڑے ایک ماہ دس دن ہو چکے تھے اور اس پورے عرصے میں اس کے وجود پر مسلسل سناٹے چھائے رہے تھے اس کے لب سلے ہوئے تھے اور آنکھوں میں کرب کی پرچھائیاں تھیں اماں اسے یوں گم صم دیکھ دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھتی رہتی تھیں اور ابا اس کی وجہ سے ہارٹ اٹیک کا شکار ہو چکے تھے ہر وقت بیمار اور نڈھال نظر آنے لگے تھے ان کے بالوں کی سفیدی میں مزید تیزی آ گئی تھی واحد جو کبھی کھلنڈرا اور لاابالی سا ہوا کرتا تھا اب ہمہ وقت سنجیدہ رہنے لگا تھا سماویہ البتہ اس سے لاتعلق سی تھی اور اس لاتعلقی کی وجہ سے ان کے درمیان ہونے والی وہ تلخی تھی جسے یاد کر کے اب بھی عروٰی دکھ اور افسوس سے ادھ موئی ہونے لگتی تھی، اجڑنے کے بعد جب وہ پہلی بار اس دہلیز پر آئی تھی اسے وہ منظر بھولے نہیں بھولتا تھا جب وہ اپنے دامن میں ویرانیاں سمیٹے اس دہلیز پر آئی تھی تو سماویہ نے اسے گلے سے لگا کر کیسے اس کے زخموں پر پھاہے رکھے تھے اس کے دکھ پر خود بھی اس کے ساتھ ساتھ روئی تھی لیکن جب تنہائی میں اس نے اس سے اس روز ہونے والے واقعہ کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ شکوہ بھی کیا کہ وہ اسے وہاں بھیج کر خود کیوں نہیں آئی تو وہ الٹا اسی پر برس پڑی۔

''واٹ؟ کون...... کون شہروز، میں کسی شہروز کو نہیں جانتی، مجھے اپنے ان فضول معاملات میں زبردستی گھسیٹنے کی کوشش مت کرو سمجھیں۔'' اس کی آنکھوں میں یکدم اجنبیت اور سرد مہری جھلکنے لگی تھی عروٰی کو اپنے قدموں پہ کھڑا رہنا مشکل ہو گیا۔

''یہ...... یہ...... آ...... آپ کیا کہہ رہی ہیں آپی! یوں انکاری ہو کے آپ کیا ثابت کرنا چاہتی ہیں؟'' وہ بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے بولی تھی۔

''یہ تو تم بتاؤ کہ تم مجھے اپنی کسی سازش کا شکار کرنا چاہتی ہو؟'' وہ زہر میں بجھے لہجے میں بولی تھی عروٰی حق دق سی بس اسے دیکھتی رہ گئی۔

''آپی! سازش کا شکار تو میں ہوئی ہوں، آپ نے نہ جانے اپنے کس مقصد کے تحت مجھے اپنے ساتھ گھسیٹا ہے؟'' وہ کاٹ دار لہجے میں بولی تھی اس کی آواز بہت نیچی تھی کہ وہ گھر والوں کے سامنے تماشا بننا نہیں چاہتی تھی اور شاید اس کے اندر یہ خوف بھی تھا کہ اگر انہیں اس سارے معاملے کا علم ہو گیا تو وہ اسے ہی قصوروار گردانیں گے۔

''گھسیٹ تو تم مجھے رہی ہو، ہو گا کوئی تمہارا عاشق شہروز، جس کے لئے تم نے اسجد کی آنکھوں میں دھول جھونکی، اسے دھوکا دیا، بے وفائی کی اس کے ساتھ، ایک ایسے شخص کے ساتھ جو تمہارے ساتھ پوری طرح مخلص اور باوفا تھا جس نے مجھے چھوڑ کے تمہیں اپنایا کیونکہ وہ صرف اور صرف تمہیں چاہتا تھا تمہیں حاصل کرنا چاہتا تھا اور تم نے اس کے جذبات اور احساسات کو اپنی بے حسی اور بے مروتی تلے کچل دیا تم نے۔'' وہ زہر میں بجھے لفظ اس پر بڑی سفاکی سے انڈیل رہی تھی عروٰی منہ پہ ہاتھ رکھ کے سسک پڑی۔

''آپ بہت ظالم ہیں آپی! آپ نے میری زندگی تباہ کر دی، مجھے برباد کر دیا، مجھے کسی در کا نہیں چھوڑا۔'' شدت گریہ سے اس کی آواز رندھ گئی، خود پہ ضبط کرتی وہ بھاگتی چلی گئی۔

''تم کیا سمجھتی تھیں میں تمہیں اسجد کو اتنی آسانی سے دے دوں گی؟'' اس کے لبوں پر زہریلی مسکراہٹ امڈ آئی تھی بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھتے ہوئے بہت دنوں کی بھڑاس اس نے سینے میں اٹکے سانس کی مانند خارج کی تھی۔

☆☆☆

عروٰی جو بات اتنے روز سے اماں ابا سے چھپاتی پھر رہی تھی وہ سماویہ کے ذریعے منکشف ہو گئی تھی وہ اس وقت کچن میں کھڑی شام کا کھانا تیار کر رہی تھی جب اماں کے کمرے سے آتی تیز آواز پر اس کی سماعتیں چونک اٹھیں۔

''آپ نہیں جانتیں اماں، یہ کیا گل کھلا کے آئی ہے، سسرال میں، اسجد کی زندگی میں زہر گھول کے آئی ہے یہ، کیا کوئی شریف اور معزز لڑکی ایسا کر سکتی ہے جو اس نے کیا ہے؟ اسجد کی جگہ اگر کوئی اور مرد بھی ہوتا تو وہ بھی ایسی عورت کو اپنی زندگی سے نکال پھینکتا۔'' یہ سماویہ کی آواز تھی جو اماں کے سامنے کھڑی اس کے بے داغ کردار

یہ کیچڑ اچھال رہی تھی ہاتھ میں پکڑی پلیٹ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر سلیب پر گر پڑی دو آنسو اس کے گالوں پر لڑھک آئے ابھی اس کی بد قسمتی میں مزید کسر رہ گئی تھی اپنے نڈھال وجود کو سنبھالتی وہ پاس پڑی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

''نہیں سماویہ! میری عروئی ایسی نہیں ہو سکتی، ہو سکتا ہے اسجد کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو ورنہ میری عروئی تو ہیرا ہے ہیرا، ایسی لڑکی کو تو اسجد کو ڈھونڈے نہیں ملے گی۔'' اماں تڑپ کر اس کی صفائی میں بولی تھیں ان کی ہمدردی پا کے اس کی آنکھیں مزید ابل پڑیں۔

''بس کریں اماں! بس کریں اس کی طرفداری مت کریں، آپ بہت سادہ ہیں نہیں جانتیں آج کل دنیا میں کیا کچھ نہیں ہو رہا ہے، اگر اس بات میں ذرا بھی مبالغہ آرائی ہے تو بلا کے پوچھ لیں اپنی بیٹی سے، پوچھیں اس سے کون تھا وہ لڑکا شہروز جس کے ساتھ روز فون پہ باتیں کرتی تھی چوری چھپے ملاقاتیں کرتی تھی اور......'' سماویہ بڑی بے دردی سے اس کے نازک احساسات کو ادھیڑ رہی تھی عروئی کو وجود میں بجلی سی بھر گئی تھی ایک پل بھی ضائع کیے بغیر وہ بھاگتی ہوئی وہاں آئی تھی سماویہ نے ایک چبھتی نظر اس کے شکست خوردہ چہرے پر ڈالی تھی۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا اماں، میں بے قصور ہوں، میں نہیں جانتی تھی انہوں نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟'' وہ پلنگ پر ان کے برابر جا بیٹھی تھی اور ایک شکوہ کناں نظر اس پر ڈالی تھی۔

''میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں اماں کہ میری تباہی کا ذمہ دار کون ہے؟'' اس نے گہری نظروں سے سماویہ کے سنجیدہ چہرے پر نظر ڈالی تھی۔

''لیکن اس سے پہلے اپنے اس عاشق سے بات ضرور کر لو ہو سکتا ہے وہ تمہارے عشق میں آہیں بھرتا تم سے رابطہ کر بیٹھے اور پھر اماں ابا کے سامنے تمہاری یہ نام نہاد پاکدامنی بھی تمہیں باکردار ثابت نہ کر سکے۔'' اس نے زہر خند لہجے میں کہا تھا عروئی یک ٹک اسے دیکھتی رہ گئی اور پھر لفظ جیسے اس کے حلق میں اٹک گئے اسے لگا وہ سماویہ کے سامنے اب مزید کھڑی نہیں رہ سکے گی اس نے بے بسی سے اماں کی طرف دیکھا جو اس کی طرف مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھیں اور پھر ان کے ساکت وجود میں حرکت ہوئی۔

''کون ہے وہ لڑکا عروئی، بتا مجھے کون ہے وہ جس کی خاطر تو نے اسجد کا اعتبار کھو دیا، ار ہیرے جیسا لڑکا کھو دیا تو نے، ایسے لڑکے تو چراغ لے کے ڈھونڈو تو نہیں ملتے، کیسا اچھا بر دیا تھا رب نے تجھے اور تو نے ہمارے ساتھ ہی کیا کیا، ہماری عزت دو کوڑی کی کر دی۔'' اماں دوپٹہ منہ پر رکھ کے رونے لگیں، وہ ملتجی نظروں سے انہیں دیکھے لگی کہ شاید وہ اس کی آنکھوں سے جھلکتی بے گناہی کو دیکھ کر اسے پہلے کی طرح اپنے پروں میں چھپا کے چوم لیں لیکن اس کے لبوں سے لفظ چھن گئے تھے سوچیں اور زبان مفلوج ہو کر رہ گئی ... نے نظر اٹھائی سماویہ جا چکی تھی وہ شکست ... اٹھی اور من من بھر کے قدم اٹھاتی کمرے سے ... گئی۔

وہ ساری رات اس نے کانٹوں پر گزاری تھی اماں اس سے متنفر ہو چکی تھیں یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی اس کا دل صدمے سے پھٹ رہا تھا سماویہ نے اس کے گرد ایسا جال بچھایا تھا کہ چاہنے کے باوجود بھی رستہ نہیں پا سکتی تھی اس کا وجود زخمی تھا اس کے احساسات زخمی تھے اس کی روح زخمی تھی لیکن وہ اس درد کو اکیلے ہی سہنے پر مجبور تھی۔

(باقی اگلے ماہ)

"ہائے اللہ! اف روزے وہ بھی اتنی گرمی میں، ہمارا تو دم نکل جائے گا، اماں! کچھ تو خیال کریں، کیوں ہماری نازک سی جان کو راہی ملک عدم کرنا چاہتی ہیں آپ، ابھی ہماری عمر ہی کیا ہے؟ ہماری عمر کی لڑکیاں بالیاں تو ابھی گڑیوں سے کھیلتی اور چڑی روزہ رکھتی پھر رہی ہیں اور آپ ہیں کہ ہمیں پورا اصلی والا روزہ رکھنے کے لئے مجبور کر رہی ہیں۔"

ہماری تیزی سے چلتی زبان کو بریک اماں کے ہاتھ میں جوتی دیکھ کر لگے ہم اپنا بیان بھول بھال لمبی چھلانگ لگا کر برآمدے کے گول ستون کے پیچھے جا کھڑے ہوئے مگر اماں بھی ہماری ہی اماں تھیں اپنے نام کی ایک ہی، ایسا تاک کر نشانہ لگایا کہ کیا ہی کوئی ماہر نشانہ باز لگاتا ہوگا۔

ہم اپنے "پھد کنے" کی وجہ سے بچ تو گئے مگر اماں کی جوتی ہمارے کندھے کا ذرا سا احوال پوچھ ہی گئی۔

"اوئی اماں!" ہم نے فلک شگاف چیخ ماری، اماں نے دہل کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھا، اس "دہلنے" میں وہ بمشکل تخت سے گرتے گرتے بچیں، خود کو سنبھال کر انہوں نے ایک کینہ تو نظر ہم پر ڈالی، مگر ہم آنکھیں میچ کر بھاں بھاں رو رہے تھے، یہ مت سمجھیئے گا کہ ہمیں بہت چوٹ آئی تھی یا یہ کہ ہم واقعی کوئی "نازک" ٹائپ کی لڑکی تھے کہ ایک ذرا سی جوتی برداشت نہ کر سکے بلکہ بات تھی کہ ہم نے سامنے والے کمرے میں ابا جان کو دیکھ لیا تھا، آپ سمجھ ہی گئے ہونگے کہ ہم اپنے ابا کے لاڈلے ہیں۔

سو جی ہماری چال کامیاب ہوئی اور ابا جی نے آتے ہی اماں کو سنا ڈالا۔

"کبھی تو گھر میں سکون رہنے دیا کرو، جب دیکھو بے چاری ماہم کے پیچھے پڑی رہتی ہو، ایک ہی بچی ہے وہ بھی تمہاری آنکھوں میں کھٹکتی ہے۔"

لو جی دل خوش کر دیا ابا جی نے ہمارا، وہ اماں کو لتاڑ کر ہمارے پاس آ گئے، اماں بے چاری منہ ہی منہ میں جانے کیا بدبداتی رہیں۔

"اوہو، ماہم بیٹا! اب منہ تو بند کرو، مکھیاں گھس جائیں گی، اچھا ادھر دیکھو میری طرف، آج میں تمہارے لئے آئس کریم لانے کا سوچ رہا تھا، بھلا بتاؤ کہ کونسا فلیور لاؤں؟" ہم رونا دھونا بلکہ ایکٹنگ بھول بھال کر جلدی سے بولے۔

"چاکلیٹ یا ونیلا، اسٹرابری مت لائیگا ہمیں پسند نہیں۔" ابا جی مسکراتے ہوئے کھڑے ہو گئے، ہم نے بھی ان کی تقلید کی اسی وقت ہماری کم بخت نگاہ اماں سے جا ملی وہ گھور کر تنبیہ کرتی ہوئی نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہی تھیں، ہم نے فوراً سے بیشتر دوپٹہ ٹھیک سے اوڑھا اور ایک بار پھر ابا جی کے پیچھے لپکے۔

"ابا جی!" وہ رک کر ہمیں دیکھنے لگے، ہم نے زمانے بھر کی بے چارگی جمع معصومیت چہرے پر طاری کی پھر مریل سی آواز میں ابا جی سے کہا۔

"وہ اماں کہہ رہی ہیں کہ کل سے ہم بھی روزہ رکھیں، ابا جی آپ کو تو یہ ہماری صحت کا پہلے بھی سے علم ہے تو ہم نے سوچا کہ آپ ہمیں کوئی طاقت کی گولیاں، کورامین کی بوتل یا انرجی کے ٹیکے وغیرہ لا دیں تا کہ ہم بھی روزہ رکھ سکیں، ورنہ اماں تو مار مار کر ہمارا بھرکس نکال دیں گی۔"

آخر میں ہم نے زبردستی آواز کو گلوگیر بناتے کے لئے منہ بھی بھینچ لیا اور کم بخت ہماری زبان ہی ایک دانت تلے آ گئی، بس چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی تھی، مگر موقع ایسا نہ تھا سو جان ناتوان کو یہ صدمہ چپ چاپ برداشت کرنا پڑا، ایک بار تو بے چارے ابا جی بھی خاموش کھڑے رہ گئے، پھر

ہماری آنسو بھری آنکھوں کو دیکھ کر ان کا دل پسیج گیا، بولے۔

"ماہم بیٹا! اب آپ فرسٹ ائیر میں آ گئی ہیں، روزہ تو بارہ تیرہ سال کی عمر میں فرض ہو جاتا ہے، اگر آپ ہمت کریں تو روزہ رکھنا کوئی خاص مشکل نہیں ہے، بس خود ہی اللہ تعالیٰ صبر دے دیتا ہے، ویسے میں تمہاری ماں کو سمجھا دوں گا وہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گی، کل تم میرے ساتھ سحری کرنا، پھر دیکھنا پتہ بھی نہیں چلے گا، دن گزرنے کا۔"

ہم نے اپنی چال کے ناکام ہو جانے پر آٹھ آٹھ آنسو بہائے ابا جی جا چکے تھے، ہم وہیں فرش پہ بیٹھ گئے، ہمیں رہ رہ کر ابا جی پہ غصہ آ رہا تھا کیسے کہہ رہے تھے دن گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلے گا جیسے یہ سحری ان کے ساتھ کھاتے ہی کلاک شام کے سات بجا دے گا کہ لو جی ماہم بی بی تم تو روزہ افطار کر لو، باقی کریں یا نہ کریں۔

☆☆☆

ہماری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا، یعنی کل ہر صورت روزہ رکھنا پڑے گا "اُف" ہم نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا، یعنی اس کا مطلب تھا صبح ساڑھے تین سے شام سوا سات تک ہمیں اپنا منہ بند رکھنا پڑے گا، نہ پانی، نہ کوئی فروٹ، نہ ہماری الماری میں چھپایا گیا نمکو، چپس اور بسکٹس پر مشتمل خزانہ، نہ چائے اور نہ ہی پکوڑے، رول یا شامی کباب وغیرہ، یعنی ہم سارا دن رزق نظروں کے سامنے ہونے کے باوجود بھوکے رہیں گے۔

یہ ہی بات ہماری برداشت سے باہر تھی، ایسے ہی پچھلے سال ایک دو بار اِدھر اُدھر سے کسی سے بیان سن کر ہمارا دل خوف خدا سے کانپ اٹھا، ہم نے سوچا جب دس دس سال کے بچے روزہ رکھ رہے ہیں تو ہم تو پھر بڑے ہیں ہمیں بھی روزہ رکھنا چاہیے۔

لو جی ہم نے صبح اٹھ کر سب کو حیران بلکہ کچھ کو تو پریشان کر دیا، بڑے بھیا نے پراٹھے کا لقمہ واپس پلیٹ میں رکھ دیا۔

"آج چمگادڑ صبح میں کیسے نظر آ رہے ہیں؟"

ہمیں چمگادڑوں سے خوف آیا کرتا تھا اور بھائی غصے میں ہمیں ہی چمگادڑ قرار دے دیتے تھے، ہم نے پاؤں پٹخے۔

"ہم چمگادڑ نہیں ہیں، اور یہ صبح نہیں رات ہے۔" ہم نے ان کے علم میں اضافہ کیا وہ ہنسے۔

"ابھی دس منٹ کے بعد صبح ہونے والی ہے، پہلے کی طرح اپنے بستر میں جائیے، ورنہ روزہ رکھنا پڑ جائے گا آپ کو۔" ہم نے ارادہ تو کیا تھا کسی کو بتائیں گے بھی نہیں مگر برا ہو اس شیخی باز طبیعت کا ہم نے اکڑ کر کہا۔

"ہم روزہ رکھنے ہی آئے ہیں، آپ اگر ایکسکیوز کریں تو ہم سحری کر لیں؟"

"اوئے ہوئے۔" چاروں بھائیوں کا مشترکہ نعرہ بلند ہوا، ابا جی نے انہیں گھور کر دیکھا مگر منہ چونکہ خالی نہ تھا سو ڈانٹ نہ سکے، اماں نے جلدی سے ہمارے سامنے بھی پراٹھا رکھ دیا، وہ خوش نظر آ رہی تھیں، ہم نے ڈٹ کر سحری کھائی پھر چائے پی کر ہم میز سے اٹھ کر سیدھے اپنے کمرے کی طرف گئے، اماں نے پیچھے سے آواز دی۔

"ماہم! اگر روزہ رکھ کر نماز نہیں پڑھنی تو منہ باندھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، فجر پڑھ لو پھر سو جانا۔"

مگر ہم اتنا کچھ پیٹ میں ٹھونس چکے تھے کہ اب نیند سے تقریباً جھوم رہے تھے، سو نئی ان سنی کر کے اپنے بستر پر جا پڑے پھر جو سوئے تو

دوپہر کی ہی خبر لائے۔

اٹھ کر دیکھا کمرہ خالی تھا اور حلق مارے پیاس کے خشک، ہم سیدھے کچن میں پہنچے، وہاں اماں بھی نہیں تھیں، ہم نے فریج کھولا اور بوتل کو منہ لگالیا، جب کافی پانی پی چکے تو ہمیں یاد آیا کہ ہم تو روزے سے تھے، اسی وقت اماں کچن میں آ گئیں۔

''ارے، تم تو روزے سے ہو پانی کیوں پی رہی ہو؟'' ہم نے ایک لمحے کے لئے بوتل ہٹائی پھر سوچا روزہ تو ٹوٹ ہی گیا کیوں نہ پیاس بجھائی جائے، اماں بے چاری چلاتی ہی رہ گئیں کہ بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا مگر ہم نے صاف کہہ دیا۔

''بھئی جب روزہ ٹوٹ گیا ہے تو اب دوبارہ جڑنے سے تو رہا۔''

اماں بے چاری سارا دن استغفار پڑھتی رہیں کیونکہ روزہ ٹوٹنے کے بعد بھی کچھ کھانا پینا منع تھا ان کے خیال میں مگر ہم مان کر نہ دیئے، افطاری پر سب بھائیوں نے ہمارا خوف مذاق اڑایا، اس کے بعد ہم نے روزہ رکھنے سے ''توبہ'' کرلی، لیکن اس سال اماں ہماری شامت بلوانے والی تھیں، اس بار تو ابا کی دبی دبی ہی سہی وہ بھی حمائیت ہمیں حاصل نہ تھی۔

☆☆☆

صبح صبح بلکہ آدھی رات کو اماں ہمارے سر پر سوار ہوگئیں، وہ ہمارے سر پر نہیں چڑھی تھیں بلکہ ہمیں نیند کے گھوڑے سے نیچے اتار رہی تھیں، ہمیں کسی طرح بھی اٹھتا نہ پا کر انہوں نے پانی سے بھرا گلاس ہمارے منہ پر الٹ دیا، ہم بڑبڑا کر اٹھے، سحری کا وقت ختم ہونے میں آدھ گھنٹہ رہ گیا تھا، ہم جلدی سے اٹھ کر واش روم میں گھس گئے، اماں لوٹ گئیں، واش روم سے نکل کر ہم نے ایک نظر خالی کمرے کو دیکھا اور پھر سے بستر میں گھس گئے اماں نے خود ہی سحری کرنی تھی وہ دوبارہ نہ آسکیں یوں ہم نے روزہ رکھنے سے خود کو بچالیا۔

بس پھر ہم شیر ہوگئے، کبھی کچھ تو کبھی کچھ ہم روزہ نہ رکھنے کا کوئی نہ کوئی بندوبست کر ہی لیتے، اب تو ابا نے بھی ہمیں تنبیہ کرڈالی تھی۔

''ماہم بیٹا! یہ بات ٹھیک نہیں ہے، آپ پر روزے فرض ہیں مگر آپ جان بوجھ کر انہیں قضا کررہی ہیں۔''

یہ سن کر اماں شیر ہوگئیں، ابا جی کے جاتے ہی انہوں نے ہمیں اپنے حضور طلب کرلیا، ہم جل تو جلال تو کا ورد کرتے دست بستہ جا کھڑے ہوئے، اماں کے منہ سے نکلنے والے بیان کو سن کر ہمیں لگا صدمے سے ان کا دماغ چل گیا ہے، ہم نے دل ہی دل میں ان پر ترس بھی کھالیا۔

''اف، چچ چچ بے چاری اماں، صدمے سے کیا اول فول بولے جارہی ہیں۔''

ہمیں پاگل مت سمجھیں اماں نے بات ہی ایسی کی تھی، انہوں نے فرمایا تھا۔

''ماہم آج کے بعد تم کوئی روزہ نہیں رکھو گی، واقعی تم اس قابل نہیں ہو کہ روزہ رکھ سکو۔'' لیکن ان کی اگلی بات سن کر ہم صدمے سے پاگل ہوکر اول فول بولنے لگے، جی ہاں انہوں نے کہا تھا۔

''صبح تمہارے لئے عید کی تیاری کے رکھے گئے تمام روپے میں شنو کی بیٹی کو دے دوں گی کیونکہ وہ پورے روزے رکھ رہی ہے اور عید روزہ داروں کی ہوتی ہے روزہ خوروں کی نہیں چونکہ تم روزہ نہیں رکھ سکتیں تو عید منانے کا کیا سوال اور ہاں عید کے دن تم پچھلے سٹور میں بند رہو گی عید کی نعمتیں صرف روزہ داروں کے لئے ہیں۔''

ہماری آنکھوں میں عید کے ڈھیروں پکوان لب شیریں سمیت پھر گئے۔

''ہائے...... اوف...... اللہ، اماں آپ...... مم میرا مطلب ہے کہ آپ کس طرح کی باتیں کر رہی ہیں، اب آپ میرے ساتھ ایسا تو مت کریں۔''

مگر اماں نے بے نیازی سے رخ پھیرلیا، ہماری آنکھوں کے سامنے اندھیرے کیا بلیک ہول پھر گئے، اس بار تو ہم نے اپنے عید کے کپڑوں کے لئے بڑی محنت سے ڈیزائن سلیکٹ کیا تھا کئی دوستوں میں شیخی بھی مار لی تھی، اب کیا ہوگا، شام تک سوچ سوچ کر ہمارا دماغ پلپلا ہو گیا، اماں سے مذاکرات کے کئی سیشن کرنے کی کوشش کی مگر اماں تو روٹھی محبوبہ بنی ہوئی تھیں، پٹھے پر ہاتھ نہ دھرنے دے رہی تھیں۔

سو رخش عقل دوڑا کر ہم نے سارے امکانات اور مصائب کا جائزہ لے ڈالا، رات تک نتیجہ نکل چکا تھا طوعاً نہیں تو کرہاً ہمیں روزے رکھنا ہی تھے، ہم نے کہا تھا نا کہ اماں بھی ہماری اماں تھیں، انہوں نے ہمارا علاج ایسا کیا تھا کہ ہم چوں بھی نہ کر سکے۔

☆☆☆

اگلی صبح ہم ادھ گھنٹہ قبل ہی اتری ہوئی شکل کے ساتھ میز پر موجود تھے بھائیوں نے ایک مرتبہ پھر کھنکار کر ایک دوسرے کو ہماری طرف متوجہ کیا، مگر ہم نے سب کو نظر انداز کر کے دعا پڑھی اور سحری شروع کردی، بڑے بھیا کو مصنوعی کھانسی کا دورہ پڑ گیا، اماں نے ہماری زندگی میں پہلی مرتبہ بڑے بھیا کو جھڑکا۔

''آرام سے سحری کرو، وقت کم ہے، یہ لو ماہم چائے۔''

ہمیں کچھ اپنا آپ کچھ معتبر سا لگا، ہم نے پوری نیت سے روزہ رکھ لیا، اماں ہماری پیاری اماں، سارا دن ہمارا دل بہلاتی رہیں، کچھ بے چینی سی تو ہوئی مگر جان لبوں پر نہیں آئی اور افطاری کا وقت ہوگیا، ہم نے حیرت سے مغرب کی اذان سنی۔

''واقعی ہم نے روزہ پورا کرلیا؟''

یقیناً یہ خود کلامی کچھ بلند آواز میں ہوگئی تھی جبھی تو منجھلے بھیا نے کہا۔

''جی ہاں میری پیاری بہنا آپ کا روزہ پورا ہوگیا ہے اور اسی خوشی میں یہ گفٹ میری طرف سے۔''

ہم نے ہکا بکا ہو کر گفٹ تھام لیا، اماں کے کہنے پر سب روزہ کھولنے میں مشغول ہوگئے، اس کے بعد باری باری سب نے ہمیں گفٹ تھما دیئے، ہم اللہ کی مہربانی پر سرشار ہوئے جارہے تھے اور دل میں عہد کرلیا تھا آئندہ ہم سارے روزے رکھیں گے، یہ مت سمجھئے کہ یہ گفٹس کا لالچ تھا، نہیں بلکہ روزہ کھولتے ہوئے جو لذت محسوس ہوئی وہ سارا دن کھاتے رہنے میں کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی، سو ہمارا دل اس لذت کو بار بار محسوس کرنا چاہتا ہے، آپ دعا کریں ہم خالص اللہ کی رضا کے لئے باقی روزے رکھ سکیں، ارے ہاں یہ تو بتانا بھول ہی گئے کہ عید کا سارا سامان تو ابھی سے جمع ہوگیا ہے، یقیناً یہ عید بڑی رنگین ہوگی۔
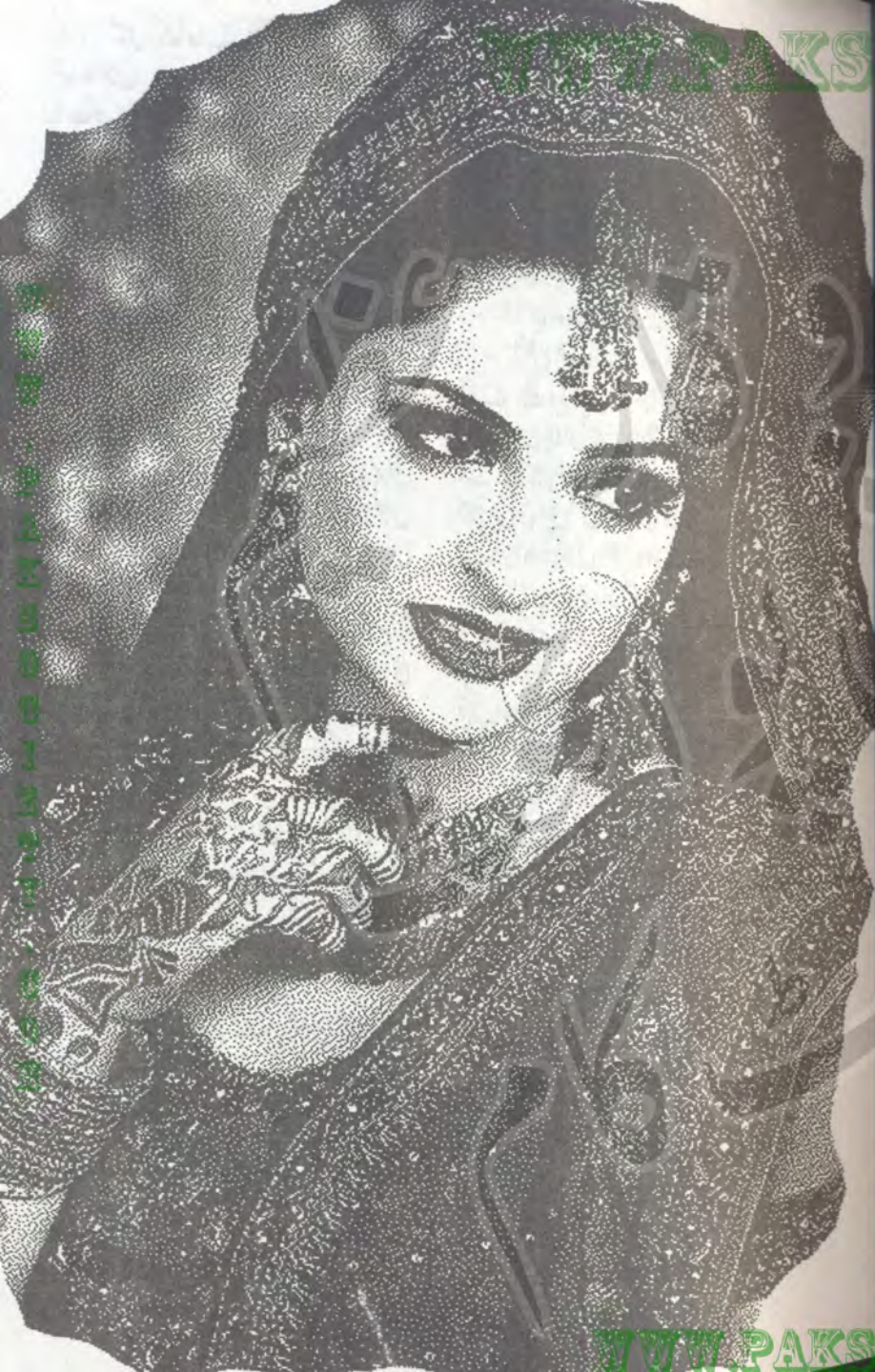
رمشا احمد

''طہور کہاں ہے بھئی؟'' اس نے فائل ٹیبل پر پٹختے ہوئے پوچھا۔

''لائبریری کا کیڑا وہیں مل سکتا ہے آج تو الوینہ بھی نظر نہیں آئی پتا نہیں آئی ہے یا نہیں۔'' امامہ نے اپنا بیگ اٹھا کر کرسی خالی کرتے ہوئے کہا۔

''اس وقت تو سب کو یہاں ہونا چاہیے تھا۔'' الینہ نے اپنے اردگرد کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''طہور کو تو باقاعدہ لانا پڑے گا جاؤ تم اسے بلا لاؤ میں اور امامہ سموسے وغیرہ پکڑتے ہیں۔''

''واہ میں اتنی دور جا کر اسے بلا کر لاؤں اور تم یہیں بیٹھی مزے سے چھوٹے کو آواز لگا کر سموسے پکڑ لو واہ بھئی بڑے عیش ہیں۔'' اس نے کلس کر کہا تو دونوں ہی مسکرا دیں۔

''کس کے عیش ہیں؟'' الوینہ نے چیئر پہ سے الینہ کا سامان اٹھا کر اس کی گود میں پھینکتے ہوئے پوچھا۔

''آج صبح سے چاند کدھر غائب تھا۔'' اس کا رخ الوینہ کی طرف ہوا۔

''کہاں غائب ہونا تھا آج میں لیٹ ہوگئی بھاگم بھاگ کلاس میں پہنچی، تم جانتی ہو ٹیچر ذکیہ لیٹ آنے والوں کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہیں بس سمجھ لو آج ہر کلاس میں بے عزتی بھگتائی ہے۔'' وہ تھکی تھکی سی تھی۔

''او یعنی آج اچھا خاصا ہیوی ناشتہ کیا ہے اب تو کچھ کھانے کی طلب نہیں ہوگی۔'' طہور بھی چلی آئی تھی۔

مکمل ناول

''نہیں کچھ کھانے کی طلب تو نہیں البتہ تمہارا خون پینے کی طلب ضرور ہے، ذلیل لڑکی رات کو ریسیور کان سے لگائے کھڑی رہی بعد میں تمہارا بھائی آیا مجھے بولنے کا موقع دیئے بغیر ایسی باتیں سنائیں کہ قسم سے میرا جی چاہا میں تمہارا سر ہی پھوڑ دوں۔'' وہ یاد آنے پر طیش میں آ گئی۔

''لائبہ آپی اور سدید آ گئے تھے لان میں میرے ذہن سے نکل گیا تم اتنی بے وقوف ہو فون بند کر دیتی۔''

''اچھا لائبہ آپی آئی تھیں، انہوں نے رہنے آنا تھا ناں۔'' الینہ نے پوچھا۔

''ہاں رہنے ہی آئی ہیں وہ بھی سدید بھائی زبردستی اٹھا لائے ورنہ ابھی بھی ان کا موڈ نہیں تھا، سدید بھائی پرسوں جا رہے ہیں ناں اس لئے۔''

''اتنی جلدی کل تو آئے تھے؟'' الینہ طہور کی کزن تھی اور دوست بھی اکلوتی تھی اس کی مدر سکول ٹیچر تھی والد اور والدہ دونوں ہی تقریباً سارا دن مصروف رہتے تو وہ طہور کے گھر آ جاتی اس لئے اس کے گھر کی ہر بات سے واقف تھی۔

''ہم کیا کہہ سکتے ہیں تائی جان تو ابھی تک ان سے خفا ہیں خیر وہ تو منا ہی لے گئیں وہ بھی کیا کرے ان کا فرض انہیں کہیں ٹکنے ہی نہیں دیتا ' ب ان کی ٹرانسفر پنڈی بھٹیاں ہو گئی ہے۔'' وہ سموسہ اٹھاتے ہوئے بتا رہی تھی۔

''کیا ہوا زینی تم کچھ پریشان لگ رہی ہو؟'' اس کا رخ فوراً الوینہ کی طرف ہوا، وہ چونک سی گئی پھر پھیکی ہنسی ہنس دی۔

''تم اپنی آنکھوں سے ایکسرے مشین نکلواؤ یار قسم سے ہم سب تو پھنس ہی جاتے ہیں۔'' امامہ نے کہا تو وہ ہنس دی۔

''جو چیز بلا معاوضہ اللہ کی مہربانی سے مجھ میں موجود ہے اسے میں کیسے نکال پھینکوں؟ ویسے اچھے دوستوں میں کوئی بات چھپانی نہیں چاہیے۔''

''کل میرے بیگ سے پانچ سو روپے نکل گئے۔'' اس نے بتایا الینہ نے ہنسی روکنے کی لئے منہ میں سموسہ ٹھونسا لیکن اسے اچھو سے نبرد آزما ہونا پڑا جبکہ طہور خوامخواہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی تھی۔

''کیا ہوا؟'' اس نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔

''کل طہور نے جو فنڈ باکس میں پیسے ڈالے تھے وہ دراصل تمہارے ہی نکالے تھے، لیکن تمہیں پتا ہی نہیں چلا تو ہم خاموش ہو گئے۔'' الینہ نے بتایا الوینہ نے قہر برساتی نظریں اس پر گاڑیں وہ اپنی ہنسی کنٹرول کر رہی تھی جس کی وجہ سے اس کا منہ لال انگارہ ہو رہا تھا۔

''میں سوچ رہی تھی تم نے حاتم طائی کی قبر پر لات کیسے ماری اب پتا چلا...... طہور تم سدھر جاؤ۔'' اس نے ڈپٹا، اب کی بار حلق میں سے قہقہہ ابلا وہ تینوں بھی ہنس دیں۔

''اب ہنس کیوں رہی ہو؟''

''دراصل ان کے بیگوں میں بھی جتنے پیسے تھے وہ بھی نکال کر اس میں ڈال دیئے۔'' تینوں کے کھلکھلاتے چہرے مرجھائے، اگلے پل اپنی اپنی فائل اٹھا کر اس کے سر پر ماری وہ ہائے ہائے کرتی اٹھ بھاگی اور وہ تینوں اس کے پیچھے تھیں۔

''میں تم لوگوں سے مشورہ لینا چاہتی ہوں۔'' کچھ دیر بعد سب تھک ہار کر اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھیں تو الوینہ نے اپنے ناخنوں سے فائل کو کھرچتے ہوئے کہا۔

''ہاں بھئی ضرور آخر ہم بیٹھے کیوں ہیں؟'' امامہ نے اکڑ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''عامر آج کل ملنے پر اصرار کر رہا ہے مجھے سمجھ نہیں آ رہی کیسے جاؤں؟''

''واٹ تم اس گھٹیا شخص سے ملنے جاؤ گی؟'' طہور بے اختیار چلا اٹھی۔

''وہ بضد ہے میں نے اسے ہزار بہانوں سے ٹالا ہے لیکن وہ دھمکی دینے پر اتر آیا ہے کہ اگر میں اس کے ساتھ نہ گئی تو وہ میرے لیٹرز وغیرہ بھائی کو دے گا۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''بھگتو اب ہم سمجھاتے تھے ناں کہ ان حرکتوں میں مت پڑو، گلی محلوں کا عشق یونہی رسوا کرتا ہے اب تم کیا مشورہ چاہتی ہو بی بی ہم تمہارے دل کے ہاتھوں مجبور نہیں میں تو یہی کہوں گی اس کے ساتھ جانے کی غلطی کبھی نہ کرنا آگے تمہاری مرضی۔'' اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔

''تم کس لہجے میں بات کر رہی ہو اور میں اس سے محبت کرتی ہوں کوئی گناہ نہیں کیا؟'' وہ غصے میں آ گئی۔

''اچھا وہ بھی محبت کرتا ہے؟'' طہور نے پوچھا، باقی سب خاموش تھیں ان کے دل میں موجود ہر خیال کی ترجمانی طہور جو کر رہی تھی۔

''ہاں اس سے جتنی محبت مجھے ملی ہے اتنی تو میرے گھر والوں نے بھی نہیں دی۔''

''غلط وہ تم سے اتنی محبت کر ہی نہیں سکتا، ماں باپ، بہن بھائی جتنی محبت ہم سے کرتے ہیں۔'' وہ بات کاٹ کر بولی۔

''اچھا پھر یہ کیسی محبت ہے جو ہمیں بوجھ سمجھتی ہے۔''

''بس کرو الینہ، ایسی باتیں تم کسی انجان سے کرنا جو تمہارے گھر والوں سے یکسر لاعلم ہو، کیا ہم نہیں جانتیں تمہارے پیرنٹس تم سے کتنا پیار کرتے ہیں، کیسے تمہیں ہاتھوں کا چھالہ بنا کر رکھے ہوئے ہیں اور تمہارے بھائی منہ میں سے بات بعد میں نکلتی ہیں اور وہ فوراً پوری کر دیتے ہیں، بہنوں کا پیار کیسے تمہارا احصار کیے رہتا ہے، ہاں چھوٹی چھوٹی باتوں پر ان بن تو گھر میں ہوتی ہے اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ محبت نہیں کرتے، وینی پلیز اپنی نظروں سے بدگمانی کی عینک اتارو تمہارے گھر والے تمہیں بہت چاہتے ہیں، وہ عامر صرف تمہیں برباد کر رہا ہے اپنے کومل جذبوں کو برباد مت کرو، اس کے جھانسے میں مت آؤ۔'' اسے غصہ ہی تو آ گیا تھا۔

''تم اپنے کام سے کام رکھو مجھے عامر سے بہت محبت ہے اگر اس کے لئے مجھے برباد ہونا پڑا تو ہو جاؤں گی لیکن مجھے، وہ مجھ سے فلرٹ نہیں کر رہا بلکہ محبت کرتا ہے سچی اور بے غرض محبت۔'' کچھ دیر پہلے اس نے خود ہی دھمکی کا بتایا تھا لیکن جب انہوں نے سمجھانا چاہا تو اکڑ گئی وہ تینوں دور ہوتی الوینہ کو دیکھتی رہیں۔

''میرا خیال ہے اس معاملے کو ہمیں یوں غصے سے نہیں لینا چاہیے کچھ عقلمندی کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور میرا خیال ہے عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اس سے لڑے بغیر اسے سمجھائے بغیر غلط راستوں پر جانے سے روکیں۔'' الینہ نے متفکرانہ انداز میں کہا۔

''اچھا وہ بھلا کیونکر ممکن ہے۔'' امامہ نے طنز کیا جسے وہ خوش اسلوبی سے پی گئی۔

''ہم لوگ کم از کم اس کے جانے کے دن سے واقف تو جائیں گے یا پھر ہم ہی کوئی ایسا پلان بنائیں جس میں وہ ہمارے ساتھ ہی اس عامر گھٹیا سے ملنے جائے کم از کم وہ کوئی غلط حرکت تو نہ کر سکے گا۔''

''بالکل وہ گڑھے میں چھلانگ لگانے جائے اور ہم اسے دھکا دیں واہ خوب۔''

''نہیں امامہ، الینہ ٹھیک کہہ رہی ہے دیکھو اگر ہم اس کا ساتھ نہیں دیں گے تب بھی وہ ضرور جائے گی اس نے جو سوچ لیا ہے وہ کر کے رہے

گی بحیثیت دوست ہمیں اس کا ساتھ دینا پڑے گا، اسے گڑھے میں گرنے سے بچانے کے لئے خود اسے تھام کر گڑھے میں اتارنا پڑے گا۔'' وہ الینہ کی لاجک سمجھ گئی تھی۔

''میرا خیال ہے تم دونوں پاگل ہو گئی ہو ہم جس طبقے سے بی لونگ کرتے ہیں وہاں کالج بنک کر کے کہیں جانا کسی گناہ سے کم نہیں۔'' امامہ ان کی باتوں سے مطمئن نہیں تھی۔

''فی الحال تو پیریڈ اسٹارٹ ہو چکا ہے میں فون پر ونی سے بات کروں گی تم سوچنا شاید کچھ پلے پڑ ہی جائے۔'' وہ بیل سن کر اٹھ گئی تو وہ تینوں بھی اٹھ گئی تھیں۔

رات کو اس نے فون کر کے بمشکل اسے منایا، اس نے بھی ہزار نخرے کیے پھر مان گی۔

''اوکے بابا آئندہ تمہارے عامر کو کچھ نہیں کہوں گی وہ تمہارا سچا۔'' سدید کے آنے پر وہ فقرہ ادھورا چھوڑا۔

''تم یوں کرنا گھر میں بتا دینا کہ ہم کالج کے بعد انارکلی جائیں گے مجھے بھی کچھ چیزیں لینی ہیں وہاں چارٹ والی دوکان پر بھی ضرور جائیں گے میں تو چارٹ ضرور کھاؤں گی اور ہاں تم اپنی دوست کو بتا دینا کل اوکے۔'' اس نے کوڈ ورڈ میں پلان بنایا اسے سمجھ آ گئی تھی فون بند کر کے پلٹی تو سدید اس کے نوٹس پکڑے پڑھ رہا تھا۔

''اوں بھئی کیسی پڑھائی چل رہی ہے؟''

اسے فارغ دیکھ کر پوچھا۔

''پڑھائی چلتی نہیں دوڑتی ہے اور ساتھ ہم مسکینوں کو بھی دوڑاتی ہے۔'' وہ تھکے تھکے انداز میں بولی۔

''مجھے تو لگتا ہے تم اپنی دوستوں میں زیادہ مصروف ہو۔'' وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

''اب آپ یہ الزام مت لگایئے گا کہ میں پڑھتی کم ہوں، دوستوں سے گپ شپ زیادہ کرتی ہوں۔'' وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

''کل انارکلی کیا لینے جا رہی ہو؟''

''آج آپ کچھ زیادہ تفتیش نہیں کر رہے؟'' ناراضگی سے پوچھا۔

''نہیں ایسا تو کچھ نہیں تمہیں ایسا لگ رہا ہے۔'' وہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''آپ کوئی خاص بات کرنے آئے ہیں؟'' اسے خود سے الجھتا دیکھ کر بے اختیار پوچھا وہ سانس کھینچ کر مسکرا دیا۔

''تم کچھ عقلمند نہیں ہوتی جا رہی؟''۔

''جناب میں شروع ہی سے عقلمند ہوں یہ الگ بات ہے کہ آپ نے آج سمجھا ہے ویسے بھی بے وقوفوں کو سب ہی بے وقوف لگتے ہیں اور عقلمندوں کو سب عقلمند، ایکچوئیلی میں آپ کو ہمیشہ ہی عقلمند سمجھتی رہی ہوں۔'' شوخ لہجے میں اسے بے وقوف اور خود کو عقلمند بنا کر مسکرانے لگی وہ بھی مسکرا دیئے۔

''سنو اگر تمہیں اس بے وقوف کے ساتھ ساری زندگی رہنا پڑے تو؟'' وہ بے اختیار پوچھ بیٹھا۔

''لیجیے اتنے عرصے سے جھیل تو رہی ہوں، باقی بھی جھیل لوں گی۔'' وہ فقرے اور لہجے کی گہرائی میں جائے بغیر بولی۔

''یعنی میں نیچے جا کر کہہ دوں تم مجھ سے شادی کے لئے تیار ہو؟'' طہور جھٹکے سے مڑی، سدید کی آنکھوں میں چمکتے تارے، لبوں پہ کھلتی مسکراہٹ اور چہرے پر کھلتے ہزار رنگ وہ بے اختیار نظریں جھکا گئی۔

''لائبہ آپی اور امی، چچی جان کو گھیرے بیٹھی ہیں تو میں نے سوچا میں تم سے عندیہ لے لوں، سنو طہور اگر تمہیں انکار ہوا تو بتا دینا میں زبردستی کا

قائل نہیں ہوں، ہاں یہ الگ بات ہے کہ تمہارے انکار سے مجھے دکھ ہو گا، کیونکہ امی کی آنکھوں کا خواب میری آنکھوں میں بھی بس گیا اور تم جانتی ہو گی کہ سب خواب ٹوٹیں تو کتنی اذیت دیتے ہیں، میں جانتا ہوں تمہیں میری بہت سی عادتیں بری لگتی ہیں پھر بھی نجانے کیوں میرا دل یہ چاہ رہا ہے کہ تم میرے ہاتھ میں اقرار کا جگنو پکڑا دو۔''

''سدید قطع کلامی کی معافی چاہتی ہوں، جب بڑوں کے درمیان بات ہو رہی ہے تو اسے ان کے درمیان ہی رہنے دیں پلیز اب آپ جایئے مجھے اپنے اسائنمنٹ مکمل کرنے ہیں۔'' اس کا لہجہ اطمینان سے بھرپور تھا وہ جانتی تھی کہ اس کی امی اس سے رائے ضرور لیں گی، آخری فیصلہ تو اسے ہی کرنا ہے پھر وہ کیوں جلد بازی سے کام لے۔

طہور کے والد جدہ میں جاب کرتے تھے، اس کی اپنی امی سے بہت دوستی نہ تھی بہن نے ہونے کی وجہ سے وہ دونوں آپس میں دوستوں کی طرح ہی رہتی تھیں، اس کے دونوں بھائی اس سے چھوٹے تھے، اس سے چھوٹا عمیر آئر لینڈ اسٹڈی کے لئے زیر رہائش تھا اس سے چھوٹا او لیول کا اسٹوڈنٹ سارا دن کتابوں میں ہی گھسا نظر آتا۔

ان کا دس مرلے پر پھیلا گھر جتنا باہر سے خوبصورت تھا اتنا ہی اندر موجود لوگوں نے اسے خوبصورت بنا رکھا تھا۔

سدید کے والد اس کے بچپن میں ہی فوت ہو گئے، اس کے چچا یعنی طہور کے والد نے لائبہ اور سدید کو باپ کا مان دیا، طہور کی والدہ اور اس کی تائی میں بڑی محبت تھی، بچوں میں بھی آپس میں بہت پیار تھا، لائبہ آپی کی شادی ان کے میٹرک کرتے ہی ان کے ماموں زاد سے ہو گئی تھی وہ اپنے گھر اپنے دو بچوں کے ساتھ بہت خوش باش زندگی گزار رہی تھی، سدید نے اپنے والد کی خواہش کے مدنظر آرمی جوائن کی اور آج وہ کیپٹن کی پوسٹ پر تھا، طہور کی اور اس کی کافی لڑائیاں ہوتیں، وہ گن گن کر اسے اس کی برائیاں بتاتی لیکن اس کی بہت سی باتوں کی قدر بھی کرتی تھی۔

رات وہ لیٹی غیر مرئی نقطے پر نظریں گاڑھے ہوئے تھیں۔

''کیا بات ہے آج بہت خاموش ہو؟'' ممی کے پوچھنے پر اس نے پلکیں جھپکیں وہ اپنے کمرے میں سونے کی بجائے ان کے ساتھ ہی سوتی تھی۔

''پتا ہے بنو آج کیا اہم بات ہوئی؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

☆☆☆

''تمہاری تائی جان نے تمہارے اور سدید کے رشتے کی بات کی ہے، واہ بھئی میرے بٹی تو بھاگ ہی بھاگ گئے ایک کیپٹن کا رشتہ اور وہ بھی سدید حبیب ڈیشنگ اسمارٹ، لیکن تم بتاؤ کیا تم اس رشتے سے خوش ہو۔''

''ممی آپ اور پاپا خوش ہیں؟'' اس نے سوال کیا۔

''ہاں ہماری تو یہ شروع ہی سے خواہش تھی لیکن خود اس لئے نہیں کہا کہ بھابھی یہ نہ سوچ لیں کہ ہم ان سے اپنے احسانوں کا صلہ مانگ رہے ہیں، سدید جیسا شخص اگر ہماری بیٹی کا مقدر بنتا ہے تو ہمارے لئے اس سے زیادہ خوشی کی بات کیا ہو گی لیکن بیٹا ہم تمہاری خواہش کو بھی اہمیت دیں گے۔''

''جو میرے ماں باپ کا فیصلہ ہی وہی میرا فیصلہ ہے ممی آپ جانتی ہیں مجھے ان باتوں سے

کوئی دلچسپی نہیں ہے، میں نے ہمیشہ یہی سوچا ہے کہ جو میری قسمت میں رقم ہے وہی مجھے ملے گا۔"
اس کے جواب پر وہ ہلکی پھلکی ہو گئی۔

"پھر تم ٹینس کیوں ہو؟" اس نے مدہم لہجے میں عامر اور الوینہ کا سارا قصہ کہہ سنایا پھر وہ بھی جو وہ کرنے جا رہی تھی۔

"ممی بے شک میں نے یہ سوچا تھا لیکن نجانے کیوں اندر اس وقت سے بے کلی چھائی ہوئی تھی بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ میں آپ کو دھوکہ دینے لگی ہوں سوری ممی میں الوینہ کی خاطر آپ کو ہرٹ کرنے چلی تھی۔" نادم لہجے میں کہتی انہیں اتنی پیاری لگی کہ بے اختیار گلے لگا لیا۔

"یہی تو فخر ہے جو میرا سر بلند رکھتا ہے کہ ہماری بیٹی ہمیں اتنا اہم سمجھتی ہے، میری جان میں جانتی ہوں کبھی بھی تم ہماری عزت پر انگلی نہیں اٹھنے دو گی، ہمارا اعتبار وہ اعتماد، پیار ایسی زنجیر ہے جس نے تمہیں جکڑ رکھا ہے۔" وہ بے اختیار رو پڑی۔

"ارے...... ارے یہ کیا، پہلی دفعہ تعریف سن کر کسی کو روتے دیکھا ہے اچھا تو تم کل الوینہ کو ڈیٹ پر لے کر جا رہی ہو مگر جا کہاں رہی ہو۔" ان کے چھیڑنے پر وہ مسکرا دی۔

"ممی ہم غلط تو نہیں کر رہے بس ہم یہ چاہتے ہیں کہ عامر اسے کوئی نقصان نہ پہنچائے اس لئے۔"

"اوکے میں سب سمجھ چکی ہوں پھر بھی تم خیال رکھنا، ایسے لڑکے بڑے گھاگ ہوتے ہیں وہ کبھی نہ کبھی اسے اکیلے آنے پر اکسائے گا اور وہ اتنی جذباتی ہے کہ چل بھی پڑے گی۔"

"ممی ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" اس نے پوچھا۔

"بات تو خاصی رسکی ہے لیکن اس کے علاوہ چارہ نہیں، تم اس کے بھائی کی بہت تعریف کرتی ہو کہ وہ اسے بہت چاہتا ہے تم لوگ اس سے بات کیوں نہیں کرتی۔" وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"ممی میرا انہیں خیال کوئی بھائی ایسی بات برداشت کر سکے پھر جوان بھائیوں میں غیرت کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے اگر خدانخواستہ کچھ الٹی سیدھی حرکت کر دی تو؟" خدشہ زبان پر آیا۔

"دیکھو بیٹا بچوں کی تربیت میں ماں باپ کا بہت ہاتھ ہوتا ہے بلکہ سراسر ہاتھ ہی ان کا ہوتا ہے گھر کے ماحول کو بچوں کی ذہنیت کے مطابق ڈھالنے کے لئے ماں باپ کو بہت کچھ قربان کرنا پڑتا ہے، انہیں پیار کے علاوہ اعتماد اور اعتبار کی ضرورت بھی ہوتی ہے، میرا خیال ہے الوینہ کے گھر والے ٹیپکل سوچ رکھنے والے لوگ ہیں جو بہنوں کو لفاظی تو ہر یقین دیتے ہیں لیکن انہیں دل سے یہ یقین نہیں دیتے کہیں نہ کہیں الوینہ ان کی باتوں سے ہرٹ ہوتی ہو گی اسے ان کی محبت میں کوئی کمی نظر آئی ہو گی جو اس نے باہر کی دنیا میں محبت تلاش کی ہے۔" اس نے سر ہلایا۔

"ایکچوئیلی مما وہ چار بہنیں ہیں، ان کی شادیوں کی فکر نے ماں باپ کو پریشان کر رکھا ہے، اس کی امی بیمار بھی رہتی ہیں اور آپ جانتی ہیں بیمار بندہ کتنا چڑچڑا ہو جاتا ہے، وہ ذرا سخت لہجے میں بات کرتی ہیں تو یہ مائنڈ کر جاتی ہے پھر یہ درمیان میں ہے اور آپ جانتی ہیں درمیان کے بچے اکثر اگنور ہو جاتے ہیں۔" اس نے وجہ بتائی۔

"شاید اس لئے وہ ایسی ہو گئی ہے خیر تم ضرور اس کی ہیلپ کرو لیکن جلد ہی اس کے گھر والوں کو حقیقت بتاؤ تاکہ وہ اسے سمجھا سکیں اوکے۔" انہوں نے پیار سے اس کے بال

سہلائے۔

"سدید اگلی دفعہ آئے گا تو منگنی کا فنکشن رکھ دیں گے، بھابھی تو چاہ رہی تھیں کہ وہ چھٹیاں بڑھا لے اور ابھی ہی فنکشن کر دیں مگر وہ مانا نہیں۔" کچھ دیر بعد وہ پھر بولیں۔

"آپ نے ہاں کر دی ہے؟"

"میں نے تو کہا تھا کہ میری طرف سے ہاں سمجھئے تمہارے ابو سے اور تم سے پوچھ کر بتاؤں گی۔"

"مجھ سے سدید بھائی نے بات کی تھی میں نے کہہ دیا جو فیصلہ آپ دونوں کریں گی وہ مجھے قبول ہو گا۔"

"اچھا۔" وہ ہنسی۔

"کیپٹن صاحب اتنے فاسٹ جا رہے ہیں، صبح کان کھینچوں گی۔" وہ بھی مسکرا دی۔

وہ جانتی تھی اب ممی اسے تنگ کرتی رہیں گی اس لئے منہ پر تکیہ رکھ کر سونے کی ایکٹنگ کرنے لگی۔

☆☆☆

اگلے دن وہ کالج کے بعد انارکلی آ گئی، الوینہ اسے مطلوبہ دوکان پر لے گئی، وہاں عامر صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔

"اس کی شکل دیکھتی ہوں تو دل چاہتا ہے اسے شوٹ کر دوں۔" اس نے دانت پیس کر امامہ کے کان میں کہا۔

"اور میرا جی اتنا خراب ہوتا ہے کہ جی چاہتا ہے اس کے منہ پر گھونسہ مار دوں۔" وہ بھی چڑی بیٹھی تھی جم غفیر کو دیکھ کر اس کا موڈ خراب ہو گیا، الوینہ اس کے پاس جا کر بیٹھ گئی وہ چاروں تھوڑی دور بیٹھ گئیں مگر اس طرح کے نظریں ان پر ہی تھیں۔

وہ اکھڑا اکھڑا باتیں کر رہا تھا لیکن بڑے دھیمے لہجے میں، وہ چاروں اگر کوشش کرتی بھی تو ان کی بات نہیں سن سکتی تھیں لیکن سمجھ سکتی تھیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، یقیناً وہ ان سب کے آنے پر ناراض تھا۔

"نجانے الوینہ کو اس میں کیا نظر آیا ہے نہ شکل اچھی نہ نہ سیرت، چہرے پر دیکھو کیسی پھٹکار برس رہی ہے۔" الینہ نے تبصرہ کیا۔

"ماہ نور اچھی رہی جس نے آنے سے معذرت کر لی ورنہ وہ بھی کڑتی رہتی۔" امامہ نے چارٹ کی پلیٹ پکڑتے ہوئے کہا، عامر بمشکل پندرہ منٹ ہی بیٹھا پھر اٹھ کر نیچے چلا گیا۔

"کیا ہوا؟" اس کا اترا منہ دیکھ کر الینہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں عامر ناراض ہو گیا ہے وہ کہتا ہے میں اکیلی کیوں نہیں آئی؟ تم سب کو کیوں ساتھ لائی ہوں۔" اس نے امامہ کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر......؟" الینہ نے پوچھا۔

"میں نے اسے کہا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتا تھا ناں تو میں آ گئی۔"

"تم لوگ بیٹھو میں بل پے کر کے آئی۔" امامہ یکدم اٹھی اور نیچے اتر گئی۔

"مگر وہ خوش نہیں ہے، وہ کہہ رہا تھا اس سے اچھے تو ہم فون پر بات کر لیتے ہیں۔" وہ خاصی پریشان سی تھی، الینہ نے طہور کو دیکھا۔

"لعنت ہو ایسے شخص پر۔" طہور نے دل میں سوچا۔

"تم اس سے ملنا چاہتی تھیں ناں اب مل لیا تو پھر گھر چلیں۔" طہور نجانے کیوں خود ہی ناراض ہو گئی اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں چلو۔" وہ شکستہ انداز میں کھڑی ہوئی۔

"کچھ خرید لینا مناسب ہے گھر میں ہم شاپنگ کا کہہ کر آئے ہیں۔" الینہ نے کہا تو الوینہ نے اثبات میں سر ہلایا، تینوں آگے پیچھے نیچے اتریں، الینہ، لوینہ کے ساتھ دو پٹوں کی شاپ میں گھس گئی۔

"یہ دیکھو۔" امامہ نے مٹھی کھولی جس میں کارڈ دبا ہوا تھا۔

"تم دیکھو اب اس کی میں کیسے درگت بنواتی ہوں۔" طہور نے حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔

"میں نے اس کی چند تعریفیں کیں، اسے دوستی کی آفر کی اور اس نے اپنا کارڈ تھما دیا، اب میں اس کے ساتھ چند دن باتیں کروں گی پھر دیکھنا الوینہ کیسے اس کے خلاف ہوتی ہے، ایک دفعہ الوینہ کیسے اس کے خلاف ہو جائے تو احسن انکل سے کہہ کر ذرا اس کی اکڑ بھی ختم کرواتی ہوں۔" اس نے اپنے اے ایس آئی انکل کا حوالہ دیا۔

"امامہ تم؟" اسے یقین نہ آرہا تھا۔

"تم الوینہ کی خاطر یہ برداشت کر سکتی ہو تو میں بھی اس کی خاطر بھی کچھ بھی کر گزروں گی، آخر دوستی کی ہے نبھانی تو پڑے گی اور دوست کی خاطر سنگسار بھی ہونا پڑے تو ہنستے ہنستے ہو جائیں گے۔" طہور مسکرادی۔

"ناول پڑھنا کم کر دو دن بدن بگڑتی جا رہی ہو۔" اس نے کہا تو وہ ہنس دی۔

"کیا کروں لٹریچر رکھا ہے ناول تو پڑھنے ہی پڑھتے ہیں اور مس ثمینہ کتاب کے سبق کے بجائے پورے ناول میں سوال کرنے کی عادی ہیں، وہ تو چاہتی ہیں لڑکیاں پیپرز میں کی بک کی بجائے اپنے بنائے نوٹس لکھیں۔" دکھ بھرے لہجے میں بتایا، شگفتہ سی مسکراہٹ طہور کے لبوں پر پھیل گئی۔

☆☆☆

"سنو تم زیادہ نخرے نہ دکھاؤ ورنہ دو جھانپڑ رسید کروں گا تو عقل ٹھکانے آ جائے گی۔" اس کے فقرے پر وہ بھنا گئی۔

"میں آپ کو نخرے ہرگز نہیں دکھا رہی سو پلیز آپ یہاں سے جائیے مجھے ابھی بہت سا کام ہے وہ کمپلیٹ کرنے دیں۔" وہ ان سے زیادہ اپنے دل سے لڑ رہی تھی جو ان کے ساتھ جانے پر بضد تھا۔

"اچھا غیر لڑکوں کے لئے وقت نکل آتا ہے۔" اس کے ہاتھ سے قلم چھوٹ گیا، رنگ ایکدم پیلا پڑ گیا، اگر نظر اٹھا کر دیکھتی تو جان جاتی وہ مذاق کر رہا تھا اس کے لبوں پر کھلتی مسکراہٹ گواہ تھی مگر اسے لگا انہوں نے طعنہ ہی دیا ہے، آج اسے سمجھ آئی لوگ زمین میں سمانے کی خواہش کیوں کرتے ہیں وہ جھٹکے سے اٹھی سدید سے کترا کر گزرنے لگی تو سدید نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں جانتا ہوں تم کچھ ایسا ہی ہو کرو گی اور جانتی ہو میں چچی سے یہی کہہ رہا تھا کہ اگر تم پر کوئی الزام لگا تو تم بس آنسو بہاؤ گی سو میں نے ٹھیک ہی کہا تھا ناں تم تو فوراً ہی ہار گئی۔" اس کا لہجہ طہور کو اب محسوس ہوا کہ اس کا انداز بالکل سادہ سا تھا اس نے نظریں اٹھائیں اور اپنی ازلی خوشگوار سی مسکراہٹ لئے کھڑا تھا۔

"میں ویٹ کر رہا ہوں کہ تم اپنی صفائی میں کیا کہتی ہو۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے صفائی دینے کی، جبکہ میں جانتی ہوں میں نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔" اس کا اعتماد لوٹ آیا تھا سدید کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"گناہ تو کیا ہے اس دل کا قرار لوٹ لیا ہے، اس کی صفائی تو دینی پڑے گی۔" اس نے بمشکل مسکراہٹ ضبط کی۔

"جو دل خود ہی اپنا قرار لوٹانا چاہتا ہو اسے تو کوئی بھی لوٹ لے، اس لئے دل کے گرد فصیلوں کو ذرا مضبوط اور پائیدار بنانا چاہیے تا کہ قرار کہیں بھاگنے نہ پائے۔" وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"اچھا۔" وہ مسکرایا۔

"بائی داوے تم نے اپنے دل کے گرد جو فصیلیں بنائی ہیں وہ کتنی مضبوط ہیں کیا میں اندر جھانک بھی سکتا ہوں یا نہیں۔"

"اس سے کہیں زیادہ مضبوط ہیں اور اس کے گرد پہرے دار بھی موجود ہیں جو آپ کو ایسی گستاخی کی اجازت بھی نہیں دیں گے۔" وہ برجستہ بولی وہ دوبارہ ہنس دیا۔

"اچھا بھئی سیریسلی بتاؤ میرے ساتھ آئس کریم کھانے چل رہی ہو؟"

"کس خوشی میں؟"

"ہماری منگنی کی خوشی میں۔" وہ جھنجھلایا۔

"سدید اگر آپ مجھے ایز اے منگیتر لے جانا چاہتے ہیں تو سوری، میرے خیال میں یہ بندھن اتنا کمزور اور بے بنیاد ہے کہ اس کی وجہ سے میں اپنے اصول نہیں توڑ سکتی اور اگر ایز اے کزن تب بھی سوری کیونکہ پہلے ہمارے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں تھا جو دنیا کو باتیں بنانے کا موقع دیتا، اب ہم دنیا کی نظر میں صرف منگیتر ہیں جن کا اکٹھا بیٹھنا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے۔"

"میں دنیا سے نہیں ڈر......" سدید کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس نے ٹوک دیا۔

"میں لوگوں کی فضول ذہنیت سے ڈرتی ہوں میں اپنے کردار پر ایک چھینٹ بھی برداشت نہیں کر سکتی اس لئے سوری۔" نہایت سنجیدگی سے کہا۔

"طہور تم خوش ہوناں؟" ان کے لہجے پر وہ ٹھٹک سی گئی چند لمحے وہ خاموش رہی۔

"کیا کوئی ایسی بات ہو سکتی ہے کہ میں ناخوش رہوں؟" اس نے سوال کیا، سدید نے اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں جھانکا جہاں ہمیشہ کی طرح بے ریائی اور معصومیت رقصاں تھی۔

"آپ میرے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں اور میں آپ کے بارے میں سب کچھ، آپ ایک اچھے انسان ہیں، جس کے شریک حیات بنیں گے وہ خوش قسمت لڑکی ہو گی، اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے کبھی اس قسم کے فضول خواب نہیں دیکھے کہ میری شادی کہاں ہو گی، لڑکا کیسا ہو گا وغیرہ وغیرہ، میں پریکٹیکل لڑکی ہوں جو جانتی ہے لڑکی کے لئے بہتر وہی ہوتا ہے جو اس کے والدین سوچیں۔" کتنے سمپل لفظوں میں اس نے اپنی فیلنگز کا اظہار کر دیا تھا نہ چہرے پر کوئی خاص رنگ تھے نہ ہی فضول کا شرمانا لجانا۔

سدید کو اس کا سادہ سا روپ پسند تھا جو دل میں ہوتا وہی زبان پر، کبھی اس نے کوئی بھی بات چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی کبھی غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا، وہ بچپن سے اس کے ساتھ تھا اور ہمیشہ اس پر فخر کرتا تھا، وہ سمجھتا تھا کہ اس کے اس روپ کے پیچھے چچا جان اور چچی جان کا ہاتھ ہے جنہوں نے اس کی پرورش اتنی شاندار کی ہے۔

وہ ممنون تھا اپنے رب کا جس نے اس کی قسمت میں اتنی مکمل شریک حیات درج کی ہے، اس نے آگے بڑھ کر طہور کے ہاتھ تھامے۔

"جانتی ہو طہور مجھے تمہاری یہی باتیں انسپائر کرتی ہیں اور کبھی کبھی تو تمہاری تعریف کے لئے میرے پاس الفاظ ہی نہیں ہوتے، مجھے سمجھ

نہیں آتی کہ کیا کہوں جیسے ابھی میری کنڈیشن ہے خیر چھوڑو میں بعد میں آئی مین شادی کے بعد ساری تعریفیں کرلوں گا لفظ نہ بھی ملے تو کام چل جائے گا۔'' اس کے معنی خیز بات طہور کی بلش کر گئی وہ سر جھکا کر اپنے ہاتھ چھڑا کر نیچے بھاگ آئی، اس کے چہرے پر کھیلنے والے رنگ قوس قزح سے کم نہیں تھے اس کے دل کا حال اشکار کر دینے کو کافی تھے۔

☆☆☆

''طہور، وینا کدھر ہے؟'' امامہ آندھی طوفان کی طرح آئی تھی۔

''خیریت......؟''

''تم بتاؤ تو سہی۔'' وہ جھنجھلائی۔

''وہ اپنا ہسٹری کا پیریڈ لے رہی ہے۔'' اس نے جلدی سے بتایا۔

''مگر ہوا کیا ہے؟'' وہ آگے بڑھی تو تینوں بھی اس کے ساتھ چل پڑیں۔

''باجی جمیلہ اسے ڈھونڈ رہی ہیں کہ اس کے گھر سے اس کا بھائی لینے آیا ہے، اس کی امی کی طبیعت سخت خراب ہے، انہوں نے مجھے کہا کہ میں بتادوں مگر سوچنے والی بات یہ ہے کہ اس کا بھائی آج تک کالج آیا ہی نہیں یاد ہے فرسٹ ائیر میں جب اس کے بہنوئی کی ڈیتھ ہوگئی تھی تب بھی اسے لینے کوئی نہیں آیا تھا، اسے تو گھر جا کر خبر ہوئی تھی، میرے خیال میں اتنی سی بات نہیں ہے اس لئے میں اسے بتانے سے پہلے اس کے بھائی سے مل لوں، کیا خیال ہے؟'' اس کا رخ آفس کی طرف تھا وہ دل میں خیر کی دعا مانگتی وہاں پہنچی۔

عامر کو وہاں بیٹھا دیکھ کر چاروں کا خون کھول گیا۔

''اوتو عامر نے اپنے جیسا ہی گھٹیا پلان بنایا ہے۔'' طہور غصے میں بڑبڑائی۔

''اگر وینا کو اس کے آنے کا پتہ ہوتا تو وہ پیریڈ کیوں لیتی وہ تو آفس کے آس پاس ہی ہوتی، یعنی یہ اسے دھوکے سے لے جانے آیا ہے، اوگاڈ یہ کتنا ذلیل شخص ہے۔'' ماہ نور کی بات پر تینوں نے مٹھیاں بھینچی۔

''اور ہماری دوست اس پر مرتی ہے لعنت ہو تمہاری چوائس پر وینہ۔'' الینہ نے کہا۔

''اسے تو ابھی فارغ کرتے ہیں۔'' امامہ آگے بڑھی۔

''ارے آپ یہاں۔'' اس نے ایسے چونکنے کی اداکاری کی تھی جیسے اچانک ہی دیکھا ہو۔

''جج...... جی آپ؟ کیسی ہیں......؟'' وہ گڑبڑا گیا۔

''میں تو ایکدم ٹھیک ہوں خیریت آپ یہاں؟''

''یہ الوینہ کے بھائی ہیں انہیں لے جانے آئے ہیں، جمیلہ گئی ہے ابھی تک آئی نہیں ... جاؤ بلالاؤ۔'' کلرک نے جواب دیا۔

''میں بلاتی ہوں جاؤ الینہ تم و... بلاؤ سر وہ اسپورٹس روم کی چابی دے دیں میں تو وہی لینے آئی تھی۔'' اس نے آنکھ دبا کر الینہ کو ... پھر آنے کا مقصد بتایا، انہوں نے دراز سے چابیاں نکال کرا سے دیں۔

''آیئے ناں آپ باہر، وینا آتی ہوگی۔'' عامر اٹھ کر اس کے ساتھ باہر آگیا۔

''لاحول ولا قوۃ عامر آپ کو ذرا سی بھی عقل ہے یا نہیں، اس کے بھائی بن کر آگئے وہ تو آج آئی ہی نہیں ابھی باجی جمیلہ کسی سے پوچھیں گی تو سب کتنی باتیں کریں گی کہ وہ گھر سے تو آئی ہے لیکن کالج نہیں آئی۔'' وہ دھیمے مگر سخت لہجے میں

بولی۔

''مگر وہ تو کہہ رہی تھی کہ وہ آج کالج آئے گی۔'' وہ ٹپٹایا۔

''اسے آپ کے آنے کا پتہ ہے؟'' ماہ نور نے پوچھا۔

''نہیں......نہیں تو۔''

''بہرحال آپ جایئے وہ آج کالج نہیں آئی ہمیں باجی جمیلہ کو بھی سنبھالنا پڑے گا، اب ایسا قدم اٹھانے سے پہلے عقل کو گھاس چرنے نہ بھیجئے گا، اسے استعمال بھی کر لینا۔'' امامہ تو خوب انسلٹ کررہی تھی۔

''اوکے میں بھی چلتا ہوں...... بائے۔''

''سنیے عامر اب آپ جاتے ہی اسے فون نہ کر دیجئے گا، میں خود اسے فون کرکے کہوں گی کہ آپ کو فون کر لے اوکے، ویسے آج میرا بھی آپ سے بات کرنے کا ارادہ تھا پلیز آپ فون زیادہ انگیج نہ رکھئے گا اوکے۔'' آخری بات پیار بھرے لہجے میں کہی، وہ ہونقوں کی طرح مسکراتا چھوٹا گیٹ کراس کرگیا۔

اس کے نکلتے ہی امامہ نے اتنا برا منہ بنایا کہ وہ دونوں ہی ہنس دیں۔

''قسم سے امامہ مزا آگیا تم نے اس کی کیا انسلٹ کی ہے ویسے ابھی مزید انسلٹ ہونی چاہیے تھی۔'' طہور نے واپس پلٹتے ہوئے کہا۔

''انشا اللہ وہ تو ضرور ہوگی تو فکر نہ کرو اوکے، وینا کی وجہ سے کتنے جھوٹ بولنے پڑے توبہ توبہ۔''

''فی الحال وینا کو سمجھاتے ہیں کہ ہم نے ایسا کیوں کیا۔'' ماہ نور نے کہا۔

''طہور میرا خیال ہے اب اگر وینا کو موقع ملا تو وہ اس کے ساتھ ضرور جائے گی پلیز تم کچھ سوچو نہ۔''

''کیا سوچوں جو سوچا ہے وہ وینا کے لئے خطرناک بھی ہوسکتا ہے۔'' وہ تھکے تھکے انداز میں لکڑی کے بینچ پر بیٹھ گئی، وہ دونوں بھی ساتھ ہی ٹک گئیں، الینہ ان کے ساتھ آملی تھی۔

''مما کا کہنا ہے اس کے گھر والوں کو حقیقت بتا دیں، لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ الٹا مطلب ہی نہ لیں، وینا کو بالکل ہی غلط نہ سمجھ لیں۔'' وہ تینوں بھی فکر مندسی ہوگئیں۔

''آخر وینا عامر کو سمجھتی کیوں نہیں اس پر کیوں اتنا اعتماد کررہی ہے؟'' ماہ نور چڑ سی گئی۔

''تم تینوں بتاؤ کیا میں اس کے بھائی سے بات کروں؟'' اس نے پوچھا۔

''پتا نہیں۔'' الینہ نے کہا تو باقیوں نے بھی تصدیق کی، تب ہی پیریڈ ختم ہونے کی بیل ہوئی وہ چاروں اٹھ گئیں کیونکہ انہیں وینا کو عامر کے بارے میں بھی بتانا تھا۔

طہور لائبریری میں آگئی وہ وینا کے مسئلے کو سلجھانا چاہتی تھی لیکن کیسے اسے اندازہ نہیں تھا اتنا تو وہ جانتی تھی اس کے بھائی حقیقت سن کر بھڑکیں گے ضرور مگر انہیں کیسے رام کیا جائے یہی سوچنا تھا۔

☆☆☆

''سنو میں رات کو جا رہا ہوں۔'' وہ کھانا کھا رہی تھی جب انہوں نے کہا۔

''اوں جانتی ہوں۔'' دھیمے سے کہا۔

''میں چاہتا تھا تمہیں اپنے ہاتھوں سے انگوٹھی پہناؤں اور تمہارا دلہن بنا روپ دیکھ سکوں۔'' طہور نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا وہ کافی دلگرفتہ سا تھا نجانے کیوں وہ مسکرادی۔

''کیا ہوا؟'' سدید نے مسکراتے دیکھ کر پوچھا۔

''آپ مجھ سے یہ بات کیوں کہہ رہے

ہیں؟'' اس نے رائتہ چاولوں پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''سنو تم ممی سے کہو نہ کہ وہ آج ہی رسم کر لیں، دیکھو جب میں ہی یہاں نہیں ہوں گا تو تمہارا سجنے کا کیا فائدہ اور دوسروں کے ہاتھ سے انگوٹھی پہننا، اٹس ناٹ فیئر یار۔''

''او کے میں بات کروں گی۔''

''اچھا...... کب؟'' وہ بے قراری سے بولا۔

''کل۔'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا، سدید نے گھورا تو وہ کھلکھلادی۔

''آپ نے بات کی تھی۔'' سیریس ہو کر پوچھا۔

''ہاں لیکن وہ کہہ رہی تھیں گھر کے پہلے لڑکے کا فنکشن ہے اسے دھوم دھام سے ہونا چاہیے، ہاں بے شک لڑکا خود فنکشن میں موجود ہی نہ ہو۔'' وہ جھنجلایا ہوا تھا، وہ دوبارہ مسکرادیا۔

''ویسے ایک لحاظ سے آپ کا موجود نہ ہونا میرے لئے فائدہ مند ہوگا۔'' دھیمے سے بتایا۔

''کیسے......؟''

''کم از کم میں سکون سے ہر کام کرلوں گی، آپ کی شرارتوں سے بھی محفوظ رہوں گی اور آپ کی باتوں سے بھی۔'' اس کے انداز میں شرارت ہی شرارت تھی۔

''اچھا تم مجھ سے اتنا تنگ ہو۔'' وہ کھڑا ہوا۔

''اتنا تو پتا نہیں لیکن تنگ تو ضرور ہوں۔'' پانی کا گلاس اٹھاتے ہوئے بتایا۔

''او کے پھر میں احمقوں کی طرح یہاں کیوں کھڑا ہوں، میں جا رہا ہوں اور ابھی اسی وقت گھر سے بھی جا رہا ہوں بائے۔'' وہ اگلے پل خفا سا نیچے بھی اتر گیا، طہور مسکرادی، سکون سے کھانا کھایا برتن سمیٹ کر نیچے آگئی۔

''تائی جان مجھے آپ سے ایک کام تھا۔'' وہ ان کے پاس ٹک گئی۔

''کہو کیا کام ہے؟''

''تائی جان اور ممی پلیز آپ میری بات [illegible] غلط لیجئے گا ایکچوئیلی میں منگنی کے فنکشن کے سلسلے میں بات کرنا چاہ رہی ہوں۔'' دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''تائی جان منگنی کا فنکشن کرنا بالکل فضول ہے بے جا کا اسراف، آپ جانتی ہیں ہمارے ملک میں بہت سی لڑکیوں کو جہیز کی کمی کا [illegible] ہے، میں جانتی ہوں ہم یہ افورڈ کر سکتے ہیں لیکن اس فضول کام میں پیسہ برباد کرنے کے بجائے [illegible] ہم کسی کی مدد نہیں کر سکتے؟ اگلے ہفتے جمیلہ آپا کی بیٹی کی شادی ہے انہوں نے لڑکیوں سے مدد کی گزارش کی ہے۔''

''اگر آپ ہماری منگنی پر خرچ ہونے والا پیسہ ان کو دے دیں تو یقیناً ان کی دعائیں ہمارے لئے بہت سی خوشیاں لائیں گی۔'' وہ خاموش ہوئی، دونوں سنجیدگی سے اس کی گفتگو سن رہی تھیں۔

''ویسے بھی منگنی جیسا نازک بندھن کسی فنکشن کا محتاج نہیں ہوتا، آپ سب بڑوں نے مل کر فیصلہ کیا ہے تو بس سمجھ لیجئے میں آپ کی امانت ہوں یوں تشہیر کرنا اور نمود و نمائش کرنا بالکل فضول ہے، پھر آپ سوچیے تائی جان سدید بھائی فنکشن میں شریک نہیں ہوں گے انہیں کتنا عجیب لگے گا کہ وہ خود یہاں نہیں ہیں اس کے علاوہ ہم بھی انہیں بہت مس کریں گے، ویسے بھی میں پاپا کے بغیر اپنی زندگی کا کوئی فنکشن نہیں چاہتی ہاں اگر پاپا ہوتے تو مجھے اتنا اعتراض نہ ہوتا لیکن بابا کے بغیر بالکل نہیں۔'' آخر میں اس کی آواز بھرا گئی، ممی نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگایا۔

''چچی جان اسے تھوڑا سمجھائیں یہ مجھے اب بھائی کہنا چھوڑ دے۔'' سدید کی آواز پر تینوں پلٹیں اور اس کے شکوے پر وہ تینوں مسکرا بھی دیں تھیں۔

''تم کیا چھپ چھپ کر ہماری باتیں سن رہے تھے؟'' تائی نے ان کا کان پکڑا۔

''میں تو یہاں سے گزر رہا تھا، کانوں میں پڑ گئی ویسے امی اگر آپ اسی انداز میں کان کھینچتی رہیں تو یہ مزید لمبا ہو جائے گا، پھر آپ لوگوں کی باتیں مجھے وہاں اپنے یونٹ پر بھی سنائی دے جائیں گی۔'' اس کی شرارت بھرے فقرے پر سب ہنس دیئے، تائی جان اٹھیں اور الماری میں سے انگوٹھی نکالی۔

''طہور نے بالکل ٹھیک کہا ہے ہم منگنی کا فنکشن نہیں کریں گے بس ابھی انگوٹھی پہنا دیتی ہوں۔''

''امی اگر میں پہنا دوں تو؟'' وہ للچایا۔

''کیوں......؟'' ان کی تیوریاں چڑھیں۔

''امی اس طرح تو یہ آپ کی منگیتر بن جائے گی۔'' سب کے قہقہے بے ساختہ تھے، وہ خود بھی ان میں شامل تھا۔

''اصولاً تو یہ کام مجھے کرنا چاہیے ناں۔'' اس نے انگوٹھی پکڑتے ہوئے کہا۔

''ہائے میں مر جاؤں، یہاں تو اتنے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے جا رہے ہیں اور مجھے پتا بھی نہیں۔'' الینہ کی دہائی پر سب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''تم پھر چھت سے کود کر آئی ہو۔'' تائی جان نے گھورا۔

''مجھے خبر ہوگئی تھی ناں اس لئے دیواریں پھلانگتی آگئی۔'' وہ کھیر کی پلیٹ انہیں تھماتے ہوئے بولی۔

''امی بسم اللہ کروں۔'' وہ طہور کے ساتھ بیٹھ گیا وہ دونوں اس کے صبرے پن پر مسکرا دیں جبکہ طہور اب جھینپی سی بیٹھی تھی۔

''جی...... جی بسم اللہ کیجئے۔'' انہوں نے اجازت دی اس نے جھٹ اس کا ہاتھ تھاما۔

''امی یہ انگوٹھی آجائے گی ناں۔'' انگوٹھی کو دیکھا جبکہ طہور کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔

''تم پہناؤ اگر پوری نہ آئی تو بعد میں فٹ کروادوں گی۔'' انہوں نے تسلی دی۔

''پہنا دوں۔'' طہور سے اجازت چاہی الینہ کی ''ہوو'' پر سب کھلکھلا دیئے بالکل عام سے ماحول میں اس کے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں سدید کے نام کی انگوٹھی پڑ گئی، سدید بہت خوش تھا اس کی چہکاریں پورے گھر میں گونج رہی تھیں طہور کے ساتھ چڑ کر بیٹھی اسے مسلسل چھیڑ رہی تھی دھیمی سے مسکان چہرے پر سجائے وہ اس کی چھیڑ خوانی انجوائے کر رہی تھی۔

☆☆☆

''تو پھر کیا ہونا تھا انہوں نے ٹام کروز کو مات دیتے ہوئے اس کے ہاتھ میں انگوٹھی پہنائی اور پتا ہے وہ تو اس کا ہاتھ ہی نہیں چھوڑ رہے تھے تائی جان نے احساس دلایا تو کہنے لگے، امی اب تو اس ہاتھ کو تھامنے کا حق رکھتا ہوں اب تو پکڑنے دیں۔'' الینہ اگلے دن سب کو روداد سنا رہی تھی۔

''منگنی کا فنکشن ہوتا تو ہم بھی چلتے اور

تمہارے ''ان'' کو دیکھ لیتے، البینہ کیسے ہیں سدید بھائی؟'' امامہ نے پوچھا، مبارک باد تو وہ سب اسے رات کو ہی فون پر دے چکی تھیں جنہیں البینہ نے گھر پہنچتے فون کر کے اطلاع دی تھی۔

''سچ بتاؤں اگر یہ ان کی فیانسی نہ بنتی تو میں نے ان سے شادی کر ہی لینی تھی بے شک گن پوائنٹ کرنی پڑتی۔'' طہور نے اس کی کمر پر دھموکا جڑا تو وہ کھلکھلا دی۔

''چھ فٹ گیارہ انچ کا قد ہے اور شکل و صورت میں ٹام کروز کے بھائی لگتے ہیں ناں ان کی نیلی آنکھوں میں ہلچل سی مچ جاتی ہے اور نیچر تو ان کی اتنی اچھی ہے ناں کہ کیا بتاؤں ہماری کالونی کے ہارٹ فیورٹ بوائے ہیں اور اوپر سے آرمی کی جاب نے ان کی پرسنالٹی کو چاند ستاروں سے مزین کر دیا ہے قسم سے میں تو انہیں یونیفارم میں دیکھ کر ان پر مرتے مرتے بچی تھی۔'' اس کی بکواس کے آگے فل اسٹاپ لگا تو اس نے شکر ادا کیا۔

''طہور کیا تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے؟'' الوینہ نے پوچھا طہور نے ترچھی نگاہوں سے دیکھا۔

''میرا مطلب ہے تم دونوں لو میرج کر رہے ہو۔'' سب نے خاموش نظروں سے طہور کو دیکھا۔

''نو ڈیئر مجھے ایسے فضول کاموں میں پڑنے کا کوئی شوق نہیں، یہ منگنی ہمارے بڑوں کا فیصلہ تھی اور ایزائے پرسن سدید اچھے انسان ہیں ایک ایسے انسان جس کے ساتھ کوئی بھی لڑکی خوش رہ سکتی ہے، یہی سوچتے ہوئے میں نے ہاں کی تھی میں نے کوئی ایسا جذباتی قدم نہیں اٹھایا جو مجھے یا میری فیملی کی عزت کو خاک میں ملا سکے۔'' اس کے لہجے میں تلخی سی گھل گئی تھی۔

''تم ہر بات کو موڑ توڑ کر میرے معاملے میں کیوں گھسیٹ لیتی ہو۔'' الوینہ جھنجھلائی۔

''وینا تم اپنی سوچ بدلو تمہاری سوچ بالکل فضول سی ہے۔''

''زندگی کو پازیٹو انداز میں گزارنا سیکھو نہ تو تمہاری زندگی میں جو بے اعتباری اور دکھ کا موسم ٹھہر گیا ہے وہ کب گزرے گا تمہیں خبر بھی نہیں ہوگی۔'' ماہ نور کی بات سن کر وہ اٹھ گئی۔

''میرے خیال میں جیسے زندگی گزار رہی ہوں ویسی ہی ٹھیک ہے تم سب ہر وقت ناصح نہ بنا کرو اور پلیز میرے معاملے میں انٹرفیئر بھی نہ کیا کرو او کے۔'' زہر خند لہجے میں کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔

''کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے میں اس کے سر پر ایسے جوتے لگاؤں کہ اس کے دماغ میں موجود خناس ختم ہو جائے اگر یہ میری دوست نہ ہوتی تو بلیومی میں اس پر ہزار بار لعنت بھیجتی۔'' طہور غصے میں بولی۔

''جاؤ البینہ دیکھو کہیں وہ حسب معمول رو نہ رہی ہو۔'' ماہ نور نے کہا تو البینہ اٹھ گئی۔

''طہور اس بار غلطی تمہاری تھی۔'' امامہ نے کہا۔

''تم اس کی بات کا سیدھی طرح بھی جواب دے سکتی تھی، دیکھو غصہ مت کرو تم لوگ کزن ہو ایک ہی گھر میں رہتے ہو، آج یہ بات الوینہ نے پوچھی ہے لیکن نجانے کون کون پوچھے پھر بھی کیا تم ایسے ہی ریکیٹ کرو گی؟'' امامہ نے دھیرے سے کہا۔

''وہ جو بھی ہوں میں کسی کی بات کی اتنی پروا ہی نہیں کروں گی کیونکہ وہ میری نیچر کو اتنا

نہیں جانتے جتنا الوینہ اور تم سب جانتے ہو، الوینہ کے بجائے تم لوگ بھی ایسی بات کرتے تو مجھ سے کچھ ایسا الٹا سیدھا ہی سنتے۔'' اس کے اس طرح بات کرنے پر دونوں ہی مسکرا دیں۔

''او کے لیکن پھر بھی۔''

''اچھا بابا میری غلطی تھی بس یا کچھ اور؟'' وہ جھنجھلائی۔

''نہیں بس ہرگز نہیں ویسے کچھ اور بھی نہیں ہے اب اٹھو مجھے لائبریری میں کام ہے۔'' امامہ نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ دونوں بھی اٹھ گئیں۔

لائبریری کے راستے میں وہ اپنے سائیکلوجی کے ٹاپک کو ڈسکس کر رہی تھیں۔

☆☆☆

''اے گائز جانتی ہو سارہ ابھی ڈیٹ سے واپس آئی ہے۔'' البینہ نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے اطلاع دی۔

''تو ہم کیا کریں؟'' امامہ نے کندھے اچکائے۔

''ہم نے کیا کرنا ہے، اس کی فرینڈز باتیں کر رہی تھیں کہ وہ کل صبح سے گئی ہوئی تھی گھر والوں کو یہی بتایا کہ روشین کے گھر جائے گی اس کی برتھ ڈے ہے اور اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ کلر کلہار گئی تھی۔'' تینوں حیرت زدہ سی البینہ کو دیکھ رہی تھیں۔

''یو مین کل سارا دن اور رات وہ......؟'' ماہ نور بات کمپلیٹ ہی نہ کر سکی۔

''تو اور کیا تم ذرا اسے دیکھو تو جا کر کیسے گردن اکڑائے سب فرینڈز کے درمیان بیٹھی ہے جیسے کوئی معرکہ مار کے آئی ہے۔'' البینہ کو اتنا تعجب نہیں ہوا تھا جتنا ان تینوں کو تھا۔

''کیا کوئی لڑکی اس حد تک جا سکتی ہے؟'' طہور بڑبڑائی۔

''جانے والی تو ساری حدیں پھلانگ لیتی ہیں ہم الوینہ کو کوستے ہیں لیکن وہ کم از کم اتنا تو نہیں کر سکتی۔'' امامہ نے الوینہ کی طرف داری کی۔

''کچھ لڑکیاں سارہ جیسی ہوتی ہیں جو رسوائی کو خود گلے لگائی ہیں۔'' ماہ نور نے کہا۔

''اور یہ ایسی لڑکیاں ہیں جو عزت کو نفس کے ہاتھوں قربان کر دیتی ہیں ان کے لئے زندگی کا چارم ہی یہی ہے۔'' طہور کافی اپ سیٹ تھی۔

''ارے بھئی تم تینوں کیوں اتنی اپ سیٹ ہو رہی ہو بھئی وہ جانے اور اس کے گھر والے ہمیں کیا، ہم کیوں اپنا خون جلائیں، وہ جو کر کے آئی ہے اس پر وہ بہت خوش ہے پھر ہمارا دکھی ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔'' البینہ نے ان تینوں کے اترے چہرے دیکھ کر سمجھایا، تینوں سر جھکا کر اپنے اسائنمنٹ مکمل کرنے لگیں، البینہ سائیڈ ریک سے اخبار اٹھا لائی۔

☆☆☆

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے جس کے بارے میں ہم برا سوچ بھی نہیں سکتے وہ خود اپنا برا کر لیتا ہے، جب بندہ خود ہی کنویں میں گرنا چاہے تو بعض اوقات وہ کنواں خود بھی اس کے نزدیک آ کھڑا ہوتا ہے، ان چاروں نے الوینہ کو کتنا سمجھایا، کتنا اسے بھٹکنے سے بچایا لیکن برائی کی طرف بڑھتے قدم ان کے سمجھانے سے واپس پلٹنے کے بجائے مزید تیز ہو گئے۔

ان چاروں کو پہلا شاک تب لگا جب وینا نے سارہ جیسی لڑکی سے دوستی کی، آہستہ آہستہ ان سے دور ہوتے ہوئے وہ ان سے بالکل ہی کٹ گئی، سارہ کی دوستی لانگ لائی سب سے پہلے اس

کا لیونگ اسٹائل بدلا، ڈھیلا ڈھالا یونیفارم اتنا فٹ ہوا کہ اس کے جسم کے نشیب و فراز نمایاں ہونے لگے، کمر سے ذرا اوپر تک آئے بالوں کی کٹنگ کروالی، صبح کالج میں آ کر سب سے پہلے چہرے کی خوبصورتی کو نمایاں کیا جاتا، پھر سارا سارا دن کینٹین کے سامنے بیٹھ کر باتیں کی جاتیں، کالج بنک کر کے کبھی آئس کریم کھانے جایا جاتا کبھی بازار۔

ان کے ساتھ رہ کر جو حسرتیں وہ پوری نہیں کر سکی تھی اب وہ خود بخود دہور ہی تھی اور اس دن تو طہور الوینہ سے الجھ ہی پڑی، جب اس نے سنا کہ الوینہ ڈیٹ پر جا رہی ہے۔

''وینا مت کروایسا اپنی خواہشوں کی آگ میں اپنا گھر نہ جلاؤ کم از کم ایک بار اپنے بوڑھے باپ کو دیکھو ان کی عزت کا خیال کرو ایک بار اپنی ماں کی ممتا اور تربیت کا خیال کرو اپنی جوان بہنوں کا سوچو جو تمہارے ایک غلط قدم سے ساری زندگی ماں باپ کی دہلیز پار نہ کر پائیں گے، اپنے بھائی کے بارے میں سوچو۔''

''جسٹ شٹ اپ طہور تم نے اب تک بہت بکواس کر لی اور میں نے سن بھی لی، اب اگر مزید بکواس کی نہ تو میں بالکل برداشت نہیں کروں گی۔'' اس کے تیور ہی الگ سے تھے۔

''میں بکواس کر رہی ہوں؟ وہاں واقعی تمہارے آگے تو یہ بکواس ہی ہے، جس دلدل میں تم نے قدم رکھا ہے ناں وہ جب تک تمہیں نگلے گا نہیں تمہیں اس کے دلدل ہونے کا یقین نہیں آئے گا، تم اپنے نفس کی اس حد تک غلام بن چکی ہو کہ اب تم اچھائی برائی کی تمیز بھی......؟''

''چٹاخ۔'' کی آواز نے سب کو اس کی طرف متوجہ کر دیا، طہور ساکت آنکھوں سے الوینہ کو دیکھ رہی تھی بچپن کی دوستی کو اس نے کس طرح مٹی میں ملا دیا تھا۔

''ایک بات میں تم سے کہہ دوں آئندہ کبھی میرے معاملات میں ٹانگ نہ اڑانا او کے۔'' وہ کہہ کر اسے ہٹاتی آگے بڑھ گئی، الینہ نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ ڈبڈبائی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

ان تینوں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے نسبتاً ایک سنسان گوشے میں لے آئی، کتنے آنسو بے آواز بہہ نکلے تھے وہ ماہ نور کے کندھے پر سر رکھ کر آنسو بہانے لگی۔

گھر آ کر وہ سیدھا اپنے کمرے میں جا گھسی، ممی نے حیرت سے بند دروازے کو دیکھا اور پھر اپنے پیچھے کھڑی الینہ کو، الینہ نے دھیرے دھیرے ساری بات بتا دی۔

''میں نے اسے پہلی بھی کہا تھا کہ اس کے گھر فون کر کے اس کی حرکتوں کے بارے میں اس کی بہن کو بتا دیا مگر اسے لگتا تھا وہ خود ہی اسے سدھارے گی، اسٹوپڈ گرل باہر نکلو کھاؤ آج میں نے تمہاری پسند کا پالک گوشت پکایا ہے چلو بھئی باہر آ جاؤ۔''

''اور الینہ تم گھر فون کر دو تم آج کھانا ہمارے ساتھ کھانا، او کے میں ٹیبل سیٹ کیے لیتی ہوں جان فون ممی پلیز جلدی آ جاؤ میرے ٹیبل سیٹ کرنے سے پہلے ورنہ ہم میں سے کوئی بھی کھانا نہیں کھائے گا۔'' اسے کہہ کر کچن کی طرف چلی گئیں۔

''طہور آ جاؤ بھئی کھانے کو انتظار نہیں کرواتے۔'' چیئر گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے دوبارہ آواز لگائی، دروازہ کھلا منہ ہاتھ دھوئے کپڑے چینج کیے وہ خاموشی سے آ کر ان کے ساتھ والی

چیئر پر بیٹھ گئی، وہ جانتی تھی اگر وہ کھانے کے لئے باہر نہ نکلی تو ممی نہیں کھائیں گی۔

''جی جناب اب بتاؤ کیا بات ہوئی ہے۔'' کھانے کے بعد انہوں نے اس سے پوچھا۔

''ممی میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھوں گی، جتنا اسے سمجھانا تھا سمجھا چکی اگر وہ جہنم میں جانا چاہتی ہے تو جائے میں اسے ذرا بھی نہیں روکوں گی۔'' وہ غصے سے بولی۔

''کیوں؟'' انہوں نے اتنے ہی اطمینان سے پوچھا۔

''ممی آپ جانتی نہیں اس نے سب کے سامنے مجھے تھپڑ مارا۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''ارے یہ کوئی نئی بات تو نہیں، مجھے یاد ہے جب تم چھوٹی تھیں تب تم دونوں کی ایسی خوفناک لڑائی ہوئی تھی کہ ہم مائیں پریشان ہو گئیں تھیں تمہارا سر پھٹا تھا تو اس کی تم نے ناک زخمی کر دی تھی، تمہارا تو نشان ختم ہو گیا ہے پر اس کی ناک دیکھو ابھی تک نشان باقی ہے، کیوں الینہ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

''مگر ممی وہ بچپن تھا اب......؟''

''ہاں بھئی اب تم بڑی ہو گئی ہو اور تمہاری انا بھی بڑی ہو گئی ہے۔'' اس نے سر جھکا لیا۔

''میری جان رشتوں میں جب انا آ جائے ناں تو رشتے رشتے نہیں رہتے، ایک اجنبیت سی دلوں میں آ جاتی ہے، محبت اور دوستی میں انا کو بالکل نہیں آنا چاہیے او کے۔'' انہوں نے پیار سے سمجھایا۔

''الینہ تم چائے پیو گی؟'' برتن سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

''ممی آپ بیٹھیے میں بناتی ہوں۔'' طہور نے ان کے ہاتھ سے برتن پکڑے اور کچن میں آ گئی، باقی کے برتن الینہ سمیٹ لائی۔

''جانتی ہو طہور کبھی کبھی مجھے تم سے بڑی جیلسی ہوتی ہے تمہاری ممی کتنی سویٹ ہیں ہر مسئلے میں تمہیں کتنا گائیڈ کرتی ہیں۔'' وہ چائے کا پانی رکھ رہی تھی تب الینہ نے کہا۔

''ہاں اس معاملے میں تو میں واقعی بہت لکی ہوں اور تم جیلس مت ہو میں جانتی ہوں تمہاری اماں بھی کتنی اچھی ہیں ویسے بھی ممی تمہیں بھی تو اتنا ہی پیار کرتی ہیں جتنا مجھے کرتی ہیں۔'' اس نے دھیمے سے جواب دیا۔

''ممی اپنے کمرے میں ہوں گی تم انہیں چائے دے آؤ میں یہ دونوں کپ لے کر تمہارے کمرے میں چلتی ہوں۔'' الینہ نے کپ پکڑتے ہوئے کہا وہ ممی کو کپ دے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

''الینہ میں سوچ رہی ہوں آج وینا کے بھائی سے فون پر بات کروں اور انہیں سب کچھ بتا دوں تم کیا کہتی ہو؟'' اس سے مشورہ چاہا۔

''میرا ابھی یہی خیال ہے اس کے گھر والے اس کے ساتھ جو بھی سلوک کریں وہ اسی لائق ہے۔''

''نہیں خیر میں یہ نہیں چاہوں گی کہ وہ اسے غلط سمجھیں ہاں اگر وہ اسے وہ پیار دے سکیں جو اس کا حق ہے تو یہ وینا اور اس کے گھر والوں کے لئے بہتر ہے یا پھر اگر وہ لوگ اس کی شادی کر دیں تب بھی یقیناً وہ سنبھل جائے گی۔'' اس نے پرسوچ انداز میں کہا۔

''اس کا بھائی رات کو آٹھ بجے آتا ہے تم اس کے آنے پر ہی فون کرنا۔'' الینہ نے کہا۔

''ہاں ٹھیک ہے اور اب سارہ زیادہ دن کالج میں نہیں آئے گی میں کل ہی مس آمنہ کے

کانوں میں اس کی حرکتوں کے بارے میں بات ڈالتی ہوں اور اس کا گروپ بھی اب مجھ سے بچے گا نہیں، پس بہت خراب کر دیا انہوں نے کالج کا ماحول، اب بس ختم ہونا چاہیے۔" اس نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا اور پھر وہ سوچنے لگی اسے الوینہ کے بھائی سے کس طرح بات کرنی ہے۔

☆☆☆

"السلام علیکم میں الوینہ کی دوست بول رہی ہوں۔" دوسری طرف الوینہ کا بھائی تھا۔

"جی ٹھہریے میں اسے بلاتا ہوں۔"

"نہیں...... نہیں بھائی مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"جی کیا کہا؟ کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"پلیز بھائی آپ غلط نہ سمجھیں میں وینو کے متعلق بات کرنا چاہتی ہوں آپ پلیز مجھے غلط نہ سمجھیں۔" اس کی بات پر دوسری طرف موجود وہ الرٹ ہوا۔

"جی کہیے۔" لہجے میں حیرت تھی۔

"ایکچوئیلی بھائی آج کل الوینہ جن لڑکیوں کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی ہے وہ اچھی لڑکیاں نہیں ہیں ہم نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ ہماری تو کچھ سنتی ہی نہیں۔"

"جن لڑکیوں کے ساتھ اس کی دوستی ہے ان میں شاید آپ بھی شامل ہیں۔" ان کے لہجے کی تلخی کو وہ پی گئی۔

"میں وینو کی پہلی دوست ہوں، میں طہور بات کر رہی ہوں۔"

"ہوا رے بھئی پہلے ہی نام بتا دیتی تو خیر تم بتاؤ کیا کہہ رہی ہو؟" اس کا نام سن کر ان کا لہجہ بدلا۔

"بھائی آپ کسی عامر کو جانتے ہیں؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں وہ ہماری گلی میں رہتا ہے خاصا بگڑا ہوا لڑکا ہے مگر تم کیوں پوچھ رہی ہوں؟" انہوں نے اچنبھے سے پوچھا۔

"ایکچوئیلی بھائی...... آپ پہلے پرامس کیجئے آپ غصہ نہیں ہوں گے اور میری بات سکون سے سنیں گے؟" وہ اٹک گئی تھی۔

"مگر بات کیا ہے؟"

"آپ پہلے پرامس کریں۔"

"اوکے میں پرامس کرتا ہوں تم اب بتاؤ تو۔"

"بات دراصل ایسی ہے بھائی کہ الوینہ اس میں انوالو آئی مین شی از لائیک ہم۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"واٹ؟ کیا بکواس ہے طہور اگر اس میں ایک فیصد بھی سچائی ہوئی تو میں اس کا قتل اپنے ہاتھوں سے کروں گا۔"

"بھائی پلیز آپ نے ابھی مجھ سے پرامس کیا ہے بھائی میں نے ایک رسک لیا ہے میں جانتی تھی آپ کا ریکشن یہی ہو گا اس لئے ابھی تک میں خود ہی اسے سمجھاتی رہی اب جب بات میرے ہاتھ سے نکل رہی ہے تب آپ سے مدد چاہتی ہوں مگر آپ...... پلیز آپ سمجھنے کی کوشش کریں یوں آپ مسئلے کا حل نہیں نکال سکتے نہ ہی الوینہ کو مار کر یا ڈانٹ کر سمجھایا جا سکتا ہے بلکہ وہ مزید ضد میں آ جائے گی پلیز بھائی کول ڈاؤن۔" انہیں طیش میں آتا دیکھ کر اس کی جان پر بن آئی تھی۔

"کیا مجھے غصہ ہونے کا بھی حق نہیں الوینہ نے ہمارے بھروسے کو توڑا ہے، ہمارے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی، آخر اسے کس چیز کی کمی تھی؟ اس نے جو چاہا پاپا اس کی ہر خواہش پوری کی پھر بھی۔"

"بھائی پلیز آپ مائنڈ نہ کیجئے گا آپ نے اس کی ہر مادی خواہش پوری کی اس کی جھولی میں ہر وہ چیز ڈالی جو اس نے مانگی آپ سب اسے بے تحاشا پیار کرتے ہو، مگر کیا کبھی آپ نے اس کا اظہار کیا۔ الوینہ اپنی دنیا میں بالکل تنہا ہے، بھائی گھر کے باہر انسان کے بے شک درجنوں دوست ہوں لیکن ایک دوست اس کا گھر میں بھی ہونا چاہیے اور وہ دوست ماں سے بہتر کوئی نہیں ہو سکا، ماں جو اپنے بچے کی ہر فیلینگو کی بہتر طور پر سمجھ لیتی ہے اور اس کی پرابلم بھی بہتر طور پر سمجھ سکتی ہے مگر سوری ٹو سے دیٹ کہ آپ کے گھر میں وینو کو کوئی دوست نہیں ملا۔" اس نے سانس لیا اور پھر بولی۔

"اس کے علاوہ آپ سب اعتبار و اعتماد اور بھروسے کو صرف لفاظی استعمال کرتے ہو کبھی آپ نے اس کا استعمال کیا ہے؟ جیسے آپ نے ابھی میری بات پر فوراً اعتبار کر لیا اگر آپ نے اپنی بہن پر یقین ہوتا اس پر اعتبار ہوتا تو آپ مجھے غلط قرار دیتے لیکن آپ نے مجھے کچھ کہنے کے بجائے اپنی بہن کے خلاف ہوئی بات کو مان بھی لیا، اگرچہ حقیقت یہی ہے کہ وہ...... وہ عامر کو پسند کرتی ہے اس سے فون پر بات کرتی ہے لیکن یہ سلسلہ فی الحال یہیں تک ہے خدا کا شکر ہے وہ ابھی تک نہ تو اس سے ملی ہے اور نہ ہی کہیں باہر اس کے ساتھ گئی کیونکہ وہ خود سمجھتی ہے کہ کیا غلط ہے اور کیا صحیح۔" اس کے بعد اس نے کہا۔

"بھائی اب آپ پر ہے کہ آپ اپنی بہن کو عامر جیسے گھٹیا شخص سے کیسے بچاتے ہیں، ایکچوئیلی وہ الوینہ کو بلیک میل کر رہا ہے کہ اگر وینو اس سے بات نہیں کرے گی تو وہ آپ کو ہر بات بتا دے گا وہ آپ کے خوف سے اس سے رابطے میں ہے۔" وہ سانس لینے کو پھر رکی۔

"آپ دل سے وینا پر اعتبار کیجئے اس کے دوست بنیئے، اس سے اپنی باتیں شیئر کریں کچھ اس کی جاننے کی کوشش کیجئے میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں گھر سے ملنے والا پیار اور توجہ اسے صرف گھر تک محدود کر دے گی۔" اس کے سمجھانے والے اسٹائل پر باہر کھڑا اسدید مسکرا دیا، وہ ابھی ابھی آیا تھا اور سب سے مل کر اس سے ملنے چلا آیا تھا۔

"میں امی اور ابو سے......؟"

"نہیں بھائی آپ ان دونوں سے یہ ذکر مت کیجئے گا آپ اپنے پیرنٹس کی نیچر سمجھتے ہیں آنٹی ذرا غصیلی ہیں وہ زیادہ برداشت نہیں کر پائیں گی اور وینو جان جائے گی کہ آپ لوگ اس کے اور عامر کے بارے میں جانتے ہو، پھر آپ لوگوں سے ڈرے بغیر ہر وہ کام کر گزرے جو اس نے ابھی تک نہیں کیا۔" وہ بے اختیار کہہ گئی۔

"تو میں کیا کروں؟" سدید نے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا تھا۔

"یار بیچاری گھنٹے سے سمجھا رہی ہے ابھی بھی تم یہ سوال کر رہے ہو، میرا خیال ہے تم صبح یہاں آ جاؤ ہم مل کر اس مسئلے کا حل نکالتے ہیں ٹھیک ہے۔" اس کے شگفتہ انداز پر وہ حیران تھا، جبکہ طہور ناراض سی اسے گھور رہی تھی، کچھ دیر اس نے الوینہ کے بھائی سے بات کی اسے سمجھایا اور باتیں کیں پھر فون بند کر دیا۔

"تم مجھے ایسے کیوں گھور رہی ہو، شرم آتی ہے پندرہ دن بعد آیا ہوں اور نہ سلام نہ دعا بلکہ ایسے گھور رہی ہو جیسے مجھے زندہ ہی نگل جاؤ گی خیر

تو ہے آج چچی جان نے تمہیں ڈنر نہیں کروایا۔"

"آپ کو میں نے کتنی دفعہ کہا ہے کہ آپ میرے کمرے میں آنے سے پہلے دروازہ ناک کرلیا کریں، مگر آپ ہمیشہ یونہی دندناتے ہوئے آجاتے ہیں۔" اس کے سخت لہجے پر اس نے خاموش نظروں سے اسے دیکھا اور اسی خاموشی سے اس کے کمرے میں سے نکل گیا۔

"چچی آپ کی بیٹی اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہے؟" وہ چچی کے کمرے میں چلا آیا۔

"کیوں کیا ہوا؟" وہ مسکرادیں ان دونوں کی لڑائی جب بھی ہوتی تھی وہ یونہی منہ پھلائے چلا آتا تھا۔

"ہر دفعہ لڑنے کا کوئی نیا بہانہ مل جاتا ہے اسے کہنے لگی میں اس کے کمرے میں بغیر ناک کیے کیوں آتا ہوں؟"

"تو غلط تو نہیں کہا تم خود پڑھے لکھے ہو تمہیں ایسی بات کہنے کا موقع ہی نہیں دینا چاہیے تھا۔" تائی نے اسے ہی لتاڑ دیا۔

"اماں آپ فضول میں اس کی سائیڈ نہ لیا کریں۔"

"اچھا تو میں تمہاری سائیڈ لوں؟ تمہاری سائیڈ لینے کو تمہاری چچی جو ہے اور ویسے بھی جب تم غلط ہو تو میں تمہاری سائیڈ کیسے لے سکتی ہوں؟" انہوں نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"بہرحال چچی آپ طہور کی سمجھائیں مجھ پر زیادہ رعب نہ جھاڑا کرے۔"

"یہ بات آپ براہ راست مجھے بھی کہہ سکتے ہیں بڑوں کو درمیان میں کیوں گھسیٹ رہے ہیں۔" طہور دروازے میں کھڑی تھی۔

"ایک تو آپ کے آنے کا کچھ پتا نہیں ہوتا بغیر اطلاع دیئے ہی آجاتے ہیں اس پر آپ بغیر ناک کیے کمرے میں آجائیں تو، سدید نجانے آپ کو آرمی میں جاب کیسے مل گئی۔" اس کی بات سن کر وہ تلملا ہی تو گیا۔

"تائی انسان اپنے کمرے میں کتنا ریلیکس ہو کر بیٹھا ہوتا اور یہ موصوف......؟"

"اچھا بس بہت ہوگئی ٹھیک ہے میری غلطی تھی مان لی اب مجھے معاف کردو۔" وہ جھنجھلا گیا۔

حقیقت یہی تھی کہ وہ اپنی غلطی مان چکا تھا، اس کے کمرے میں جانے کے بعد جس طرح اس نے اٹھ کر دوپٹہ اوڑھا تھا اور کھلے بال سمیٹے تھے تب اسے شرمندگی ہوئی تھی۔

"اماں میں واپس جا رہا ہوں اب اطلاع کر کے ہی آؤں گا۔" وہ اٹھا تھا سب ارے ارے ہی کرتے رہ گئے تھے لیکن وہ برق رفتاری سے کمرے سے نکل گیا، طہور اس کے پیچھے لپکی وہ اپنے کمرے میں جا کر بیگ اٹھا رہا تھا۔

"آپ کہیں نہیں جا رہے اوکے۔" اس نے بیگ پکڑنا چاہا۔

"کیوں......؟" اس نے بیگ چھینا۔

"سدید ابھی تو آپ آئے ہیں۔"

"ہاں تو میرے آنے سے آپ کون سا خوش ہوئی ہیں؟" اس نے چڑچڑے پن سے جواب دیا۔

"ہر بات بتانا ضروری تو نہیں۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔

"اچھا لیکن ہر بات چھپانا ضروری تو نہیں۔" اسی کے انداز میں کہا۔

"آپ نہیں جا رہے ناں۔" ایکدم پلکیں اٹھا کر پوچھا، اسے اپنی طرف تکتا پا کر پھر پلکیں

جھک گئیں۔

"ایک شرط پر اگر تم میرے ساتھ آئس کریم کھانے چلو۔" اس نے بیگ سے ہاتھ ہٹائے۔

"میرے خیال میں آپ یقیناً چلے جائیں۔" خفگی اس کے ہر انداز سے چھلک رہی تھی وہ مسکرادیا۔

"اب تو میں نہیں جا رہا۔"

"ٹھیک ہے میں چلتی ہوں۔" وہ پلٹی۔

"طہور۔" اس کے لہجے کی سنجیدگی نے اسے پلٹنے پر مجبور کردیا۔

"مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے پلیز کچھ دیر بیٹھ جاؤ۔" طہور اس کی سنجیدگی میں الجھ گئی اس کے چہرے پر چھایا گمبھیر تاثر اس کے اعصاب پر بوجھ بن رہا تھا، وہ خاموشی سے اس کے سامنے پڑی کرسی پر ٹک گئی۔

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت آن پڑی ہے، ایکچوئیلی میں صرف ایک دن کی چھٹی پر آیا ہوں، نہیں جانتا اس کے بعد میں آ بھی سکوں گا یا نہیں۔" وہ بات شروع کر کے خاموش ہوا۔

"کیا مطلب آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" اس کا لہجہ لرزنے لگا تھا۔

"طہور میری پوسٹنگ بارڈر پر ہوگئی ہے مجھے پرسوں اپنی بٹالین کے ساتھ وہاں جانا ہے، وہاں پتا نہیں کتنا عرصہ لگ جائے کوئی بھی نہیں جانتا، پلیز تم اماں کو بتانے میں میری مدد کرو، تم جانتی ہو ناں اماں مجھے جانے کی پرمیشن نہیں دیں گی۔" وہ جانتی ہیں آج کل حالات کتنے خراب تھے بارڈر پر روز گولہ باری ہو رہی تھی۔

"تو آپ کو لگتا ہے میں آپ کو خوشی خوشی رخصت کروں گی، پھر تائی اماں کو بھی میں ہی سمجھاؤں گی، آپ کیا سمجھتے ہیں میں آپ کی ہر بات پر لبیک کہوں، سوری مسٹر سدید میں اس معاملے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتی اور ایک بات یاد رکھیے اگر آپ کو ذرا سا بھی نقصان ہوا تو بلیومی میں ساری زندگی۔" وہ ایکدم خاموش ہو گئی۔

"تم ساری زندگی کیا کرو گی؟" وہ جس بے اختیاری سے اپنے جذبوں کو عیاں کر گئی تھی اس نے سدید کو آسمانوں پر پہنچا دیا تھا، اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور وہاں سے نکلنے میں ایک پل لگایا تھا۔

☆☆☆

ماہ رمضان شروع ہو چکا تھا، طہور کی دعائیں مزید لمبی ہونے لگیں، الوینہ کے لئے راہ راست کی دعائیں اور سدید کی کامیاب واپسی کی دعا ہر وقت اس کے لبوں پر ہوتی۔

"طہور آج الوینہ کو عامر کی اصل صورت دکھانی ہے تم میرے ساتھ چل رہی ہو۔" امامہ نے پوچھا۔

"نہیں امامہ بہتر ہوگا کہ تم صرف اس کے سامنے ایسا کرو ہم میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ ہوا تو وہ زیادہ شرمندگی محسوس کرے گی اور میں نہیں چاہتی کہ کم از کم وہ اس گھٹیا شخص کے لئے شرمندہ ہو۔" ماہ نور اور الینہ نے اس کی بات کی حامی بھری۔

واپسی پر وہ الوینہ کو اپنے گھر لے آئی، اس نے گھر فون کر کے بتا دیا تھا۔

"جانتی ہو امامہ گھر والوں کا رویہ میرے ساتھ بہت بدل گیا ہے بھائی رات کو میرے پاس بیٹھ کر اتنی باتیں کرتے ہیں، آپی بھی میرا اتنا خیال رکھتی ہے اس دفعہ انہوں نے عید کے کپڑے میری پسند کے بنوائے ہیں اور پتا ہے صبح

جب بھائی میرے سر پر ہاتھ رکھ کر مجھ سے پوچھتے ہیں کہ مجھے کچھ چاہیے تو نہیں تو مجھے کتنا اچھا لگتا ہے۔"

"ہاں مجھے ایک بات میں بہت شرمندگی ہوتی ہے عامر کی وجہ سے، اگر بھائی کو وہ سب پتا چل گیا تو وہ کتنے ہرٹ ہوں گے۔" امامہ اس کے انداز پر خوش ہوگئی یعنی طہور کا اس کے بھائی کو سمجھانا بے کار نہیں گیا تھا۔

"یعنی تم خوش ہو۔" اس نے عامر کے نمبر ڈائل کرتے ہوئے پوچھا۔

"بہت۔" مختصر جواب دیا۔

"ہیلو عامر! امامہ بول رہی ہوں۔" الوینہ نے حیرت سے دیکھا، امامہ کے پاس عامر کا نمبر کہاں سے آیا، امامہ نے اسپیکر آن کر دیا۔

"ہاں جان عامر کیسی ہو، بڑے دنوں کے بعد فون کیا، اپنا نمبر تو دیتی نہیں کہ میں فون کر کے ہی تمہاری خیریت پوچھوں۔" اس کے انداز میں ویسی ہی بے تابی تھی جیسی الوینہ کے لئے ہوتی تھی۔

"میں ذرا مصروف تھی ایکچوئیلی رمضان المبارک ہے ناں تو ذرا وقت کم ہی ملتا ہے۔" اس نے الوینہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ تو ہے اچھا تم مجھ سے کیا عیدی لینا چاہو گی؟"

"جو مانگوں گی دو گے؟"

"ہاں ضرور تم مانگو تو سہی تمہارے لئے تو جان بھی حاضر ہے۔" اس کے لہجے میں چھپا پیار الوینہ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

"الوینہ سے بات کرنا چھوڑ دو، میں چاہتی ہوں صرف میرے رہو، الوینہ سے کو تعلق نہ ہو۔" الوینہ کے چہرے کا رنگ اڑا۔

"بس اتنی سی بات ارے میں تو اس سے بات کرنا پسند ہی نہیں کرتا وہ ہی ڈھیٹ ہے جو مجھ سے چپکی ہوئی ہے، میں اس سے اتنا روڈلی بات کرتا ہوں پھر بھی نہیں سمجھتی اب تمہاری خاطر صاف صاف کہہ دوں گا۔"

"میں نے تو سنا ہے تم نے اسے ملنے کے لئے بلایا تھا۔"

"میں نے......؟ توبہ توبہ میں کیوں ایسا چاہوں گا، ایک نمبر کی مکار لڑکی ہے اسے اپنے گھر والوں کی عزت کا کوئی پاس ہی نہیں ہے۔" الوینہ کا چہرہ لٹھے کی طرح سفید پڑ رہا تھا۔

"عامر میرا خیال ہے امی آ رہی ہیں میں بعد میں بات کرتی ہوں۔" اس نے فون رکھا اور آگے بڑھ کر اسے تھاما جو گرنے کو تھی وہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر سسک ہی تو پڑی۔

"تم نے مجھ سے میرے عامر کو چھین لیا، کیوں کیا؟" امامہ نے جھٹکے سے اسے پیچھے دھکیلا۔

"کیا کہا......؟" اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو تمہارا دماغ خراب ہے تمہیں لگتا ہے کہ میری چوائس اتنی گھٹیا ہے کہ میں عامر کو پسند کروں گی یا اس سے پیار کروں گی اگر میری چوائس ایسی ہو تو پھر مجھ پر لعنت ہے۔" غصے سے اس کا سارا جسم کانپنے لگا تھا۔

"الوینہ آپ کے لئے میں نے اس گھٹیا شخص سے اتنے دن بات کی تا کہ آپ کو اس کی حقیقت بتا سکوں، وہ تم سے پیار نہیں کرتا ناں ہی تمہارے لئے سیریس ہے اور تم اس کی خاطر گھر والوں کے اعتبار کو توڑ کر اس سے ملنے جاتی رہی ہو، انہیں دھوکہ دے کر تم اس سے فون پر پیار

بھری باتیں کرتی رہی اور اس دفعہ تو تم اس سے ملنے اس کے ساتھ فلیٹ تک چلی گئی، تم سوچو اگر تمہارے ساتھ تمہاری ماں کی دعائیں نہ ہوتیں تو کیا تم بچ پاتی؟ ایک مرد سے لڑکی کو اپنی عزت بچانا اتنا آسان نہیں تم شکر کرو کہ تمہارے ساتھ تمہاری حفاظت کرتی اتنی دعائیں تھیں ورنہ جس مقصد کے لئے وہ تمہیں اتنے عرصے سے بیوقوف بنا رہا تھا وہ مقصد تو حاصل کر ہی چکا تھا۔" وہ اسے جتنا لتاڑ سکتی تھی لتاڑ رہی تھی۔

"دراصل تم پیار کے لائق ہی نہیں، میں آج ہی تمہارے گھر فون کرتی ہوں اور تمہاری ساری حقیقت انہیں بتاتی ہوں تم ہمارے سمجھانے سے تو سمجھی نہیں ہو اب جب گھر والے جوتوں سے سمجھائیں گے تب عقل آئے گی۔"

"پلیز امامہ میں آئندہ اس سے بات نہیں کروں گی، پلیز تم گھر فون مت کرنا، مجھے بہت عرصے بعد سب کا پیار اور توجہ ملی ہے پلیز مجھ سے وہ نہ چھینو۔" اس کا گڑگڑانا ثبوت تھا کہ وہ چاہے تو خود کو بدل سکتی ہے۔

"وینو ہم تمہارے دشمن نہیں اگر عامر اچھا اور سلجھا ہوا لڑکا ہوتا تو بلیو می ہم سب مل کر اسے تمہارا نصیب بناتے، وہ صرف تمہارے جذبوں سے کھیل رہا ہے اور تم اتنی بے وقوف ہو کہ بلا تکلف اسے سچ جان کر سارے جذبے لٹتی جا رہی ہو، تم نے دیکھا ناں کہ وہ مجھ سے بھی ایسی ہی باتیں کرتا ہے جو تم سے کرتا ہے اس کے لہجے میں میرے لئے بھی اتنا ہی پیار ہوتا ہے جتنا تمہارے لئے ہوتا تھا ڈفر کم از کم اب تو سمجھو کہ وہ تم سے سنسیئر نہیں ہے۔" وہ لمحہ بھر کے لئے رکی۔

"جانتی ہو کہ مرد خود جیسا بھی ہو اسے بیوی جذبوں کی کنواری چاہیے اور جانتی ہو درست راہ تو یہی ہے ناں کہ لڑکی اپنے جذبے اپنا پیار صرف اپنے شوہر کی خاطر سینچ سینچ کر رکھے اور جب وہ اس کی زندگی میں شامل ہو تو ہر جذبہ اس پر نچھاور کر دیں۔" وہ سانس لینے کو رکی۔

"ویل ڈن بھئی ویل ڈن۔" آواز پر دونوں بے ساختہ پلٹی تھیں۔

"آپ...... آپ یہاں؟" اس کا سانس سینے میں اٹکنے لگا، وہ امامہ کا کزن تھا کچھ دن پہلے ہی لندن سے آیا تھا، وہ دھیرے سے چلتا اس کے نزدیک چلا آیا۔

"کیا آپ نے یہ سب اپنی ذات کے لئے بھی سوچ رکھا ہے؟"

"جی۔" حیرت بھرے لہجے میں پوچھا، وہ مسکرا دیا۔

"تم نے بالکل ٹھیک کہا واقعی مردوں کو تمہارے جیسی لڑکیاں ہی اپیل کرتی ہیں جیسے کہ تم نے اور تمہاری خوبصورت باتوں نے مجھے...... خیر باتیں بعد میں بتاؤں گا۔" وہ دونوں کو حیرت زدہ چھوڑ کر باہر چلا گیا۔

امامہ نہیں جانتی تھی کہ اس کا الوینہ کو سمجھانا اس کے اپنے لئے ہی سودمند ثابت ہوگا کہ اس کا کزن اسے پرپوز کر دے گا، اس کے گھر والوں نے اتنا اچھا پرپوزل فوراً ہی ایکسیپٹ کر لیا، عید کے دن اس کی منگنی کا فنکشن تھا اس کی اسٹوری سن کر ہر کوئی ایکسائیٹڈ تھا الینہ، ماہ نور اور الوینہ نے چھیڑ چھیڑ کر اس کے ناک میں دم کر رکھا تھا۔

جی ہاں الوینہ جس پیار کی متلاشی تھی وہ پیار اسے گھر والوں سے ملنے لگا تھا، اس نے عامر پر ہزار لعنتیں بھیجی تھیں، اس نے پیار کے اصل معنی جان لئے تھے گھر والوں کے سونپے گئے اعتبار کو اب سنبھال سنبھال کر رکھ رہی تھی، اسے بھائی

کے بھروسے نے سیدھی راہ پر لگایا تھا، جب عامر نے گھر فون کر کے اس کے بھائی سے الٹی سیدھی بکواس کی تھی وہ ان کے پاس ہی کھڑی تھی، بھائی نے کتنے یقین سے کہا تھا کہ اگر وینو خود بھی مجھے ایسی کوئی بات بتائے تو میں نہیں مانوں گا کیونکہ میں جانتا ہوں جو اعتبار ہم اس پر کرتے ہیں اسے وہ کبھی توڑ ہی نہیں سکتی، تب الوینہ نے قسم کھائی تھی کہ کبھی بھی وہ اپنے گھر والوں کے اعتبار کو ٹھیس نہیں پہنچائے گی۔

☆☆☆

''طہور بیٹا یہ اپنی کیا حالت بنالی ہے، دیکھو ذرا آنکھیں کیسی ہو رہی ہیں؟'' تائی جان نے اسے پیار سے پٹاتے ہوئے کہا۔

''تائی عبادت کی راتیں ہیں ناں تو بس ساری رات عبادت میں گزر جاتی ہے، جاگ جاگ کر آنکھوں کا یہ حال ہو گیا ہے۔'' اس نے آنکھوں کو پوروں سے دباتے ہوئے کہا حالانکہ وہ دونوں یہ جانتی تھیں کہ ساری رات وہ عبادت کے ساتھ روتی بھی رہتی ہے۔

''شام کو میں اور تمہاری ممی تمہاری آپا کو عیدی دینے جا رہی ہیں تم چلو گی ناں؟'' انہوں نے پوچھا۔

''نہیں تائی جان شاید آج چاند نظر آ جائے میں گھر میں ہی رہوں گی۔'' انہوں نے اچھا کہا تو وہ خاموشی سے اٹھ گئی، شام کو روزہ افطار کرتے ہی وہ اوپر چھت پر آ گئی، باریک سا چاند اپنی جھپ دکھا رہا تھا، اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لئے۔

''یا اللہ تو رمضان کی عبادتوں کا صلہ تو عید پر دیتا ہے یا اللہ تو میری دعا کو قبول فرما، ہمیں سدید کی کوئی خبر پہنچا دے۔'' آنکھوں سے آنسو بے اختیار پھسل آئے تھے۔

''کیا مانگا جا رہا ہے جناب؟'' سدید کی بھاری آواز اس کے کان کے پاس ابھری۔

''سدید!'' وہ ایک دم پلٹی۔

''آپ آ گئے۔'' اس نے دیوانوں کی طرح اسے چھو کر دیکھا اور محسوس کیا، پھر بے اختیار اس کے سینے پر سر رکھ کر سسک پڑی، وہ اس کی اس حرکت پر خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو گیا، وہ نہیں جانتا تھا کہ کبھی طہور اس کے لئے اتنی بے قرار بھی ہو گی۔

''ارے واہ یہاں کیا ہو رہا ہے بھئی؟'' الینہ کی انٹری نے اسے چونکایا وہ فوراً پیچھے ہوئی۔

''بکواس مت کرو۔'' اپنی جھینپ مٹانے کو اسے ڈپٹا۔

''اچھا۔'' اس نے بے اختیار کہا تو سدید کھلکھلا دیا، وہ بھی ہنس دی۔

''آپ بتائیے آپ کو شرم نہیں آئی میری دوست کو اتنا پریشان کرنے کی، کم از کم ایک خیریت کی اطلاع ہی دے دیتا، ان تین مہینوں میں اس نے رو رو کر اپنی جو حالت بنائی اس پر غور کیجئے۔'' یہ تو وہ اتنی دیر میں اس کے چہرے پر کھوج ہی چکا تھا مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

''مجھے تو یقین ہی نہیں ہوتا کہ یہ میرے لئے آنسو بہاتی رہی ہے امیزنگ۔''

''آپ تھے نہیں ناں تو اس لڑکی نے......؟''

''تم چلو مجھے تم سے مہندی لگوانی ہے مرد نیچے۔'' اس نے الینہ کا بازو پکڑ کر سیڑھیوں کی طرف دھکیلا وہ ہنستی ہوئی نیچے اتر گئی۔

''سنو تھینکس۔'' اس نے کلائی پکڑ کر کہا۔

''کیوں......؟'' اس نے کلائی چھڑاتے ہوئے پوچھا۔

''اس قرار کا جس کا میں برسوں سے منتظر تھا۔'' اس نے جھک کر اس کے کان میں کہا۔

''میں نے ایسا کوئی اقرار نہیں کیا۔'' اس نے سدید کو پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا۔

''ہر اقرار لبوں سے نہیں ہوتا آج تو تمہارے روئیں روئیں نے اقرار کیا ہے کہ تم بھی مجھے اتنا ہی چاہتی ہو جتنا میں تمہیں چاہتا ہوں۔'' وہ گمبھیر لہجے میں کہتا گیا۔

''اچھا۔'' وہ ایکدم کھلکھلا دی اور اسے منہ چڑاتی سیڑھیاں اتر گئی۔

''ارے سنبھل کر۔'' وہ لڑکھڑائی تو بے ساختہ بولا اور وہ کھلکھلاتی ہوئی الینہ کے پاس آ بیٹھی تھی، الینہ فون پر سب کو اطلاع دے رہی تھی، سدید کے آنے کی اور اس کے حصے مبارک باد سمیت رہی تھی۔

''چاند مبارک ہو۔'' الینہ نے فون رکھ کر کہا۔

''خیر مبارک تمہیں بھی، چاند مبارک ہو۔'' اس نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''بھئی مجھے کسی نے بھی مبارک نہیں دی۔'' سدید نے پیچھے سے ہانک لگائی۔

''ارے تو اتنی دیر اوپر کیا جھک مارتی رہی ہو؟'' اس نے طہور کے کان میں کہا تو اس نے بے ساختہ اس کی کمر پر دھموکا جڑا تھا۔

''ویسے تمہیں دونوں چاند نظر آنے کی مبارک قبول ہو۔'' وہ دوبارہ سرگوشی کہہ کر ہنسنے لگی اب کے اس کی ہنسی میں طہور کی مسکراہٹ بھی شامل ہو گئی تھی۔

☆☆☆

میری دسترس میں ستارے

سندس جبیں

ناولٹ

''اس ملک میں کسی کا کوئی فیوچر نہیں ہے۔'' ناشتے کی میز پر یہ بیان دینے والی شخصیت ''ایاز احمر'' کی تھی جو کہ اپنے خیالات اور بیانات کی طرح خود بھی ایک انقلابی شخصیت کے حامل تھے۔

ساتھ بیٹھے عباس احمر نے کسی ناپسندیدگی سے بڑے بھائی کو دیکھا۔

''لیکن آپ کا فیوچر تو محفوظ ہے نیویارک میں۔'' وہ طنز سے بولا، ایاز نے برا نہیں مانا، مزے سے چائے کے گھونٹ بھرتا رہا۔

''میرا تو تمہیں بھی یہی مشورہ ہے عباس! اپنا ایم بی اے مکمل کرو اور تم بھی۔'' عباس نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔

''مجھے کہیں نہیں جانا۔''

''عباس ٹھیک کہہ رہا ہے ایاز! تمہیں جانا ہے تو تم جاؤ مگر کسی دوسرے پر اپنی رائے مسلط کرنے کا کوئی حق نہیں۔'' وقار نے مداخلت کرتے ہوئے دوٹوک انداز میں کہا۔

''ہاں کیونکہ ہم آزاد ملک کے آزاد شہری ہیں جہاں ہر شخص کی رائے آزاد ہے۔'' ایاز نے آزاد پر زور دیتے ہوئے مذاق اڑایا۔

''بالکل۔'' وقار نے متانت سے کہا۔

''کیا بات ہے آپ کے آزاد ملک کی جس کی عدلیہ سے لے کر معیشت تک کچھ بھی آزاد نہیں ہے۔'' ایاز نے استہزائیہ انداز میں کہا اور بڑبڑایا۔

''غلام حکومت، غلام لوگ۔''

''آپ جا رہے ہیں نا آزاد لوگوں میں کیجیے گا وہاں آزادی کو انجوائے، ہمیں یہاں خوش رہنے دیں۔'' عباس نے طنز کیا۔

رمشہ جو بڑی دیر سے ضبط کر رہی تھی اب کہ رہ نہ سکی، بھڑک ہی تو اٹھی تھی وہ ایاز کی

فرمودات سن کر۔

''ایاز صاحب! ملک بنتے ہیں لوگوں سے، ٹھیک، ورنہ وہ ایک بنجر زمین ہوتی ہے جس میں وسائل تو ہوتے ہیں مگر انہیں استعمال کرنے والا کوئی نہیں ہوتا اور خالی زمینوں کو لوگ آباد کرتے ہیں تو آپ صرف زمین کو کیسے الزام دے سکتے ہیں، ان لوگوں کو کیوں نہیں جو اختیار رکھتے ہیں کہ ان وسائل کو تباہ کیا جائے یا استعمال۔'' ہلکی سی گندمی رنگت میں ملاحت لئے تیکھے لب و لہجے والی یہ شخصیت رمشہ کی تھی۔

''پڑ گیا محترمہ کو حب الوطنی کا دورہ۔'' ایاز ہلکے سے بڑبڑایا، رمشہ کا رنگ سرخ پڑا تھا۔

''مجھے سخت برے لگتے ہیں وہ لوگ جو جس تھالی میں کھاتے ہیں اسی میں چھید کرتے ہیں، کیا نہیں دیا اس مٹی نے آپ کو؟ اناج، خوراک، روپیہ پیسہ اور تعلیم، یہ جو چھ فٹ کا قد نکالا ہے نا آپ نے، یہ اسی دھرتی کی خوراک کھانے کا نتیجہ ہے اور یہ جس ایم بی اے کی ڈگری پہ اتنا غرور ہے نا آپ کو یہ بھی اس ناکام ملک کی یونیورسٹی کی عطا کردہ ہے اور آپ جیسے لوگ صرف لینا جانتے ہیں۔'' وہ تلخ لہجے میں کہتی گئی، وقار نے بمشکل اسے روکا۔

''بس کرو رمشہ، اتنا سنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں کیا ہو گیا ہے؟''

''ہونہہ۔'' وہ اٹھ کر چلی گئی۔

''آپ ذرا اسے قابو میں رکھیں وقار بھائی! اس کی بدتمیزیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔'' ایاز نے غصے سے کہا۔

''تمہیں پتا تو ہے وہ تعصب کی حد تک محب الوطن ہے۔'' وقار دھیرے سے ہنس دیئے۔

''تو اور کیا؟'' اب تک خاموش بیٹھا شاہ بخت بول اٹھا۔

''وہ تو اس حد تک متعصب ہے کہ غیر ملکی پروڈکٹس تک استعمال نہیں کرتی، آپ نے غلط بندے کی موجودگی میں غلط بات کی تھی۔'' اس نے مزید اضافہ کیا، ایاز کا موڈ بگڑ گیا۔

''ارے یہ کیا بھئی، ناراض ہونے کی نہیں ہو رہی، چند دن بعد تمہاری شادی خانہ آبادی ہے، چہرے کے تاثرات درست رکھو، صحت پر اچھا اثر پڑے گا۔'' وقار بھائی نے سمجھایا تھا۔

''شادی خانہ بربادی وقار بھائی! تصحیح کر لیں۔'' شاہ بخت شرارت سے ہنسا، ایاز لب بھینچ کر اٹھ گیا۔

اسی وقت رمشہ چلی آئی، اپنے کندھوں تک آتے بالوں کو پونی ٹیل کی صورت میں جکڑے، کندھے پہ بیگ ڈالے، لان کے خوبصورت پرنٹ کی لانگ شرٹ اور ٹراؤزر میں وہ یونیورسٹی جانے کے لئے پوری طرح تیار تھی۔

''بخت! تم تیار ہو؟'' وہ عجلت میں تھی۔

''ہاں چلو۔'' وہ تیز تیز چائے کے گھونٹ بھرنے لگا۔

''رمشہ بہت شکائتیں آ رہی ہیں تمہاری۔'' وقار نے تنبیہی لہجے میں کہا۔

''بھائی پلیز۔'' اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔

''کبھی انہیں بھی سمجھا لیا کریں۔''

''تم سمجھنے کو تیار ہو جو میں اسے سمجھاؤں۔'' وہ اس کی سرکشی دیکھ کر سخت لہجے میں بولے۔

''مجھے کچھ نہیں سمجھنا۔'' وہ پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی، وقار نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''عباس کے ساتھ بیٹھی علینہ اتنی رغبت اور محویت سے ناشتہ کرنے میں مصروف تھیں جیسے یہ سارا تماشا کہیں اور ہو رہا ہو۔'' انہوں نے

قدرے فخر اور رشک سے اسے دیکھا، رمشہ میں اور اس میں زمین آسمان کا فرق تھا، رمشہ جتنی منہ پھٹ تھی وہ اتنی ہی کم گو، وہ جتنی پر اعتماد اور مضبوط تھی یہ اتنی ہی سادہ ور کسی حد بزدل اور مؤدب، علینہ نے دودھ کا گلاس ختم کیا اور عباس کی طرف مڑی۔

''عباس بھائی! میں تیار ہو جاؤں؟'' اس کا لہجہ دھیما اور نرم تھا۔

''ہاں جاؤ۔'' عباس نے کہا تو وہ سر ہلاتی مڑ گئی وہ عباس کے ساتھ کالج جاتی تھی، میز پر صرف وقار اور عباس رہ گئے۔

''ہاں بھئی، وہ جو کام تمہارے ذمہ لگایا تھا کہاں تک پہنچا؟'' وقار نے پوچھا۔

''میں نے ایک کمپنی سے بات کی ہے، ایونٹ آرگنائز کرتی ہے، آج کل میں ایک فائنل ڈسکشن کروں گا، ویسے مجھے پورا اطمینان ہے ان کے کام پر۔''

''ٹھیک ہے پھر، چلتا ہوں، شام میں ملاقات ہوگی۔'' وقار اٹھ گئے، وہ وہیں بیٹھا رہا۔

''کیا بات ہے عباس! کوئی چیز چاہیے؟'' آمنہ بھابھی نے اسے میز پہ بیٹھا دیکھا تو پوچھ لیا۔

''جی نہیں بھابھی میں بس جا رہا تھا۔'' وہ اٹھ گیا۔

اسی وقت علینہ چلی آئی جلدی جلدی ہاتھ میں گھڑی باندھتی، سفید یونیفارم اور پرپل دوپٹے میں وہ بہت سادہ ہونے کے باوجود بھی پرکشش لگ رہی تھی۔

عباس اس کے ساتھ چلا گیا، کچھ دیر بعد آمنہ بھابھی ملازمہ کو لئے ہوئے ڈسٹنگ کے لئے چلی آئیں، ان کی مدد کے لئے کومل بھی ساتھ تھی۔

☆☆☆

''نوری...... او...... نوری۔'' اماں کی پاٹ دار آواز سن کر وہ تڑپ کر کچن سے نکلی، لال بھبوکا چہرہ، آنسوؤں سے بھری آنکھیں اور ہاتھ میں ادھ چھلا پیاز تھا۔

''آپ سے کتنی بار کہا ہے اماں! میرا نام نور العین ہے جب سب عینی کہتے ہیں تو آپ کو کیا وقت ہے، زہر لگتا ہے یہ ملازماؤں والا نام مجھے نوری...... نوری۔'' وہ سرخ چہرے کے ساتھ کہتی غڑاپ سے واپس کچن میں چلی گئی، اماں حق دق سے بیٹھی رہ گئیں۔

داخلی دروازے کے دائیں جانب نیم کے درخت تلے کرسی ڈالے نفسیات کی بک کو رٹتی ستارا کی ہنسی چھوٹ گئی، اماں نے جیسے اس کا ہنسنا دیکھا ہی نہیں۔

''تو نے دیکھا سمی! کیسے ہاتھ سے نکلتی جا رہی ہے یہ۔'' وہ شدید صدمے کے زیر اثر تھیں۔

''آپ سے کتنی بار کہا ہے اماں میرا نام ستارا ماہم ہے جب سب ستارا کہتے ہیں تو آپ نے یہ کیا ملغوبہ سمی بنا رکھا ہوا ہے مجھے۔'' اس کے لبوں کی دھیمی ہنسی شرارت کی غماز تھی۔

مگر اس سے پہلے کہ اس کی بات مکمل ہوتی، اماں کا ہاتھ جوتی تک جا پہنچا۔

اور اگلے ہی لمحے وہ قل قل ہنستی سیڑھیاں پھلانگتی یہ جا وہ جا، نیچے اماں کی بڑبڑاہٹ ہنوز جاری تھی۔

''آ لینے دو عائشہ کو، سب بتاتی ہوں کیسے بدتمیزیاں بڑھتی جا رہی ہیں دونوں کی، اس کے ہوتے بھی چوں نہیں کی اس کے جاتے ہی پر نکل آئے ہیں دونوں کے حد ہے ماں کے نام لینے پہ بھی اعتراض ہے۔'' وہ بولے جا رہی تھیں۔

ستارا نظر انداز کرتی چھت کے کونے پر

نیچے چارپائی پر لیٹ گئی، شام آہستہ آہستہ گہری ہو رہی تھی، پرندوں کے غول در غول اپنے اپنے آشانوں کی طرف رواں دواں تھے وہ چارپائی پر لیٹ کر ٹکٹکی باندھ کر وسیع و عریض آسمان کو دیکھنے لگی، اسے سفید اور نیلے امتزاج کے روئی کے گالوں جیسے آسمان کو دیکھنا بہت اچھا لگتا تھا، ڈوبتا زرد سورج اسے خوامخواہ اداس کر دیا کرتا تھا اس کی نظر آسمان سے ہوتی ہوئی دیوار پر بیٹھی چڑیا پر آ کر رک گئی، جو متلاشی اور بے چین نظروں سے کچھ کھانے کو ڈھونڈ رہی تھی جلد ہی اسے اپنی مطلوبہ چیز نظر آ گئی، چھت کے ایک صاف ستھرے کونے میں بکھرے چاول اور روٹی کے ٹکڑے اور پانی سے بھرا ہوا آب خورہ، وہ پھر سے اڑ کر زمین پر آ گئی اور چاولوں پر چونچ مارنے لگی۔

وہ تھوڑی دیر اسے دیکھتی رہی پھر نگاہ پلٹ کر آسمان پر چلی گئی اور اس کے ساتھ ہی سوچ کا زاویہ بدلا اور چھم سے ایک نام ذہن کے پردے پر جھلملا گیا۔

''مہروز کمال۔''

ستارا کا ہم سفر، اس کے لبوں پر ایک دلکش مسکراہٹ آ گئی، ایک سال پہلے ستارا کا نکاح مہروز کمال کے ساتھ ہوا تھا، رخصت ہو کر اسے سنگاپور جانا تھا، ستارا کا ایم ایس سی کا فائنل ایئر چل رہا تھا اور اماں بابا کا خیال تھا کہ ایگزامز کے بعد ستارا اور عینی دونوں کی شادی کر دی جائے، عینی اپنے ماموں زاد عفان کے ساتھ منسوب تھی۔

وہ انہی خیالوں میں گم تھی جب چونکی تو پتا چلا کہ اماں اسے مسلسل آوازیں دے رہی تھیں۔

''کتنی بار کہا ہے اس لڑکی کو، مت چڑھا کرو شام کے وقت چھت پر، مجال ہے جو اثر لے لے میری بات کا ہی، دفع ہو نیچے اور سنتی ہے؟''

اس نے تیزی سے چپلیں پاؤں میں پھنسائیں اور نیچے کی طرف دوڑ لگائی۔

''آ رہی ہوں اماں۔'' نیچے اترتے ہوئے اس نے ماحول کا جائزہ لیا اور امن محسوس کر کے خاموشی سے کچن میں کھسک گئی۔

''تمہاری کیا مدد کروں عینی؟'' اس نے کتاب شیلف پر رکھی اور عینی کی طرف مڑی۔

''سالن تو بن گیا اور چاول بھی تقریباً تیار ہیں تم ابا جی کے لئے روٹی ڈال لو۔'' عینی نے چاولوں کے نیچے آنچ دھیمی کی۔

''اچھا ٹھیک ہے، ویسے تمہیں کیا ہوا ہے؟'' اس نے عینی کے چہرے پر غیر معمولی پن دیکھا تو بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

''عائشہ آپی کا فون آیا تھا۔'' عینی نے آف موڈ کے ساتھ اطلاع دی۔

''تو......؟'' اس نے حیرانی سے پوچھا۔

''تو یہ کہ اماں نے میری ساری شکائتیں لگائی ہیں اور یہ کہ وہ آج شام آ رہی ہیں اور یہ بھی کہ وہ جلد ہی شادی کی بات کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔'' اس نے چیخ کر کہا۔

''تو اس میں اتنا ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟'' ستارا نے ہنسی دبا کر مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔

''ظاہر ہے تمہیں تو خوش ہونا بھی چاہیے آخر کو سنگاپور جیسے خوابوں کے جزیرے پر جانا ہے مگر...... میرے لئے کیا؟ مجھے تو یہیں پھنسنا ہے نا، چار دیوروں اور تین نندوں کے جنجال پورے میں۔'' وہ مزید چیخی۔

ستارا کے لبوں سے مسکراہٹ پل بھر میں غائب ہو گئی اس نے قدرے چونک کر عینی کو دیکھا۔

''یہ جنجال پورہ تمہارا خود کا پسند کیا ہوا ہے، تمہیں اچھی طرح پتا ہے ابا قطعاً راضی نہیں تھے یہ تو اماں کی وجہ سے انہیں مجبور ہونا پڑا اور نہ......''
وہ تلخی سے کہتی چلی گئی۔
عینی کا رنگ لمحوں میں پھیکا پڑ گیا، اس نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے مگر پھر خاموشی سے پلٹ گئی۔
عینی اور عفان ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے چونکہ عینی کسی حد تک تنک مزاج اور جذباتی لڑکی تھی اس لئے بابا کا خیال تھا کہ اتنی بھری پری فیملی میں بحیثیت بڑی بہو کے اپنا کردار اتنی بخوبی نہ نبھا سکے اسی خدشے کو لے کر وہ اس رشتے کے حق میں نہ تھے مگر بیٹی کی خوشی جان کر چپ ہو رہے تھے، البتہ صبح و شام اٹھتے بیٹھتے عینی کو جوائنٹ فیملی کے اصول و ضوابط پر لیکچر دینا نہ بھولتے جس کی وجہ سے وہ رفتہ رفتہ اس موضوع سے بیزار ہونے لگی اور اب تو وہ اس حد تک تنگ آ چکی تھی کہ شادی کے نام پر ہی ہتھے سے اکھڑ جاتی۔
ستارا نے ایک طویل سانس لے کر دل و دماغ سے ان سوچوں کو جھٹکا اور روٹیاں رومال میں لپیٹ کر ہاٹ پاٹ میں رکھیں اور کچن کا دروازہ بند کرتی باہر آ گئی۔
رات کو جب حسب معمول وہ سب کو دودھ کا گلاس دینے کے بعد اپنے اور عینی کے مشترکہ کمرے میں آئی تو وہ آف موڈ کے ساتھ الماری میں کھٹر پٹر کر رہی تھی۔
''عینی!'' اس نے پکارا۔
عینی نے اپنی مصروفیت لمحہ بھر کے لئے موقوف کی، پھر مصروف ہو گئی۔
''ہوں۔'' کچھ دیر بعد اس نے مختصراً ہوں کی۔

''ابھی تک ناراض ہو؟ اب تو عائشہ آپی بھی نہیں آئیں۔''
''نہیں میں کیوں ناراض ہوں گی۔'' عینی کا لہجہ سپاٹ تھا۔
''لیکن مجھے تو لگ رہا ہے کہ ہو......؟'' اس نے اصرار کیا۔
''مجھے خفا ہونے کا کوئی حق ہی نہیں ہے ستارا، اگر میں نے غلطی سے عفان کو پسند کر لیا اور میری بدقسمتی کہ میری اس سے قسمت بھی پھوٹ گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تم مجھے اس طرح ذلیل کرو، اس طرح طنز کرو مجھ پر۔'' وہ پھٹ پڑی، شرمندگی کی تیز لہر نے ستارا کو جامد سا کر دیا۔
''عینی...... پلیز یار...... آئم سوری...... پلیز۔'' وہ ندامت سے فوراً بولی۔
اس کی یہی خصوصیت تھی کہ فوراً اپنی غلطی تسلیم کر لیتی تھی، عینی جواب دیئے بغیر خاموشی سے پلٹ کر کمرے سے نکل گئی، ستارا نے ایک طویل سانس خارج کی اور وہیں بیٹھ گئی، وہ جانتی تھی اس وقت وہ اس کے لاکھ منانے پر بھی نہیں مانے گی، جب دل چاہے گا خود بخود موڈ ٹھیک کر لے گی، یہی سوچ کر اس نے خاموشی سے کتاب پکڑی اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا لی۔

☆☆☆

''ماما! اسید آج آ جائے گا نا۔'' وہ کتاب میں منہمک تھیں جب حبا کے سوال نے انہیں چونکایا۔
''کہہ تو رہا تھا کہ آج واپسی متوقع ہے۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا اور کتاب بند کر کے ایک طرف رکھ دی، پھر پیار سے اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔
''بہت مس کر رہی ہو اسے۔''

''ہوں اور اسے دیکھ لیں ایک بار مجھے یاد نہیں کیا، ایک فون تک نہیں کر سکا۔'' اس نے لاڈ سے ان کے کاندھے پر سر رکھتے ہوئے شکایت لگائی۔

''تو تم اسے کر لیتیں۔'' انہوں نے کہا۔

''کیسے کر لیتی؟ صاف دھمکی دی تھی جناب نے اگر میرا فون گیا نا تو بہت پٹائی کرے گا اور آپ کو پتا ہے نا اس کا ہاتھ کتنا بھاری ہے، اف۔'' اس نے جھرجھری لی، وہ ہنس دیں۔

''پیار بھی بہت کرتا ہے تم سے۔''

''وہ تو مجھے پتا ہے۔'' وہ تفاخر سے گردن اکڑا کر ہنسی، پھر اٹھ گئی۔

''شام تو ہو رہی ہے میں اس کا کمرہ سیٹ کروں اور آپ اس کی پسند کے اچھے اچھے کھانے بنائیں۔'' وہ ڈکٹیشن دینے لگی۔

''پر بیٹے شام کو آپ کے پاپا کے کچھ دوست آ رہے ہیں کھانے پر۔'' وہ ہچکچا گئیں۔

''افوہ ماما! پاپا کے دوست تو ہمیشہ آتے رہتے ہیں، اسید آج کتنے دنوں بعد آ رہا ہے۔'' وہ پیر پٹخ کر بولی۔

''کیا بات ہو رہی ہے؟'' تیمور احمد نے اندر داخل ہوتے ہوئے بیٹی سے پوچھا، وہ انہیں دیکھ کر کچھ مدھم پڑ گئی۔

''کچھ نہیں پاپا۔'' اس نے شکوہ کرتی نظروں سے ماں کو دیکھا اور جھپاک سے باہر نکل گئی، تیمور احمد نے قدرے حیران ہو کر اسے جاتے دیکھا پھر مرینہ کی طرف مڑے۔

''اسے کیا ہوا ہے؟'' ان کا لہجہ کڑا تھا، مرینہ کا رنگ فق پڑ گیا۔

''وہ...... کچھ نہیں...... بس ایسے ہی ضد کر رہی تھی، وہ آج اسید آ رہا ہے نا۔'' انہوں نے بات کو عام سا رنگ دینے کی کوشش کی، مقابل کی نگاہوں میں اتنی سرد مہری اور بیگانگی تھی کہ ان سے بات مکمل نہ کی گئی۔

''تو......؟'' انہوں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

''وہ اہتمام کرنے کا کہہ رہی تھی۔'' انہوں نے ہمت کر کے بات مکمل کی۔

''مجھے اپنی بچی کا اس کے ساتھ اتنا دوستانہ قطعاً پسند نہیں ہے مرینہ خانم اور یہ بات میں آپ کو بارہا بتا چکا ہوں۔'' تیمور کے لہجے میں طوفانوں کی گھن گرج تھی، مرینہ ساکت سی انہیں دیکھتی رہیں، وہ جھٹکے سے مڑے اور باہر نکل گئے۔

☆☆☆

اپریل کا وسط چل رہا تھا، دوپہریں لمبی ہوتی جاتی تھیں اور ہمیشہ کی طرح اس سال پھر علینہ احمر کا امتحان شروع ہو چکا تھا، اتنی لمبی دوپہروں میں اسے نیند نہیں آتی تھی اور جبکہ تینوں پورشنز میں سارے لوگ نیند کے مزے لوٹ رہے ہوتے وہ بولائی بولائی سی اندر باہر پھرتی، اس وقت تو سر کے شدید درد نے اسے گرمی میں سلگتے کچن میں لا کھڑا کیا تھا چائے بنانے کے لئے وہ بڑی محویت سے ساس پین میں ابلتے دودھ کو دیکھ رہی تھی جب کسی نے کچن کا دروازہ ہلکے سے بجایا، وہ بے طرح چونکی، نظر اٹھا کے دیکھا تو دروازے کے فریم میں شاہ بخت کھڑا نظر آیا، اس کی آنکھوں میں ہلکی سی سرخی تھی۔

''ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟''

''جی...... میں بنا دیتی ہوں۔'' اس نے مدھم لہجے میں کہا اور ساس پین میں دودھ کی مقدار بڑھانے لگی۔

وہ اندر بڑی ٹیبل کے ساتھ ٹک گیا اور کسی قدر نظر جما کر اسے دیکھا، لائٹ پرپل اور وائٹ

پرنٹ کے سوٹ میں وہ بے حد جاذب نظر لگ رہی تھی، سلیقے سے دوپٹہ اوڑھے، خاموش طبع اور گھر میں سب سے چھوٹے ہونے کا اعزاز لئے ہوئے علینہ احمر اس پل کچھ اور بھی دلکش لگی تھی۔

''حسن سے کتنوں کا بھلا ہو جاتا ہے۔'' شاہ بخت کی آنکھوں میں ٹھنڈک سی اتر آئی تھی۔

علینہ نے چائے کپوں میں ڈالی او ایک کپ اس کے سامنے رکھا اور اپنا کپ تھام کر باہر نکل آئی۔

ناگواری کی تیز لہر شاہ بخت کے اندر سرائیت کر گئی، اسے بڑی شدت سے احساس ہوا تھا کہ وہ اسے اگنور کرتی ہے اور اپنی ہستی کی نفی ہوتے دیکھنا کہاں ممکن تھا اور شاہ بخت کے نزدیک تو یکسر نا قابل برداشت تھا۔

''وہ میرے ساتھ بیٹھ کر بھی تو چائے پی سکتی تھی لیکن اس طرح مجھے نظر انداز کر کے یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ میرے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کرتی۔'' اس نے تلخی سے سوچا، ایک نظر اپنے سامنے پڑی خوش رنگ چائے کو دیکھا اور سر جھٹک کر گھونٹ لینے لگا۔

ابھی اس نے آدھا کپ ختم کیا تھا جب دروازے سے رمشہ اندر داخل ہوئی۔

''او تھینکس گاڈ، مجھے چائے نہیں بنانی پڑے گی، بخت کین آئی شیئر ود یو؟'' وہ بے تکلفی سے مسکرائی۔

''آف کورس، ون منٹ۔'' اس نے کہتے ہوئے جیب سے صاف ستھرا ٹشو نکالا اور اپنی طرف والا کپ کا کنارہ صاف کیا پھر کپ اس کی سمت بڑھا دیا۔

''مجھے یقین نہیں ہو رہا، یہ اتنی اچھی چائے تم نے بنائی ہے؟'' وہ ایک گھونٹ لیتے ہی حیرت سے بولی، وہ دھیرے سے ہنسا۔

''یہ میں نے نہیں، علینہ نے بنائی ہے۔''

''اوہ...... جبھی میں کہوں...... یہ آج تمہارے جوشاندے میں چائے کا ذائقہ کہاں سے آ گیا۔'' وہ ہنسی، اسی وقت کومل اندر آ گئی۔

''میں...... چائے بنانے آئی تھی لگتا ہے آپ نے پی لی؟''

''ارے نہیں یہ تو بس چکھی ہے تم بناؤ۔'' رمشہ نے خوشدلی سے کہا۔

''سب اٹھ گئے؟'' شاہ بخت نے پوچھا۔

''جی اور پتا ہے رمشہ! تمہارے ڈریسز آ گئے ہیں ٹیلر کی طرف سے، جاؤ دیکھ لو، لاؤنج میں تو مارکیٹ لگی ہوئی ہے کپڑوں کی۔'' کومل نے کہا وہ فوراً اٹھ گئی۔

''تائی جان اور امی جان آ گئی مارکیٹ سے؟'' رمشہ نے سوال کیا۔

''ہاں...... اسی لئے تو کہہ رہی ہوں۔''

''او کے چلو بخت ذرا تم بھی میری چوائس دیکھ لو۔'' رمشہ نے اسے اٹھایا۔

''تمہاری چوائس ہے، اچھی ہی ہو گی۔'' وہ بولا۔

وہ دونوں باہر نکل گئے، کومل چائے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

لاؤنج میں تو جیسے مچھلی بک رہی تھی، ہر کوئی اپنی اپنی بولیاں بول رہا تھا، رمشہ کارپٹ پر بیٹھ کر اپنے ڈریسز کی پیکنگ کھولنے میں مصروف ہو گئی، علینہ خاموشی سے ایک طرف بیٹھی سب کا جائزہ لے رہی تھی۔

☆☆☆

''مغل ہاؤس'' میں تین پورشنز تھے مگر لاؤنج اور کچن مشترکہ تھا، چونکہ سب میں سلوک و اتفاق تھا اس لئے گھر میں خوشحالی اور برکت تھی، سب سے بڑے تایا جان کی تین اولادیں تھیں،

وقار، رمشہ، کومل، وقار شادی شدہ تھے اور بحیثیت سب سے بڑی اولاد کے نہایت ذمہ دار اور سنجھی طبیعت کے حامل تھے، اپنے مشفق اور پر خلوص رویوں کی وجہ سے ہمیشہ چاہے گئے گھر میں سب ان کا احترام کرتے تھے۔

اس کے بعد رمشہ تھی، انگلش لٹریچر کے فائنل میں تھی عام سی شکل وصورت کے باوجود بے پناہ کونفیڈنٹ اور ذہین بھی مگر اس کے ساتھ ساتھ خود غرضی کا مرض بھی لاحق تھا۔

اس کے بعد کومل تھی، سادہ بی اے کے بعد گھر میں تھی پڑھائی سے چونکہ کچھ خاص شغف نہ تھا اس لئے گھریلو امور میں ماہر تھی، دوسرے نمبر پر چھوٹے تایا جان تھے، ان کی بھی تین اولادیں تھیں، ایاز، عباس، علینہ، شکل وصورت اور قد کاٹھ میں عباس اور ایاز میں بے حد مشابہت تھی مگر عادات ومزاج میں اتنا ہی فرق تھا جتنا کہ مشرق ومغرب میں۔

ایاز جتنے خود غرض اور خود پرست تھے عباس اتنا ہی بے لوث اور ایثار پسند، ایاز کو بیرون ملک بھاتے تھے اور عباس انتہا درجے کا محبّ وطن، شخصیتوں کا یہ تضاد بے حد دلچسپ تھا۔

اس کے بعد علینہ تھی، بہت خوبصورت اور سادہ بہت معصوم اور بزدل، ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز سے ڈر جانے والی، گھر میں عموماً جو پروٹوکول سب سے چھوٹے بچے کو ملتا ہے وہ اسے کبھی نہیں ملا بلکہ اسے ہمیشہ نظر انداز کیا گیا اور یوں رفتہ رفتہ وہ الگ تھلگ رہنے کی عادی ہو گئی کیونکہ گھر میں سب اس سے بڑے تھے کوئی یونیورسٹی جا چکا تھا اور کوئی ختم کر چکا تھا جبکہ وہ ابھی صرف فرسٹ ائیر میں تھی، بڑوں کی باتوں اور محفلوں سے ہمیشہ اسے یہ کہہ کر اٹھا دیا جاتا کہ وہ چھوٹی ہے، اسی لئے اس نے ان سب کے بیچ بیٹھنا چھوڑ دیا۔

اس کے بعد چچا جان تھے، ان کی دو اولادیں تھیں، شاہ بخت، شاہ نواز، شاہ نواز کافی سالوں سے امریکا میں سیٹل تھے، تا حال غیر شادی شدہ تھے حالانکہ عمر میں وقار سے سال ڈیڑھ ہی چھوٹے تھے مگر نگاہ میں کوئی جچتا ہی نہ اور ''مغل ہاؤس'' کا سب سے چہیتا اور لاڈلا فرد شاہ بخت، اگر یہ کہا جاتا کہ اس میں اس گھر کی جان تھی تو بے جا نہ ہوتا، عباس کے ساتھ ہی ایم بی اے کے فائنل میں تھا، بے جا لاڈ پیار اور محبتوں نے اندرون خانہ اسے ایک خود پرست، ضدی اور سرکش انسان بنا دیا تھا، مگر بظاہر وہ ایک پرسکون اور خوش مزاج انسان تھا جو طنز کرنے میں کمال رکھتا تھا، بالکل اس آتش فشاں کی طرح جو اندر ہی اندر پکتا رہتا ہے اسی مانند وہ بھی تھا کہ کب کوئی بات مزاج کے خلاف ہو اور وہ ہنگامہ کھڑا کر دے۔

شخصیتوں کے دلچسپ تضاد کے ساتھ یہ سرخ وسفید ماربل سے بنا ''مغل ہاؤس'' تھا۔

☆☆☆

عائشہ آپی آئی ہوئی تھیں اور حسب معمول گرما گرم بحث ہو رہی تھی، موضوع ظاہر ہے ستارہ اور عینی کی متوقع شادی کے سوا کیا ہو سکتا تھا، خلاف توقع آج عینی کا موڈ بھی نارمل تھا، ابا جی کے کمرے میں گول میز کانفرنس جاری تھی اور جب رات کو اس کا نتیجہ سب کے سامنے آیا تو ستارہ بہت دیر ساکت رہ گئی۔

ہر لڑکی کی طرح اس کے بھی بے شمار خواب تھے، اس کے ہاتھوں پر مہندی ہو، شگن کا پیلا جوڑا پہنے وہ سکھیوں کے درمیان مسکرائے اور پھر وہ خوبصورت تنہائیوں سے بھرا دن آئے جب سرخ جوڑے میں وہ اپنے پیا کے گھر جائے گی، کتنے بے شمار خوبصورت اچھوتے احساس اس سوچ

کے ساتھ بیدار ہو جاتے تھے، مگر...... قسمت کبھی کبھی بڑے نازک موڑ پر دھوکہ دیتی ہے۔

کچھ خواب ادھورے
اگر تم مل جاتے
تو ہو جاتے پورے

اس کے خواب ادھورے رہ گئے تھے، کتنا بے رحم فیصلہ تھا تقدیر کا، وہ گنگ تھی۔

مہروز کمال اس سال بھی پاکستان نہیں آ سکا تھا، اس کے آنے کے بعد رخصتی عمل میں آتی اور یوں ستارا، مہروز کے ساتھ سنگاپور چلی جاتی مگر یوں نہ ہو سکا۔

بعض ایسے مسائل اٹھ کھڑے ہوئے کہ مہروز کا آنا ممکن نہ ہو سکا تھا اور یوں پروگرام بدل چکا تھا، آج صبح ستارا کی ساس کا فون آیا تو انہوں نے کہا کہ وہ لوگ بے فکر ہو کر عینی کی شادی رکھ دیں، ایک آدھ ماہ تک ستارا کے کاغذات تیار ہو کر آ رہے تھے اس کے بعد وہ براہ راست سنگاپور ہی جائے گی، گویا رخصتی اور شادی کا سلسلہ سرے سے ختم ہو گیا وہ بتاتے ہوئے خود بھی بے حد دلبر داشتہ تھیں مگر اس میں یقیناً ان کا کوئی دوش نہ تھا اور تب سے ستارا بس حیران وپریشان تھی تقدیر کے اس موڑ پر

پتا نہیں اندر کیا کچھ چھناکے سے ٹوٹا تھا، مگر اب کیا ہو سکتا تھا؟ وہ خاموشی سے بیٹھی رہی، عائشہ آپی اسے سمجھا رہی تھی اور پتا نہیں کیا کیا کہہ رہی تھیں مگر وہ بس ساکت تھی اس کے کانوں میں ان کا ایک لفظ بھی نہیں پڑا تھا، اس کی آنکھوں میں مہندی کے سنہرے رنگ جھلملا رہے تھے اور ارمانوں اور خوابوں سے لبریز وہ سرخ جوڑا جو اس نے خیالوں میں کتنی بار ہی پہنا تھا، یکلخت وہ خون میں لپٹا نظر آ رہا تھا، یہ سکھیوں کے گیت تھے نہ ڈھولک کی تھاپ، وہاں تو بس ویرانی تھی، خاموشی تھی اور تاریکی تھی۔

☆☆☆

شام بتدریج گہری ہو رہی تھی، گرمی کا زور ٹوٹ رہا تھا اور شام کے بڑھتے سایوں کے ساتھ وہ نرم نرم چلتی ٹھنڈی ہوا ایک نعمت محسوس ہو رہی تھی، وہ لان میں ایزی چیئر پر براجمان تھی اور نظریں گیٹ پر ساکن تھیں، کبھی جھنجھلا کر وہ رخ موڑ لی، اِدھر اُدھر دیکھتی اور اسٹرابری شیک کے گھونٹ لیتے ہوئے پھر سے نظریں گیٹ پر جما دیتی، آنے والا بدستور نہیں پہنچا تھا، اس نے کوفت سے ادھر دیکھا جہاں پھولوں سے لدی روش تا حال آنے والے مکین کی آہٹ سے خالی تھی۔

کچھ دیر بعد گیٹ کی ذیلی کھڑکی کھلی اور آخر کار انتظار ختم ہو گیا، بلو جینز اور نیوی بلو شرٹ میں چمکتی سفید رنگت لئے وہ ہمیشہ کی طرح شاندار نظر آ رہا تھا، بے پناہ خوشی سے مغلوب ہوتے ہوئے اس نے گلاس ٹیبل پر دھرا اور اٹھ کھڑی ہوئی، تیزی سے روش پر چلتے ہوئے وہ ایکدم اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''ویلکم بیک ٹو ہوم اسید مصطفیٰ۔'' وہ مسکرائی تھی۔

''تھینکس حبا تیمور۔'' وہ خشک لہجے میں کہتا آگے بڑھ جانے کو تھا جب وہ ایکدم راہ میں حائل ہوئی۔

''کیسے ہو؟'' وہ سائیڈ سے آگے بڑھ گیا، وہ مایوس ہوئی پھر اس کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگی۔

''ٹور کیسا رہا؟'' حبا نے اگلا سوال کیا، وہ جواب دیئے بغیر چلتا رہا۔

''انجوائے کیا؟'' وہ پھر سے بولی، اسید مصطفیٰ کی خاموشی نہیں ٹوٹی تھی۔

''اسید تم ناراض ہو؟'' حبا کی آنکھوں میں نمی چمکی تھی۔

''تم میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے؟'' وہ پریشان تھی، وہ عمارت کے داخلی دروازے سے لاؤنج میں داخل ہو گئے، مرینہ کچن کے دروازے میں کھڑی تھیں۔

''ماما!'' وہ بانہیں پھیلائے ان کی سمت بڑھا اور بے ساختہ ان سے لپٹ گیا، مرینہ نے اس کی پیشانی چومی۔

''کیسا ہے میرا بیٹا!'' انہوں نے محبت سے ان کی پیشانی پر گرے بال سمیٹے۔

''میں ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں؟'' وہ مسکرایا تھا۔

''میں بھی ٹھیک ہوں جاؤ فریش ہو جاؤ، حبا جاؤ اسید کے کپڑے نکال دو۔'' انہوں نے دونوں کو مخاطب کیا۔

''ماما!'' وہ بے ساختہ روتی ہوئی ان سے لپٹ گئی۔

''اسید مجھ سے ناراض ہے، یکھیں بات بھی نہیں کر رہا۔''

''اسید بہت بری بات ہے بیٹے۔'' مرینہ نے تنبیہی نظر سے اسے دیکھا۔

''ماما پلیز...... اتنے دنوں رگھر لوٹا ہوں میں اس کے ساتھ بات کر کے گھر کا ماحول خراب نہیں کرنا چاہتا۔'' وہ طنز سے بولا، حبا کی سانس تھمنے لگی۔

''اسید شرم کرو۔'' مرینہ نے تیز آواز میں اسے ٹوکا۔

''میں نے کوئی کنٹریکٹ نہیں سائن کیا ہوا ان باپ بیٹی کو خوش کرنے کا، یہ میری زندگی ہے اور اس پر میرا ابھی حق ہے۔'' وہ اپنے مخصوص کھڑدرے اور سرد لہجے میں بولا۔

''واہ مرینہ خانم...... واہ...... یہ سکھایا ہے آپ نے اپنے برخودار کو۔'' تیمور احمد نے تالی بجا کر باقاعدہ داد دی، اسید کے چہرے کا رنگ پل بھر کو بدلا۔

انسان کتنا عجیب ہے چند لقموں کے بدلے پورے وجود پر اختیار چاہتا ہے اور رب کتنا مہربان اور بے نیاز ہے جو ساری زندگی انسان کو رزق دیتا ہے اور انسان اس کو بھلائے خود میں مگن رہتا ہے جبکہ انسان، اسید کی نگاہ میں بے بسی کی ایسی تحریر تھی کہ اگر وہ ذرا بھی درد دل رکھتے تو لرز جاتے۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا...... میں......'' اسید نے بے دردی سے لب کچلے۔

''تمہارا مطلب تھا یا نہیں، آئندہ اس قسم کی بکواس کرنے سے پہلے ایک بار احسانوں کی اس فہرست کی طرف ضرور نظر ڈال لینا جو میں نے تم پر کیے ہیں۔'' وہ رعونت سے کہتے باہر نکل گئے۔

تین نفوس کے ہونے کے باوجود کمرے میں ایک پراسرار خاموشی تھی، اس خاموشی میں گھڑی کی ٹک ٹک بڑی نمایاں تھی۔

اسید حبا کی طرف مڑا وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ ساکت سی کھڑی تھی، اس کے کندھوں پر ابھی تک ٹورسٹ بیگ تھا جس کے اسٹریپس میں انگلیاں پھنسائے وہ کمرے میں جانے کو تھا، اس نے لب بھینچتے ہوئے ایک زہریلی نگاہ حبا تیمور پر ڈالی، جیسے کہہ رہا ہو۔

''یہی چاہتی تھیں تم؟'' پھر پلٹ کر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

لاؤنج میں کپڑوں کی بہار سی آئی ہوئی تھی، نت نئے رنگوں اور ڈیزائینوں کے جھلملاتے ملبوسات دو دن بعد ایاز کی مہندی کا فنکشن تھا اور بری کے جوڑے تیار ہو کے آ چکے تھے اس لئے پیکنگ کا کام ہو رہا تھا۔

''امی جان! علینہ کا مہندی کا سوٹ تیار نہیں ہوا ابھی؟'' آمنہ بھابھی نے فکر مندی سے دریافت کیا۔

''ہاں ہو چکا ہے اپنی کپڑوں میں دیکھو۔'' انہوں نے کپڑوں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا۔

چند منٹوں بعد آمنہ سوٹ ''دریافت'' کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔

''زبردست...... بہت خوبصورت ہے۔'' آمنہ نے زرق برق شرارہ سوٹ اپنے سامنے پھیلایا۔

''میں یہ پہنوں گی؟'' علینہ نے حیرت سے دریافت کیا۔

''کیوں بھئی اتنا خوبصورت تو ہے اور پھر بچیاں ایسے لباس ہی پہنتی ہیں۔'' آمنہ بھابھی کی نزدیک وہ گھر میں سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے بچی ہی تھی، پانی پیتے ہوئے شاہ بخت کو اچھو لگ گیا اس نے بغور فرسٹ ائیر کی ''بچی'' کو دیکھا۔

''اچھا۔'' علینہ نے ناقابل یقین نظروں سے انہیں دیکھا۔

''بالکل اور دیکھنا یہ تم پر بہت سجے گا۔'' انہوں نے یقین دلایا، علینہ نے یقین کر لینے والے انداز میں سر ہلایا، رمشہ کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔

''ہاؤ انوسنیٹ۔'' وہ پیار سے علینہ کا گال چھو کر مسکرائی۔

شاہ بخت بھی ہنسا تھا، اس نے کسی قدر حیرت سے علینہ کا چہرہ سرخ ہوتے دیکھا تھا۔

''اُف ظالمو! جھلسا دیا گرمی میں۔'' عباس دہائی دیتا اندر داخل ہوا اور دھپ سے کارپٹ پہ گر گیا۔

''تو تم شام میں چلے جاتے۔'' شاہ بخت نے اپنی طرف سے آسان حل بتایا۔

''تم تو منہ بند ہی رکھو، خود سے کچھ ہوتا ہے نہیں اور چلے ہو مشورے دینے۔'' عباس اور بھی سلگا اک بے اختیار قہقہہ ابھرا۔

''کوئی بات نہیں دوست! تمہاری شادی پہ میں کر دوں گا۔'' شاہ بخت نے اسے تسلی دی، ایک بار پھر قہقہے ابھرے۔

''اور اپنی شادی پہ کیا کرو گے؟'' رمشہ نے شرارت سے کہا۔

''ان سب نکموں کو لائن حاضر کر دوں گا۔'' اس نے اندر آتے وقار بھائی اور ایاز کو دیکھ کر کہا، اس کے شاہانہ انداز پر ایک بار پھر قہقہے ابھرے۔

''چلو بھئی لڑکیو! یہ سب سنبھالو، آمنہ، کھانا تیار ہے؟'' بڑی تائی جان نے پوچھا۔

''جی امی جان! میں لگواتی ہوں۔'' وہ متعدی سے اٹھ گئیں۔

کچھ دیر بعد وہ سب کھانے کی میز پر جمع تھے، عباس نے وقار کو بتایا کہ کل سے ایونٹ آرگنائزر کمپنی کا یونٹ آ جائے گا، مہندی کا فنکشن گھر میں ہی تھا جبکہ بارات اور ولیمہ کی تقریبات ہال میں تھیں۔

''وقار تمہاری نواز سے بات ہوئی؟'' تایا جان نے پوچھا۔

''جی بابا جان! کہہ رہا تھا کہ نہیں آ سکوں گا، سیٹ نہیں مل سکی اسے کوئی۔'' وقار نے مختصراً بات ختم کی چچا جان کے چہرے پر رنگ سا لہرا گیا۔

''کھانا کھانے کے بعد میری بات کراؤ اس سے۔'' تایا جان کے لہجے میں دبا دبا فشار تھا۔

''اس وقت؟ اس وقت تو امریکہ میں رات ہے سو رہا ہو گا وہ۔''

''تو پھر؟'' انہوں نے استفہامیہ نظروں سے وقار کو دیکھا۔

''پھر رات کو کر لیجئے گا۔'' وقار نے بات ختم کی، وہ جانتے تھے کہ نواز اس گھر کے لئے ایک ناسور کی حیثیت اختیار کر چکا تھا جسے وہ لوگ کسی صورت خود سے الگ نہیں کر سکتے تھے، شاید وہ تھا ہی ایسا، خود غرض اور بے حس، بہت کم عمری سے ہی اس کے خیالات بہت باغیانہ تھے، ''جیو اور جینے دو'' پر بہت یقین تھا اس کا اتنے سالوں میں شاید ایک دو بار بمشکل وہ پاکستان آیا تھا، مگر وقت کے ساتھ ساتھ شاید ''مغل ہاؤس'' کے مکین بھی اس کی جدائی سے سمجھوتہ کر چکے تھے۔

میز پر خاموشی تھی، علینہ نے پانی پیتے ہوئے سب پر ایک نظر ڈالی، شاہ بخت بہت بے دلی سے پلیٹ میں چمچ چلا رہا تھا، اس کے لب بھینچے ہوئے تھے، پھر اس نے چمچ پلیٹ میں پٹخا اور اٹھ کھڑا ہوا، وقار نے چونک کر اسے دیکھا۔

''بخت کھانا کھاؤ۔'' ان کے لہجے میں تحکم در آیا، شاہ بخت نے شکایتی نظر ان پہ ڈالی۔

''کھا لیا۔'' وہ کرسی دھکیل کر پیچھے ہٹا اور تیز تیز قدم اٹھاتا سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا، اس کا کمرہ دوسرے پورشن پر تھا۔

''بہت مس کرتا ہے اسے۔'' وقار کے لہجے میں تاسف در آیا۔

''ہوں جب سے اس کے پاس سے واپس آیا ہے تب سے یونہی اس کے ذکر پر پریشان ہو جاتا ہے۔'' چچی جان کی آنکھوں میں نمی تھی۔

''آپ کو پتا تو ہے اس کی کنڈیشن کا، گریز کیا کریں اس کے سامنے نواز کی بات کرنے سے، اب وہ اس پر سوچتا رہے گا سوچتا رہے گا اور پھر اگر اس کے سر میں درد شروع ہو گیا تو......؟'' وقار نے تلخی سے کہا، ایک خوف نے سب کو جکڑا تھا۔

''علینہ!'' وقار اپنی کرسی سے اٹھا تھا۔

''جی بھائی۔'' علینہ نے کہا۔

''اس کی پلیٹ اٹھاؤ اور آؤ میرے ساتھ۔'' وہ کہتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے، علینہ نے پلیٹ اٹھائی اور ان کے پیچھے چل پڑی۔

وقار اندر داخل ہوئے تو وہ بیڈ پر اوندھا پڑا تھا، انہوں نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا۔

''بخت! اٹھو کھانا کھاؤ۔''

''مجھے نہیں کھانا۔'' اس نے اپنے آپ کو چھڑایا، انداز ضدی اور ناراض بچے جیسا تھا۔

''بہت بری بات ہے بچے، ایسے نہیں کرتے، دیکھو تمہاری وجہ سے سب ڈسٹرب ہوں گے، تمہیں اچھا لگے گا؟'' انہوں نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ پھیلایا۔

''تو کون کہہ رہا ہے ڈسٹرب ہونے کو۔'' وہ چیخ کر بولا، وقار نے فہمائشی نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم یہاں کیوں کھڑی ہو؟'' وہ علینہ پر برس اٹھا، علینہ کے چہرے کا رنگ پل میں زرد پڑ گیا۔

''وہ میں یہ......'' اس نے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''لاؤ ادھر، اسے مجھے دو اور جاؤ۔'' وقار نے علینہ کے ہاتھ سے پلیٹ لے لی اور اسے جانے کا اشارہ کیا، وہ اتنی شاندار انسلٹ پر آنسو پیتی تیز تیز سیڑھیاں اترتی گئی۔

☆☆☆

وہ حسب معمول شام کے وقت چارپائی پہ لیٹی آسمان کو محویت سے تک رہی تھی، نارنجی، سفید اور نیلے امتزاج کے آسمان کی لہریں گڈمڈ ہو رہی تھیں، بہت دنوں بعد موسم یوں خوشگوار نظر آیا تھا،

ہوا تیز تر ہونے لگی، وہ اڑتے بالوں کو سنبھالتی اٹھ گئی، چارپائی دیوار کے ساتھ کھڑی کر کے وہ یونہی چھت پہ چکر لگانے لگی، کچھ دیر بعد بارش کے موٹے موٹے قطرے گرے اور پھر موسلا دھار بارش شروع ہو گئی، وہ خوشی سے دیوانی ہونے لگی، ساری اداسی یکدم کہیں غائب ہو گئی تھی۔

گول گول گھومتے ہوئے اس نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے مہربان آسمان کو دیکھا اور دل سے بے اختیار کلمہ شکر نکل آیا تھا۔

''ستارا...... ستارا...... نیچے آ جاؤ۔'' عینی غالباً صحن میں کھڑی ہو کر اسے بلا رہی تھی، اس نے ریلنگ پہ جھک کر نیچے جھانکا، عینی صحن میں کھڑی تھی۔

''مجھے نہیں آنا۔'' وہ بارش کی وجہ سے چیخ کر بولی۔

''آ جاؤ نا، میں پکوڑے بنانے لگی ہوں، پلیز آ جاؤ۔'' عینی نے لالچ دیا۔

''اچھا آتی ہوں۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی، اس نے بھیگی ہوئی زمین اور در و دیوار کو دیکھا، ہر چیز سیراب ہوئی نظر آتی تھی، وہ چپل بھول کر ننگے پیر ہی نیچے چلی آئی۔

عینی کچن میں تھی، ابا ہمیشہ مغرب کے بعد آتے تھے، جبھی اس نے بے فکر ہو کر دوپٹہ ایک طرف پھینکا اور خود باقاعدہ جھومنے لگی، برآمدے میں پڑے تخت پہ بیٹھی اماں اس کے بچپنے پہ ہنسنے لگیں، کچھ دیر بعد عینی پلیٹ تھامے آ گئی۔

اگر دل کا موسم، باہر کے موسم سے بنتا ہے تو کبھی کبھار باہر کا موسم بھی اندر کے موسم کو بدل ڈالتا ہے، یہی اس وقت ستارا کے ساتھ ہوا تھا، بارش اس کے لئے ابر صد رحمت ثابت ہوئی تھی، وہ بے فکری سے پکوڑے کیچپ میں ڈبو کر کھاتی مسلسل ہنس رہی تھی، بے وجہ، سچ کہا ہے کسی نے، کبھی کبھی کوئی کام بغیر جواز کے کرنے میں بھی عجیب سا سکون ملتا ہے، کچھ دیر بعد بارش بھی رک گئی، اس نے صحن میں وائپر لگایا اور چوٹی کھولنے لگی، عینی اس کے کپڑے باتھ روم میں رکھ چکی تھی، اس نے تولیہ اٹھایا اور نہانے کے لئے چلی گئی۔

کچھ دیر بعد وہ نہا کر لوٹی تو اماں چشمہ لگائے چاول چن رہی تھیں، ستارا نے بال سمیٹ کر بڑا سا کیچر لگایا اور وضو کر کے نماز پڑھنے چلی گئی، وہ نماز پڑھ کے صحن میں آئی تو اماں چاول صاف کر چکی تھیں۔

''ستارا! بیٹے یہاں آؤ۔'' انہوں نے پیار سے اپنے پاس بلایا، وہ ٹھٹکی، اماں کا لہجہ ہی ایسا تھا، پھر آہستگی سے چلی آئی۔

''جی اماں۔'' وہ ان کے قریب تخت پر بیٹھ گئی۔

''آج تمہاری ساس کا فون آیا تھا۔'' انہوں نے جھجک کر کہا، وہ طویل سانس لے کر تسلی سے بیٹھ گئی۔

''تو یہ بات تھی۔'' اس نے سوچا۔

''کیا کہہ رہی تھیں اماں وہ؟'' اس نے بڑے سکون سے پوچھا انہوں نے اس کا پرسکون چہرہ دیکھا تو حیران ہوئیں۔

''کہہ رہی تھیں کہ کاغذ تیار ہو گئے ہیں تمہارے۔'' انہوں نے کہہ کر اس کا چہرہ جانچا۔

''اچھا...... تو پھر......؟'' اس کے سکون میں قطعاً فرق نہیں آیا تھا۔

''پھر کا کیا مطلب؟ بس اب تیاری کرو جانے کی ایک ڈیڑھ ماہ تک۔'' انہوں نے دو ٹوک بات کی۔

ستارا کے اندر عجیب سی توڑ پھوڑ مچی تھی،

اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی، عینی تیزی سے باہر آئی تھی۔

''ستارا! تمہارا فون ہے۔''

''میرا......فون۔'' وہ چونکی پھر پوچھنے لگی۔

''کس کا ہے؟''

''پتا نہیں جا کر سن لو۔'' عینی کہہ کر واپس مڑ گئی۔

وہ سوچتی ہوئی اٹھی، اتنی گہری دوستی تو کسی سہیلی سے نہ تھی اس کی، کہ گھر فون آتا، ہمیشہ سے ہی لئے دیئے انداز میں رہتی تھی، پھر کبھی کسی کو نمبر بھی نہ دیا تھا۔

''آخر کس کا فون ہو سکتا ہے؟'' وہ الجھتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہو گئی، صوفے کے ساتھ والی تپائی پر فون رکھا تھا، ریسیور ایک طرف پڑا، فون کرنے والے کے انتظار کی کہانی سنا رہا تھا، اس نے طویل سانس لے کر ان سب سوچوں کو جھٹکا اور صوفے پر بیٹھ کر فون اٹھا لیا۔

''جی کون؟'' ستارا نے قدرے محتاط ہو کر کہا۔

''ستارا بات کر رہی ہیں۔'' بھاری مردانہ آواز، وہ بے طرح چونکی۔

''جی......آپ کون؟''

''آپ کا بہت اپنا۔'' دوسری طرف سے غالباً مسکرا کر کہا گیا، ستارا کے کان سنسنا اٹھے۔

''دماغ درست ہے آپ کا، آپ ہیں کون؟'' وہ بھڑک ہی تو اٹھی تھی اس قدر والہانہ لہجے پر۔

''ستارا! میں مہروز کمال بات کر رہا ہوں۔'' کھنکتی ہنسی کے ساتھ کہا گیا۔

وہ سٹپٹا گئی، پھر بے ساختہ بولی۔

''آپ......'' اور اس کے ساتھ جیسے ساون کی ہر ہر بوند مسکرا دی تھی۔

''میں نے پہچانا نہیں......سوری۔'' وہ خجالت سے بولی اور کان کے پیچھے لٹ کو اڑسا۔

نظریں یوں جھکی تھیں جیسے وہ سامنے ہی بیٹھا ہو، اس کی بات کے جواب میں اک دلکش قہقہے نے اس کی سماعتوں کو سیراب کر دیا تھا۔

''کوئی بات نہیں میں نے بھی تو پہلی بار فون کیا ہے، آپ کیسے پہچان سکتی ہیں۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''کیسی ہیں آپ؟ کیا کر رہی تھیں؟'' وہ پوچھنے لگا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' وہ جھجک سی گئی۔

''میرا حال بھی پوچھ سکتی ہیں؟ پابندی نہیں ہے کوئی۔'' مہروز کمال نے بڑے لطیف پیرائے میں طنز کیا، وہ کھسا کر رہ گئی، کیا کہتی کوئی تجربہ ہی نہ تھا فون پر بات کرنے کا۔

''ویسے میں بھی ٹھیک ہوں۔'' وہ مزید بولا، وہ چپ رہی۔

''بتایا نہیں آپ نے کیا کر رہی تھیں؟''

''میں نے نماز پڑھی تھی بس ابھی۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''مجھ سے نہیں پوچھیں گی کہ میں کیا کر رہا تھا؟'' اس نے پھر چھیڑا۔

''مہروز! پلیز۔'' اس نے احتجاج کیا اپنے یوں رگیدے جانے پر، وہ بے اختیار ہنسا۔

''بہت برا ہوں میں ہے ناں؟'' اس نے جیسے تصدیق چاہی۔

''مجھے کیا پتا؟ کسی کے ساتھ رہے بغیر، اسے جانچے بغیر ہم کسی کے بارے میں کوئی رائے کیسے دے سکتے ہیں؟'' وہ فارم میں آ گئی۔

ساری جھجک شرم وحیا کو دور بھگایا تھا ورنہ وہ شخص تو اسے چٹکیوں میں اڑا دیتا۔

''کیا بات ہے بھئی۔'' وہ محظوظ ہوا۔

''کیا میں نے غلط کہا؟'' وہ تیکھے لہجے میں بولی۔

''بالکل نہیں، ٹھیک کہا تم نے۔'' وہ آپ سے تم پر اتر آیا، وہ چونکی مگر ظاہر نہ کیا۔

''مجھے پتا ہے ستارا! تم ہرٹ ہوئی ہو میرے نہ آنے کا سن کر، لیکن یقین کرو میں چند فنانشل پرابلمز میں پھنسا ہوا ہوں، تم تو سمجھو گی نا میری پرابلم، میرا پورا ارادہ تھا آنے کا مگر میں ارینج نہیں کر سکا اور اگر اپنا سارا اکاؤنٹ بھی خالی کروا لیتا تب بھی وہاں آ کر شادی کے انتظامات اخراجات اور بے جا اصراف میں بالکل افورڈ نہیں کر سکتا تھا، اس لئے میں نے خود نہ آنے کا فیصلہ کیا، میں نے ٹھیک کیا نہ۔'' اس کے لہجے میں سچائی اور سنجیدگی تھی۔

''آپ نے ٹھیک کہا، میں واقعی ہرٹ ہوئی تھی، لیکن پھر میں نے خود کو سمجھا لیا تھا، اگر ایسی بات تھی تو آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا۔'' وہ بھی سنجیدہ ہوئی۔

''اب بتا رہا ہوں نا۔'' وہ ہلکے سے مسکرایا۔

''مجھے یہ بتائیں کہ شاپنگ کیسی کروں؟'' وہ ہلکی پھلکی سی ہو کر پوچھنے لگی۔

''تم کپڑوں میں جینز شرٹ زیادہ لینا مجھے لڑکیاں ویسٹرن ڈریسز میں زیادہ اچھی لگتی ہیں۔''

''کیا......؟'' وہ چلائی تھی، وہ قہقہہ لگا کے ہنسا۔

''مذاق کر رہا تھا۔''

بات سے بات چل نکلی، آدھے گھنٹے بعد جب وہ باہر نکلی تو مسکرا مسکرا کر بلاشبہ جبڑے دکھ رہے تھے، تن من سے لپٹی اداسی کہیں دور بھاگ چکی تھی اس کی جگہ ایک سرشاری نے لے لی تھی۔

☆☆☆

کمال کا شخص تھا جس نے میری زندگی تباہ کر دی غالب راز کی بات تو یہ ہے کہ دل اس سے خفا اب بھی نہیں

وہ حیران تھی بے حد حیران، حالانکہ ایسا پہلی بار تو نہ ہوا تھا، وہ ہمیشہ اسے ہی غلط سمجھتا تھا اور وہ اسے اپنا بنانے، اسے سمجھانے اور اسے بدلنے کی ہر کوشش میں ناکام تھی، بری طرح ناکام۔

''کبھی کبھی یوں ہوتا ہے نا کہ ہم کسی کے لئے اپنا سب کچھ تیاگ دیتے ہیں، وہ پھر بھی ہمارا نہیں ہوتا، ہم اسے اپنا سب کچھ مان لیتے ہیں اور وہ بھی ہمارا نہیں ہوتا، ہم اس کے رنگ میں ڈھل جاتے ہیں مگر وہ پھر بھی۔'' وہ بڑی دیر سے تاریک لان میں بیٹھی تھی، خاموش اور رکی ہوئی فضا میں کوئی آواز نہ تھی یوں جیسے یہ خاموشی ازل سے یہاں بسی ہو، صرف اس کی سسکیوں کی مدھم آواز سے حبس زدہ فضا میں ذرا سا ارتعاش پیدا ہوتا اور کچھ دیر بعد وہی ہولناک خاموشی چھا جاتی، وہ حبا تیمور تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ محبت ہر درد کی دوا ہے مگر اس درد کا کیا کیا جائے جو محبت سے ہی ملا ہو؟ اس کا درد بھی تو ایسا ہی تھا ناقابل حل اور لا علاج اسے ٹھیک سے کچھ یاد نہیں تھا کہ آنکھوں نے اس بے درد کا پہلا خواب کب بنا تھا؟ کب دل نے درد کی آہٹ محسوس کی؟ پتا نہیں کب وہ انسانوں کے اس بے کراں ہجوم میں سب سے خاص ہو گیا تھا؟ کب اس کے عشق نے کسی تار عنکبوت کی طرح دل کو جکڑا کہ پھر کچھ یاد ہی نہ رہا بس اتنا یاد رہا کہ وہ سب سے خاص بن گیا تھا، زندگی کے سارے لطف اور ساری مسرتیں صرف اسی کی ذات سے مشروط ہو گئیں تھیں، مگر یہ خواب جتنے دلکش تھے اتنے ہی تکلیف دہ بھی تھے......؟ اس کے اعصاب وائلنکے سخت تاروں کی مانند کھنچے ہوئے تھے، یکلخت تیز ہوا کا ایک جھونکا سا آیا تھا اور ہر چیز لہرا اٹھی، وسیع و عریض لان میں لگے

ڈھیر سارے درخت اور گملوں میں پڑے پودے سے لہلہا اٹھے اور پھر یکدم تیز بارش شروع ہوگئی، حبا نے سر اٹھا کر ٹپ ٹپ برستے آسمان کو دیکھا اور آس کے آنسو بھی بارش میں گھل مل گئے۔

"یہ تو طے ہے اسید مصطفیٰ! مجھے صرف تمہارا ہونا ہے، جب روح ہی تمہاری پابند ہوگئی تو یہ خاکی وجود کیسے کسی اور کو دان کر دوں۔" اس نے خود کلامی کی۔

دل چاہ رہا تھا کہ اس تند و تیز برستی بارش میں دھاڑیں مار مار کر روئے۔

تیمور احمد نے آج شام اسے اپنے پاس بلایا تھا، وہ کچھ حیران سی تھی۔

"جی پاپا! آپ نے بلایا تھا۔" اس نے ان کی اسٹڈی میں داخل ہو کر کہا۔

تیمور احمد نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور چشمہ اتار کر اسٹڈی ٹیبل پر رکھ دیا، پھر سامنے پڑے کاغذات سمیٹے اور لیپ ٹاپ آف کر دیا۔

اس نے حیرانگی سے ان کے اقدامات کو دیکھا مگر بولی کچھ نہیں۔

"آؤ بیٹھو۔" انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا، وہ آہستگی سے چیئر پر ٹک گئی۔

"فیروز بخاری کو تو جانتی ہیں نا آپ؟ انہوں نے اپنے بیٹے اسفر کا پرپوزل دیا ہے۔" انہوں نے کہہ کر اس کا چہرہ جانچا، وہ خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم ہاں کر دو۔"

"مگر پاپا! ابھی میری اسٹڈیز......" حبا کی بات ادھوری رہ گئی۔

"ابھی ہم صرف انگیج منٹ کریں گے، شادی آپ کی اسٹڈیز کے کمپلیٹ ہونے کے بعد ہی رکھی جائے گی۔" انہوں نے قطعیت سے کہا، وہ خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔

"کل شام میں نے انہیں بھی بلایا ہے، تم اسفر سے مل لینا۔" انہوں نے گویا بات ہی ختم کر دی۔

کل شام ایک خالصتاً بزنس ڈنر تھا جو تیمور احمد نے اپنی نئی مل کی سنگ بنیاد رکھے جانے کی خوشی میں دیا تھا۔

وہ خاموشی سے اٹھ گئی تھی، اندر باہر ایک طوفان اٹھ گیا تھا اور تب سے اب تک وہ بس سوچ رہی تھی اور حیران تھی کہ انہوں نے ایک بار بھی اس سے پوچھنا یا رائے لینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

بارش تیز تر ہو چکی تھی، اس نے دونوں مٹھیوں میں بھیگے بال جکڑے اور نظر اٹھا کر برستے آسمان کو دیکھا، آنسوؤں میں یکدم ہی اضافہ ہوا تھا، اس کی نظر آسمان سے ہٹتی ہوئی دوسرے پورشن میں موجود اسید کے کمرے کے ٹیرس پر پڑی اور ایک لمحے کو وہ حیرت و اذیت کی زیادتی سے سن سی ہوگئی، ٹیرس کی لائٹ آف تھی لیکن وہ وہاں موجود تھا اور اس کا ثبوت وہ سگریٹ کا ننھا سا جلتا شعلہ تھا جو کہ یقیناً اسید کے ہاتھ میں تھی۔

"تو یہ تب سے میرا تماشا دیکھ رہا ہے۔" اس نے لب کاٹتے ہوئے سوچا، دل میں جیسے الاؤ دہک اٹھے تھے، اگلے ہی لمحے وہ دوڑتی ہوئی اندر کی طرف چلی گئی۔

☆☆☆

وسیع و عریض لاؤنج میں ایک ہنگامہ برپا تھا، آج ایاز کی مہندی کا فنکشن تھا، فنکشن کا انعقاد لان میں تھا جس کی حالت ہی بدل گئی تھی ایونٹ آرگنائزرز کے ہاتھ لگنے سے، لیکن چونکہ ابھی تقریب شروع ہونے میں دیر تھی، اس لئے سب لاؤنج میں موجود تھے ماسوا لڑکیوں کے، ان کی

تیاری تو آخری دم تک مکمل نہیں ہو سکتی تھی، فوٹو گرافر کے فرائض چونکہ شاہ بخت کو انجام دینے تھے اس لئے اس وقت بھی وہ اپنا ہینڈی کیم سنبھالے تیز تیز سیڑھیاں چڑھ رہا تھا ارادہ آمنہ بھابھی کے کمرے میں ہلہ بولنے کا تھا، جہاں سب لڑکیاں ہار سنگھار میں مصروف تھیں، آمنہ بھابھی کے کمرے کا دروازہ نیم وا تھا، وہ اندر داخل ہوا تو چکرا کر رہ گیا، وہاں تو عجیب ہی منظر تھا، سب سے پہلے اس کی نظر کومل پر پڑی، نامکمل ہیر سٹائل اور ایک آنکھ پر میک اپ کیے، اس نے بخت کو دیکھ کر ایک طویل چیخ ماری، سب ہی ہڑبڑا کر سیدھی ہوئیں۔

"ہیں...... ہائیں کیا ہوا؟" مختلف آوازیں، وہ لطف اندوز ہوتا ہوا سین پکچرائز کرنے لگا، رمشہ منہ پر کوئی ماسک لگائے مزے سے آنکھیں بند کیے چیئر پر نیم دراز تھی، عجیب الخلقت کھلی سی شلوار اور بدرنگ سی قمیض میں اس کا حلیہ دیکھنے لائق تھا، ہادیہ جو کہ کزن تھی نیم بگڑے ہیر سٹائل کے ساتھ ہونق سی اسے دیکھ رہی تھی، خود آمنہ بھابھی کو جانے کون سا لہنگا یا شرارہ یا غالباً ساڑھی زیب تن کرنی تھی وہ تنگ سے پاجامے اور چولی میں ملبوس تھیں، جیسے ہی رمشہ کی نظر اس پر پڑی، وہ خونخوار نظروں سے اس کو دیکھتی اس کی طرف بڑھی۔

"بخت دفع ہو جاؤ، بخت میں کہہ رہی ہوں، دفع ہو جاؤ۔" وہ بھرپور آواز سے چلائی۔

"بالکل نہیں، اتنے پیارے مناظر میں قطعاً مس نہیں کر سکتا۔" وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

"شرم کرو...... بدتمیز...... جاؤ یہاں سے۔" رمشہ نے اسے واپس دھکیلا، وہ کیمرے سے دیکھتا الٹے قدموں پیچھے ہٹا۔

"دیکھنا، میرے کیمرے کا رزلٹ، اتنا صاف، تم خوشی سے پاگل ہو جاؤ گی۔" وہ پھر ہنسا۔

رمشہ نے پوری طاقت سے اسے کمرے سے دھکیلا اور زور دار آواز کے ساتھ دروازہ بند کر دیا، وہ ہنستا ہوا واپس مڑا اور پوری شدت سے اپنی جھونک میں اندر آتی علینہ سے ٹکرا گیا، ایک طویل نسوانی چیخ ابھری اور علینہ کے ہاتھ میں پکڑا پھولوں اور گجروں سے بھرا تھال زور دار آواز کے ساتھ زمین بوس ہوا تھا اور وہ خود ماتھے پر ہاتھ رکھ کر گھٹنوں کے بل زمین پر گر گئی، شاہ بخت کا رنگ تیزی سے بدلا۔

"اوہ گاڈ! علینہ تم، ٹھیک ہو ناں۔" وہ پریشانی سے پوچھنے لگا۔

"آپ دیکھ کر نہیں چل سکتے۔" اس نے اپنی آنسوؤں سے بھری آنکھیں اٹھا کر باقاعدہ شاہ بخت کو گھورا۔

"آئندہ دیکھ کر چلوں گا، لاؤ تمہاری مدد کر دوں۔" اس نے چمکتی نگاہوں سے جھلملاتے شرارہ سوٹ میں ملبوس علینہ کو دیکھا اور تیزی سے اِدھر اُدھر بکھرے پھول اور گجرے اکٹھے کر کے اس کے تھال میں ڈالنے لگا۔

علینہ نے خفا خفا نظروں سے اس کے گھنے بالوں سے بھرے سر کو دیکھا اور تھال اس سے لے لیا، شاہ بخت نے طویل سانس لے کر اس کی پشت کو دیکھا جو کہ آمنہ بھابھی کے کمرے میں جا رہی تھی، وہ اسی طرح ایک گھٹنا زمین سے ٹکائے دوسرا پاؤں کھڑا کیے بیٹھا تھا جب وقار بھائی کی آواز نے اسے چونکایا۔

"بخت! کیا کر رہے ہو یہاں بیٹھے؟ اٹھو بہت کام ہے نیچے۔" وہ اسے ساتھ لے گئے، سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ ان سے مخاطب ہوا۔

"بھائی! ایک بات پوچھوں؟"

''ہوں، پوچھو؟'' وہ حیران ہوئے اس کے انداز پر۔

''مجھے لگتا ہے کہ ایاز بھائی اس شادی سے خوش نہیں ہیں؟'' سادہ سے لہجے میں ڈھیروں سوال تھے، وقار کا دل ایک پل میں سکڑ کر پھیلا۔

''ٹھیک سمجھے ہو تم۔'' ان کے لہجے میں پریشانی تھی۔

''لیکن کیوں؟''

''پھر کبھی بات کریں گے۔'' وہ ٹال گئے، وہ ہونق بنا انہیں دیکھنے لگا، اسی وقت عباس اسے کھینچ کر لے گیا۔

مہندی کا فنکشن شروع ہو چکا تھا، یوں تو ایاز بے حد ضدی اور نخریلا شخص تھا جو کپڑوں پر گرد کا ذرہ بھی برداشت نہ کرتا تھا مگر آج وہ اس بری طرح قابو آیا تھا کہ قابل رحم لگ رہا تھا، وہ اپنے ہنڈی کیم سے وڈیو بنانے میں مگن تھا جب وہ چھم سے سامنے آئی۔

مسکراتے چہرے اور چمکتے زرق برق اسٹائلش لباس میں۔

''بخت! میں کیسی لگ رہی ہوں؟'' وہ مسکرا دیا۔

''یو آر لوکنگ گڈ۔''

''تھینکس۔'' اس نے ادا سے تراشیدہ بالوں کو جھٹکا، اسی وقت علینہ وہاں آئی تھی۔

''رمشہ آپی! آپ کو بڑی خالہ بلا رہی ہیں۔'' وہ عجلت میں تھی۔

''اوفو، آتی ہوں۔'' رمشہ نے بخت کی طرف دیکھا مگر ایک پل میں ہی ٹھٹکی تھی۔

شاہ بخت کی نظریں بڑے والہانہ انداز میں علینہ کی طرف اٹھی ہوئیں تھیں۔

''بخت! ادھر آؤ۔'' عباس نے اسے آواز دی وہ فوراً ہی پلٹا اور اس طرف مڑ گیا۔

صرف ایک پل کا احساس تھا، اس نے سر جھٹکا اور آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

آج اس کی شاپنگ مکمل ہو گئی تھی، چند دن بعد اس کی فلائٹ تھی، عینی کی شادی بھی کھٹائی میں پڑ چکی تھی، اماں کا کہنا تھا کہ انہیں ابھی کوئی جلدی نہیں، ستارا کے جانے کے بعد دیکھیں گے، وہ خود اتنی پریشان اور حراساں تھی کہ موقع ڈھونڈتی رونے کا اور بس، چھم چھم نیر بہائے جاتے، آج تو عائشہ آپی بھی آئی ہوئیں تھیں، وہ اس کی پیکنگ میں مدد کر رہی تھیں۔

''میں وہاں کیسے رہوں گی آپی؟'' وہ ہاتھ میں کوئی شال پکڑے پھر سے رو پڑی۔

''بس کرو پاگل، سسرال تو سب جاتے ہیں۔'' انہوں نے تسلی دی۔

''اتنا دور سسرال۔'' اس نے احتجاج کیا، وہ ہنس دی پھر اسے ساتھ لگا کر ڈھیرے ڈھیرے سمجھانے لگیں۔

''وہاں جا کر ہمیں نہ یاد کرتی رہنا، اپنے میاں کے ساتھ خوش رہنا اور اس کی ہر بات ماننا۔''

''جی نہیں صرف جائز بات۔'' اس نے اختلاف کیا۔

''بھئی اب تم سے باتوں میں کون جیتے، چلو جائز بات ہی مان لینا پر سنو، مردوں کو بحث و مباحثہ کرنے والی عورتیں پسند نہیں ہوتیں، ایسا نہ ہو جیسا ادھر کرتی ہو ہر ایک کی بات پکڑنے پر تیار۔'' انہوں نے ڈانٹا۔

''میں ایسا کب کرتی ہوں۔'' وہ بسوری۔

''اچھا، کرنا بھی مت۔''

''آپی! ایک بات پوچھوں؟''

''ہوں کیا بات ہے؟''

''کیا مرد بہت سخت مزاج ہوتے ہیں؟'' ستارا نے ہچکچا کر کہا۔

''تم سے کس نے کہا؟'' وہ حیران ہوئیں۔

''وہ اس دن مہروز کا فون آیا تھا نا تو وہ کہہ رہے تھے کہ......'' ستارا نے بات آدھی چھوڑ دی۔

''کہ......'' انہوں نے بھنویں سکڑ کر پوچھا۔

''وہ بہت سخت مزاج ہیں اور......'' وہ جھجک کر رک گئی انہوں نے پیار سے اس کا گال تھپکا۔

''کچھ نہیں ہوتا، بیکار میں پریشان ہو رہی ہو، اگر وہ سخت مزاج ہے تو تم اسے نرم کر لینا۔'' وہ مسکراتے ہوئے اسے سمجھانے لگیں۔

وہ سر ہلا کر رہ گئی، دل تھا کہ انجانے خدشوں سے دھڑک دھڑک جا رہا تھا، مگر عائشہ کی تسلیاں بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھیں۔

☆☆☆

ناشتے کی میز پر اس نے تیسری بار اپنے ساتھ پڑی خالی کرسی کو دیکھا اور ہر بار ''نو کیئر'' سوچ کر پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''مرینہ خانم یہ حبا کہاں ہے؟'' تیمور نے چیئر گھسیٹ کر بیٹھتے ہی پوچھا۔

''بارش میں بھیگتی رہی ہے رات، اب فلو ہو رہا ہے اسے۔'' انہوں نے چائے ڈالتے ہوئے کہا۔

''جاؤ بلا لاؤ اسے۔'' تیمور احمد کی ہدایت پر وہ اٹھ گئیں، میز پر دو نفوس بالکل آمنے سامنے تھے اور بالکل خاموش، صرف چائے کی آواز اور برتنوں کی کھنک۔

''یہ لفظ ''سوتیلا'' کتنا برا ہے جس کے ساتھ لگتا ہے اسے بھی برا بنا دیتا ہے، جیسے میں...... آپ کا سوتیلا بیٹا...... مرینہ خانم کے پہلے شوہر کی نشانی...... میں آپ کا ''بیٹا'' بھی بن سکتا تھا، اگر آپ نے اس لفظ کو ہٹا دیا ہوتا تو......'' وہ سوچ رہا تھا اور آنکھوں میں جیسے دھند سی اترتی جا رہی تھی۔

''گڈ مارننگ پاپا۔'' حبا کی آواز پر وہ چونکا، وہ اس کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھ گئی تھی۔

''مارننگ بیٹے۔'' وہ مسکرائے۔

''شام کے فنکشن کی تیاری ہے نا۔'' وہ پوچھنے لگے۔

''جی پاپا، مکمل تیاری ہے۔'' وہ متورم آنکھوں کے ساتھ مسکرائی، آنکھوں سے خطرناک ارادہ عیاں تھا، جسے اس کے سوا یقیناً ابھی کوئی نہیں جانتا تھا۔

اسید بہت خاموشی سے کانٹے کے ساتھ بریڈ کے پیس بنانے میں مصروف تھا۔

''حبا کیا لو گے بیٹے آپ؟'' مرینہ نے پوچھا۔

''چائے دے دیں ماما۔'' اس کے لہجے میں سستی تھی۔

''حبا! بیٹے آپ بریک فاسٹ لینے کے بعد کچھ دیر ریسٹ کر لینا شام کی آپ کو بالکل فریش نظر آنا چاہیے۔'' تیمور احمد کی ہدایت پر اس نے سر ہلایا اور لب بھینچ کر سوچا۔

''آپ کو میں شام کو ایسا فریش کروں گی کہ آپ بھی یاد کریں گے پاپا۔''

''اور بھئی صاحبزادے آپ کا کچھ کرنے کا موڈ ہے یا پھر عیاشیوں میں ہی وقت برباد کرنا ہے؟'' تیمور اب اسید سے مخاطب تھے لہجہ سخت تھا، وہ گڑبڑا گیا۔

''جی میں کوشش کر رہا ہوں۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''کرتے رہ کوشش، ہو ہی جاؤ گے کامیاب۔'' وہ طنزاً کہہ کر اٹھ گئے۔

اسید کا رنگ بدلا، وہ سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا مبادا ناشتے کی میز پر کوئی تماشا لگ جائے ورنہ دل تو بہت چاہ رہا تھا کہ سخت سا جواب دے، ان کے جانے کے بعد وہ تینوں یہ میز پر رہ گئے۔

''ماما! مجھے لاہور جانا ہے۔'' اسید نے کہا۔

''کیوں؟'' وہ بے ساختہ چونکیں۔

''کچھ کام ہے مجھے۔'' وہ مختصراً کہہ کر اٹھ گیا۔

''واپسی کب ہے؟''

''کل شام تک۔'' کرسی کے بیک پر دونوں بازو ٹکا کر وہ بولا۔

''آج رک جاؤ کل ہی چلے جانا، آج شام کی تقریب میں تمہارا ہونا ضروری ہے۔'' انہوں نے سبھاؤ سے ٹوکا۔

''اس گھر کی کسی خوشی میں میری شمولیت ضروری نہیں ہے۔'' وہ سرد لہجے میں بولا۔

''اسید! بدتمیزی مت کرو، میں کہہ رہی ہوں ناں کل چلے جانا۔'' انہوں نے ڈانٹا۔

اور وہ بھی صرف مرینہ سے ہی تو دبتا تھا، اسی لئے پیر پٹختا وہاں سے چلا گیا۔

حبا نے طمانیت بھرا سانس لیا، آج کی تقریب میں واقعی اس کی شرکت لازمی تھی ورنہ وہ سب کیسے ہوتا جو حبا نے سوچ رکھا تھا۔

''ماما! آپ ہمیشہ کہتی تھیں نا کہ سچ بولنا چاہیے اور کسی کو دھوکا نہیں دینا چاہیے۔'' وہ مسکرا کر پوچھ رہی تھی۔

''بالکل میں تو اب بھی یہی کہتی ہوں، لیکن یہ تمہیں کیا سوجھی؟'' وہ شفقت سے بولیں۔

''میں نے فیصلہ کیا ہے ماما! مجھے آج صرف سچ بولنا ہے کیونکہ میں کسی کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔'' وہ مطمئن تھی، وہ حیران ہوئیں۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب بھی آپ کی سمجھ میں آ جائے گا، ذرا شام تو ہو لینے دیں۔''

''تم...... تم...... کیا کرنے جا رہی ہو؟'' انہوں نے جیسے کسی نادیدہ خطرے کی آہٹ محسوس کی۔

''پتا چل جائے گا آپ کو جلدی کیا ہے؟'' وہ خودسری سے بولی۔

چائے کا خالی کپ میز پر رکھا اور انہیں حیران و پریشان سا چھوڑ کر اٹھ کر کمرے میں چلی آئی۔

☆☆☆

''میں آپ سے کہہ رہا ہوں ناں کہ مجھے کوئی ڈیکوریشن نہیں کروانی، آپ کو پتا ہے کہ مجھے پھولوں سے کتنی الرجی ہے۔'' ایاز کی تیز آواز پر عباس ٹھٹک کر رکا۔

''وقت کی نزاکت کو سمجھو ایاز! ہر بات میں کیوں بحث کرتے ہو؟'' وقار کی پست آواز میں پریشانی تھی، عباس بے ساختہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

''کیا بات ہے بھائی؟'' اس نے وقار سے کہا۔

''تم ہی اسے کچھ سمجھاؤ عباس! ایونٹ آرگنائزرز کی ٹیم آئی ہوئی ہے برائیڈل روم کی ڈیکوریشن کے لئے اور یہ کہہ رہا ہے کہ اسے ڈیکوریشن نہیں کروانی۔'' وقار نے ازحد پریشانی سے عباس کی مدد چاہی۔

''آپ کو پتا ہے مجھے پھولوں سے الرجی ہے۔'' ایاز جھلا گیا تھا، عباس نے کبیدہ خاطر ہو کر اسے دیکھا۔

''آپ غلط کہہ رہے ہیں ایاز بھائی، آپ کو ہر چیز سے الرجی ہے، ہم سے، اس گھر سے، اس

ملک سے، یہاں کے لوگوں سے اور معذرت کے ساتھ کہوں گا شاید سبین بھابھی سے بھی۔'' عباس نے سرد لہجے میں کہا۔

ایک لمحے کو ایاز کا رنگ پھیکا پڑا تھا مگر وہ فوراً خود پر قابو پا گیا۔

''تم حد سے بڑھ رہے ہو عباس۔'' ایاز کا لہجہ کرخت ہوا تھا۔

''میں...... میں...... حد سے بڑھ رہا ہوں اور جو آپ کر رہے ہیں اس کا کیا؟ آپ تو یوں ری ایکٹ کر رہے ہیں جیسے گن پوائنٹ پر شادی کی جا رہی ہے آپ کی۔'' عباس کا لہجہ مزید گستاخ ہوا تھا۔

''ہاں زبردستی ہو رہی ہے میرے ساتھ ورنہ میں تو جا رہا تھا اس ملک سے، میں نے کب کہا تھا کہ میری شادی کرو، اور ایسے کون سے ہیرے جڑے ہیں سبین احتشام میں، جو میں اس کے ساتھ شادی ہونے کی خوشی میں میں سر پر ڈھول رکھ کے ناچنے لگوں، چاہتے کیا ہیں آپ سب مجھ سے؟'' ایاز بلند آواز میں دھاڑا تھا۔

''تو کس نے کہا تھا آپ کو ہاں کرنے کو۔'' عباس اس نے زیادہ بلند آواز میں چلایا تھا۔

وقار نے حیرت سے افسوس سے انہیں دیکھا اور عباس کو کندھوں سے تھام کر باہر دھکیلا۔

''حد ہو گئی، تم ہی کچھ لحاظ کر لو، جاؤ یہاں سے۔'' اسی وقت شاہ بخت اندر داخل ہوا۔

''کیا ہو رہا ہے؟ اتنی اونچی آواز میں کون بات کر رہا تھا؟'' اس نے حیرانی سے سب کی شکلیں دیکھیں۔

''بخت! اسے یہاں سے لے جاؤ، ورنہ یہ کچھ کر بیٹھیں گے آج۔'' وقار نے عباس کو بخت کے حوالے کیا۔

اس نے قدرے حیرانی سے ان کی بات سنی پھر فوراً ہی عباس کے ہاتھ تھامے اور باہر نکل گیا۔

کچھ دیر بعد دونوں شاہ بخت کے کمرے میں موجود تھا، وہ عباس کے پاس بیٹھا تھا اس کے شانوں پہ بازو دراز کیے۔

''مجھے آج احساس ہوا ہے کہ تم اس طرح کیوں ری ایکٹ کرتے ہو بخت! جب نواز بھائی کا ذکر چھڑتا ہے مجھے بھی آج اسی قسم کی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا ہے، کتنے خود غرض ہیں ایاز بھائی مجھے یقین نہیں ہو رہا اور دیکھو وہ سارا الزام ہم پر دھر رہے ہیں کہ وہ یہ شادی کر کے ہم پہ احسان کر رہے ہیں۔'' عباس کے لہجے میں اذیت تھی، دکھ تھا، شاہ بخت لب بھینچے اسے دیکھتا رہا۔

''یہ تو قسمت کی بات ہے عباس، ورنہ سب کے بڑے بھائی تو ایسے نہیں ہوتے، وقار بھائی کی مثال تمہارے سامنے ہے۔''

''یہ تو ٹھیک کہا تم نے، مجھے تو ترس آ رہا ہے اس لڑکی کی قسمت پر جو ایاز بھائی کے پلے پڑنے والی ہے۔'' عباس کے لہجے میں تلخی تھی۔

''خود کو سنبھالو عباس، یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے مٹی ڈالو پھولوں پر۔'' شاہ بخت نے دھیرے سے اسے تسلی دی۔

''ایسا ہی کرنا پڑے گا اب تو، کس کس چیز پر مٹی ڈالوں، ہم ان کی خوشی منا رہے ہیں جنہیں خوشی ہے ہی نہیں۔'' وہ یاسیت سے بولا۔

''اتنی حساسیت اچھی نہیں میرے بھائی، اب اٹھو ذرا ہم بھی تیاری کر لیں۔'' بخت نے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر اسے اٹھایا، اسی وقت دھڑ سے دروازہ کھول کر رمشہ اندر داخل ہوئی۔

''اوفو عباس تم یہاں ہو، سب جگہ دیکھ لیا تمہیں نیچے چچا جان یاد کر رہے ہیں تمہیں اور بخت تم بھی تیار ہو جاؤ، تمہیں یاد دلا دوں کہ گاڑیوں کا سارا انتظام تمہیں ہی دیکھنا ہے۔'' وہ

کہتی ہوئی جتنی تیزی سے آئی تھی اتنی تیزی سے باہر نکل گئی، دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور ہنس پڑے، اس کی جلد بازی پر۔

''یہ بھی اپنے نام کی ایک ہی ہے۔'' عباس نے کہا اور قدم دروازے کی طرف بڑھا دیئے۔

حسب معمول سب تیار ہو کر گاڑیوں میں تھے اور لڑکیاں غائب۔

''میرے خدا! امی جان اب آپ دیکھ لیں، تایا جان مجھے ڈانٹ رہے ہیں اور یہ بدتمیز لڑکیوں کے فیشن ہی مکمل نہیں ہو رہے۔'' وہ دانت پیتا لاؤنج میں بیٹھی ماں سے بولا اور دھڑ دھڑ سیڑھیاں چڑھتا گیا، زوردار طریقے سے دروازہ بجایا اور اندر داخل ہو گیا۔

''حد ہے بھابھی جان بس کیجئے اب۔'' اس نے دہائی دی ایک بے اختیار قہقہہ پڑا۔

''بس بس سب تیار ہے ہیں بخت چلو لڑکیو چلو سب نیچے۔'' آمنہ بھابھی نے سب کو ہدایت کی۔

''کیا بات ہے بخت بھائی، آپ تو پہچانے ہی نہیں جا رہے۔'' کومل نے ستائش سے کہا۔

حقیقتاً وہ بلیک ڈنر سوٹ میں غضب ڈھا رہا تھا۔

''پہچانی تو تم بھی نہیں جا رہیں؟'' بخت نے اس کے میک اپ سے چمکتے چہرے کو دیکھ کر طنز کیا۔

''کیا میں اچھی نہیں لگ رہی؟'' کومل رونے والی ہو گئی۔

''اے تم میری بہن کو کنفیوز کر رہے ہو؟'' رمشہ نے کہا، شاہ بخت نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

''تم کون ہو؟'' اس نے کمال کی ایکٹنگ کی۔

''او گاڈ، اب پہچاننے سے بھی انکار کر گے۔'' رمشہ کو صدمہ ہوا، شاہ بخت نے بلند آہنگ قہقہہ لگایا۔

''ہو گئی نا کنفیوز، تم لڑکیاں بھی نا اتنا کچھ چہروں پر لگا کر بھی مطمئن نہیں ہوتیں کہ حسین لگ رہی ہیں یا نہیں اور سچ تو یہ ہے کہ یہ تو مصنوعی حسن ہے تم سب کا، نیچرل بیوٹی تو یہ ہے۔'' اس نے مزے سے کہتے ہوئے علینہ کا بازو پکڑ کر سامنے کیا، آف وائٹ اسٹائلش سی فراک میں بال کھولے وہ بے پناہ معصوم اور خوبصورت لگ رہی تھی، صرف لبوں کا رنگ ہلکا گلابی چمکدار تھا، رمشہ کی آنکھوں سے برق سی کوندی۔

''بچیوں کے ساتھ تو مقابلہ مت کرو میرا۔'' اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''یہ کیا بحث کرنے لگے تم لوگ، چلو نیچے۔'' آمنہ بھابھی نے کہا، سب سے پہلے رمشہ کمرے سے نکلی تھی۔

☆☆☆

ستارا کے جانے سے ایک دن پہلے ایک شاندار دعوت رکھی گئی تھی جس میں عزیز و اقارب، دوست احباب اور سسرال والے بھی شامل تھے، اگلے دن اس کی فلائٹ تھی، پی آئی اے کی فلائٹ سے اسے پہلے کراچی پہنچنا تھا اس کے بعد بنکاک اور پھر سنگاپور۔

پیکنگ تقریباً مکمل تھی، صبح سے ہی وہ بہانے ڈھونڈتی اور رونے بیٹھ جاتی، سب ہی اسے سمجھا چکے تھے مگر بے سود، ائیر پورٹ روانگی کے وقت وہ رو رو کر پاگل ہو رہی تھی، الوداعی نظر اپنے گھر کے در و دیوار پر ڈالی اور نظر بھی کہ واپس آنے سے انکاری ہو گئی وہ بس گم صم سی دیکھتی رہی یہاں تک کہ عائشہ آپی اسے زبردستی کھینچ کر لے گئیں۔

''آپی! میں کیسے رہوں گی آپ سب کے

بغیر۔'' وہ ضبط کرتی ہارنے لگی تھی۔

''اف تمہیں وہاں پتھر ڈھونے تو نہیں بھیج رہے، تمہارے میاں صاحب ہوں گے نا دل لگانے کو تمہارا۔'' عائشہ آپی نے جھلا کر کہا، وہ بے اختیار ہنس پڑی، آنسوؤں کے بیچ ہنسی بڑی بھلی لگی تھی عائشہ کو۔

''شکر ہے تم مسکرائیں تو۔'' وہ اسے سمجھانے لگیں۔

رخصتی کے سمے وہ ایک بار پھر بے اختیار ہو گئی تھی، ڈیپارچر لاؤنج سے پلین تک جاتے ہوئے وہ بے حد کنفیوز تھی۔

کراچی سے بنکاک کی فلائٹ پانچ گھنٹوں کی تھی، بنکاک میں ان کا ڈیڑھ گھنٹے کا اسٹاپ تھا اور اس کے بعد سنگاپور تک کا سفر صرف اتنا ہی تھا جتنا کہ کراچی سے اسلام آباد کا سفر تھا۔

پلین نے سنگاپور کے سات منزلہ ائر پورٹ پر لینڈ کیا تو ستارا کے دل میں عجیب سی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی، اپنوں سے بچھڑنے کا افسوس تھا تو ایک اجنبی اور اپنا پن جتانے والے سے ملنے کی خوشی بھی تھی۔

کسٹم اور امیگریشن سے فارغ ہو کر وہ آئی تو بے انتہا کنفیوز تھی، بے دردی سے لب کچلتے ہوئے اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور نظر ناکام پلٹ آئی، اجنبی دیس، ناشناسا لوگ اور یہ دربدری اسے رونا آنے لگا، خشک لبوں کو تر کرتے ہوئے اس نے پلکیں جھپک کر پھر اِدھر اُدھر دیکھا، کسی کو نہ پا کر جیسے پھر سے حوصلہ ہارنے لگی، تبھی تیز قدموں سے چلتا وہ اس کے سامنے آیا تھا۔

''ستارا!'' مردانہ آواز پر وہ بے ساختہ چونکی نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ سامنے تھا، گندمی رنگت، ایشائی نقوش اور کھلی مسکراہٹ، وہ اتنا خاص نہیں تھا مگر ستارا کے لئے سب سے خاص تھا، کیونکہ وہ ''مہروز کمال'' تھا۔

''اسلام علیکم۔'' وہ مسکرائی بے اختیار۔

''وعلیکم السلام۔'' مہروز نے مسکرا کر کہا اور اس کا جائزہ لیا، لانگ شرٹ اور ٹراؤزر میں سلیقے سے بالوں کی چوٹی باندھے جو کہ اس کے گھٹنوں کو چھو رہی تھی، دوپٹہ سینے پہ پھیلائے وہ اس کے دل کو چھو گئی۔

''چلیں۔'' مہروز نے کہا، ستارا نے اثبات میں سر ہلایا، کچھ دیر بعد وہ مہروز کی گاڑی میں محو سفر تھے، ستارا خاموش تھی، بے حد خاموش یوں جیسے کرنے کو ساری باتیں ختم ہو گئی ہوں، اس کے بائیں پہلو میں شور تھا بے پناہ شور اور وہ اس کو دبانے میں ناکام تھی، جھکے ہوئے سر کے ساتھ لبوں پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔

ڈرائیو کرتے ہوئے مہروز نے بارہا نظر اٹھا کر اسے دیکھا، گھر کے نزدیک پہنچ کر اس نے گاڑی روکی اور دروازہ کھول کر باہر آ گیا، اس کی طرف کا دروازہ کھولا اور ہاتھ آگے بڑھایا۔

''آؤ ستارا۔'' ستارا نے مسکرا کر اسے دیکھا اور ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

☆☆☆

''حبا'' صرف دو ماہ کی تھی جب تیمور احمد نے دوسری شادی کے لئے ہاں کر دی تھی، نوشین سے ان کی لو میرج ہوئی تھی حبا کی پیدائش پر نوشین کی وفات نے انہیں اندر سے توڑ دیا تھا، اماں بوڑھی ہو چکی تھیں اور حبا کو سنبھالنا قطعاً ان کے بس کی بات نہیں تھی، صرف دو ماہ بعد ہی تیمور ان کی پریشانی اور اذیت کے آگے ہار گئے، مرینہ نے صرف اس شرط پر شادی کے لئے ہاں کی تھی کہ وہ ان کے بیٹے اسید کو بھی قبول کر لیں، وہ حبا کو سگی ماں سے بڑھ کر چاہیں گی، تیمور نے حامی

بھرلی تھی یوں مرینہ، مسز تیمور بن کراس گھر میں آ گئیں، اس وقت اسید صرف پانچ سیال کا تھا، مرینہ کی پہلی شادی مصطفیٰ سے ہوئی تھی، شادی کے دو سال بعد وہ اس وقت بیوہ ہو گئیں جب اسید صرف آٹھ ماہ کا تھا، مصطفیٰ ایک کار ایکسیڈنٹ میں وفات پا گئے تھے، یوں تو بیوگی کے بعد ان کے لئے کئی پیغام آئے مگر وہ مان کر نہ دیں، وہ کسی صورت اسید کو خود سے الگ نہیں کر سکتی تھیں، وہ چاہتی تھیں کہ کوئی ایسا شخص ہو جو ان کے ساتھ ان کے بیٹے کو بھی اپنا لے۔

تیمور احمد نے انہیں ہر طرح سے تسلی دی تھی، جبھی وہ ان کی زندگی میں آ گئیں، حالانکہ اگر دیکھا جاتا تھا عام سے نین نقش لئے اور خسارے میں جاتا کاروبار بظاہر اس پرپوزل میں کئی خامیاں تھیں، خاص طور پر مرینہ کے والد کے اس حوالے سے کئی تحفظات تھے مگر مرینہ کی وجہ سے انہیں ماننا پڑا۔

اسید بے حد ناز و نعم سے پلا بچہ تھا، ماموں اور نانا، نانی نے اس کی ہر جا بے ضد اور خواہش پوری کی تھی، مرینہ کو امید تھی کہ یہاں بھی اسے اتنے ہی پیار سے رکھا جائے گا، ایسا ہوا بھی شروع میں سب ٹھیک رہا، بے شک تیمور نے اسید کو باپوں والا پیار نہیں دیا مگر مرینہ کے لئے اتنا ہی بہت تھا کہ وہ اسے حبا کے برابر سمجھتے تھے، اگر حبا کے لئے کچھ لاتے تو لازمی اسید کے لئے کچھ نہ کچھ خریدنے اسے بہترین سکول میں داخل کرایا گیا، مگر یہ بہت آغاز کی باتیں تھیں، جوں جوں حبا بڑی ہوتی گئی تیمور کا رویہ بدلتا گیا، حبا بالکل اپنے باپ جیسی تھی، سانولی رنگت اور عام سے نین نقش وہ دن تو بہت خاص تھا جب حبا پہلے دن اسکول جا رہی تھی صاف ستھرے یونیفارم میں جگمگ کرتے چہرے کے ساتھ وہ تیمور کو ہمیشہ سے زیادہ پیاری لگی۔

وہ ناشتے کی میز پر تھے، انہوں نے بازو پھیلا کر اسے اپنے پاس بلایا۔

''حبا! میرے پاس آؤ بیٹے۔'' اسی وقت شرارت سے اسید نے بھی انہیں پھیلا دیں۔

''بہنا میرے پاس آئے گی۔'' اور حبا بے ساختہ دوڑتی ہوئی آٹھ سالہ اسید کی کھلی بانہوں میں سما گئی۔

تیمور کا چہرہ غصے اور توہین سے سرخ پڑ گیا، اسید نے حبا کے گالوں پہ پیار کیا اور مرینہ سے مخاطب ہوا جو مسکراتے چہرے کے ساتھ یہی فیملی کا سین ملاحظ کر رہی تھیں۔

''ماما! بہنا کتنی پیاری لگ رہی ہے اب یہ میرے ساتھ اسکول جائے گی نا۔''

''جی بیٹے، یہ آپ کے ساتھ اسکول جائے گی۔'' انہوں نے تصدیق کی، حبا کے معصوم چہرے پر عجیب سی خوشی پھیلی۔

''بھائی ساتھ اسکول۔'' اس نے ٹوٹی پھوٹی زبان میں کہا۔

''حبا!'' تیمور نے سرد لہجے میں پکارا اور اس کا بازو کھینچ کر الگ کر لیا۔

''یہ تمہارا بھائی نہیں ہے، سنا تم نے، میں نے کیا کہا ہے یہ تمہارا بھائی نہیں ہے۔'' وہ بلند آواز میں چلائے تھے۔

مرینہ کا رنگ زرد پڑ گیا، یہ کیا کرنے جا رہے تھے، وہ ان دو معصوموں کے ذہن میں کیا غلط سلط بھرنے جا رہے تھے وہ۔

''تیمور کیا ہو گیا ہے آپ کو۔'' وہ بے ساختہ بول پڑیں، لہجہ تیز و تند تھا۔

''شٹ اپ ٹھیک ہی تو کہا میں نے، حبا بیٹے آپ کا کوئی بھائی نہیں ہے، اللہ میاں نے آپ کو بھائی نہیں دیا، ٹھیک ہے نا اور اسید آپ کا

بھائی نہیں ہے۔'' انہوں نے پیار سے حبا کو گود میں بٹھا لیا۔

اسید فق رنگت کے ساتھ سب سن رہا تھا، مرینہ تو حیرت کی زیادتی سے گنگ تھیں، اللہ نے انہیں تیمور سے کوئی اولاد نہیں دی تھی، یہ درست تھا مگر انہوں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ تیمور اس بات کو لے کر اس طرح ری ایکٹ کریں گے۔

اس دن اسکول میں وہ گم صم تھا، ہر سوچ بس یہاں آ کر رک جاتی تھی کہ ''حبا کا بھائی نہیں ہے۔'' بریک میں وہ حبا کی کلاس میں گیا تو وہ خاموشی سے ڈیسک پر بیٹھی ٹانگیں جھلا رہی تھی، وہ آہستگی سے اس کے نزدیک بیٹھ گیا، وہ اسے دیکھ کر چونکی پھر عجیب سے انداز میں بولی۔

''اسید بھائی نہیں، پاپا نے کہا، اسید بھائی نہیں۔'' وہ دوہرا رہی تھی، کچے ذہن پر تحریر بہت پختگی سے نقش ہوئی تھی، اسید اسے دیکھتا رہا خود پہ ضبط کیے پھر بے ساختہ سسک پڑا۔

''میں تمہارا بھائی نہیں ہوں ناں حبا تو وہ بھی میرے پاپا نہیں ہیں۔'' وہ روتے ہوئے اٹھ گیا۔

گھر آ کر اسے تیز بخار ہو گیا تھا، مرینہ بے حد پریشان تھیں، وہ کچھ نہ بولتا بس خاموش رہتا ورنہ رونے لگتا، مرینہ بے قرار ہو کر پوچھتیں کہ ''کہاں درد ہے؟'' وہ کوئی جواب نہ دیتا، بس روتا رہتا، آہستہ آہستہ وہ ٹھیک ہونے لگا، روٹین معمول کے مطابق سٹارٹ ہو گئی، مگر اسے احساس ہو گیا تھا کہ یہ گھر اس کا نہیں، تیمور اس کے باپ نہیں اور نہ ہی حبا اس کی بہن ہے، اتنی کم عمری میں اتنا سوچنا، ٹینشن اور پریشان کن خیالات، وہ جیسے پاگل ہونے لگا اب وہ حبا کے ساتھ کھیلتا نہیں تھا، نہ ہی اس کے گالوں پر پیار کرتا تھا۔

تیمور احمد نہیں جانتے تھے کہ ان کے منہ سے نکلی چھوٹی سی بات نے کس طرح اس کے معصوم ذہن کو بدلا تھا۔

تبدیلی کا عمل شروع ہو گیا تھا بہت آہستہ آہستہ اور کوئی نہ جان سکا کہ بظاہر نرم مزاج ہمدرد اور خوبصورت سے اسید مصطفیٰ کے اندر کیسا انسان بن چکا ہے۔

☆☆☆

ڈھیر ساری سالیوں کے نرغے میں وہ بہت پر اعتماد سا بیٹھا تھا، اس کے سرد اور طنزیہ جوابات نے ان سب کو خود میں سمٹنے پر مجبور کر دیا تھا ورنہ ''دودھ پلائی'' کا پروگرام مزید طول کھینچتا، وقار بھی قصداً خاموش تھے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی ایسی بات ہو جائے جس پر وہ ٹمپر لوز کر جائے، عباس کے ساتھ صبح ہونے والی منہ ماری کے بعد وہ اب تک بالکل خاموش رہا تھا اور یہ ایاز کا وصف نہیں تھا کہ وہ اتنا ضبط کر لیتا، شاید اسے بھی آج کے دن کا خیال تھا، ورنہ وہ قطعاً ادھار رکھنے کا قائل نہیں تھا۔

نکاح کی تقریب ہوئی اور کھانا لگا دیا گیا، کھانے کے بعد دولہن کے آنے کا غلغلہ اٹھا، وقار کے اشارہ کرنے پر وہ خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا ورنہ دل تو قطعاً نہ چاہ رہا تھا۔

ڈیپ ریڈ لہنگے میں سبین احتشام واقعی دیکھنے کے قابل لگ رہی تھی دلہناپے کا روپ ٹوٹ کر برسا تھا، مووی اور فوٹو سیشن کا سلسلہ شروع ہوا تو ختم ہونے کا نام ہی نہ لے رہا تھا، یہاں تک کہ ایاز کو خود وقار سے کہنا پڑا کہ اب بس کر دیجئے۔

ایک ہنگاموں بھرے دن کے بعد سبین احتشام، سبین ایاز بن کر اس گھر میں آ گئی۔

''مغل ہاؤس'' میں سبین کا استقبال بے حد

پرجوش انداز میں کیا گیا تھا۔

رمشہ کی آواز بے حد خوبصورت تھی اس نے جب اپنی سریلی آواز کا جادو جگایا تو ہر ایک نے داد دی تھی، شاہ بخت نے ہر لمحے کو ہینڈی کیم پر محفوظ کر لیا تھا۔

جھوٹے تیرے نین
تیرے نیناں
کیا کروں، جھوٹے تیرے نیناں

رمشہ نے گاتے ہوئے براہ راست شاہ بخت کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جیسے طنز میں لپیٹ کر گیت کے بول منہ پہ مارے تھے۔

وہ ہنستے ہوئے مووی بناتا رہا، دیر تک یہ محفل جمی رہی ہنسی مزاح، قہقہے اور شوخ باتیں اور ایسے میں رک رک کر دھڑکتا سین ایاز کا دل، آخر کار آمنہ بھابھی اور رمشہ اسے اٹھا کر ایاز کے کمرے میں بٹھا گئیں تھیں۔

ان کے جانے کے بعد سر اٹھا کر کمرے کا جائزہ لیا تو چند لمحے حیرت کے مارے وہ سن سی رہ گئی، سادہ سا کمرہ، لائٹ پرپل اور ٹی پنک کمبینیشن سے سجا ہوا تھا کہیں سے بھی نہیں لگتا تھا کہ اسے کسی دولہن کے استقبال کے لئے تیار کیا گیا ہے، حد تو یہ کہ کمرے میں ایک پھول تک نہیں تھا، اس کی نظریں سارے کمرے سے ہوتی ہوئیں دیوار پر لگی انلارج فوٹو پر آٹھہریں، ایاز کے چہرے پر ایک سرد سا تاثر تھا، دراز قامت بے حد نمایاں تھی، بھوری آنکھوں کی چمک ایک مغرورانہ تاثر لئے ہوئے تھی، ماتھے کی شکن، تلخ مزاجی اور غصیلے پن کی گواہ تھی، وہ چند پل یک ٹک دیکھتی رہی پھر سر جھکا دیا۔

☆☆☆

ایاز اٹھ کر چلا گیا تھا، مگر وہ تب سے وہیں محفل جمائے بیٹھے تھے، وقار بھائی بھی بے حد تھکے ہوئے تھے اس لئے سونے کے لئے اٹھ گئے کچھ دیر بعد آمنہ بھابھی بھی جمائیاں لیتی اٹھ گئیں۔

''میں بھی اٹھوں زین کو دیکھوں، وقار کو تنگ کر رہا ہوگا۔'' انہوں نے اپنے چار سالہ بیٹے کا نام لیا۔

''زین کا تو بہانہ ہے یوں کہیں کہ وقار بھائی کو دیکھنا ہے۔'' شاہ بخت نے فقرہ کسا، سب ہنس دیئے، وہ جھینپ گئیں۔

اب صرف عباس، شاہ بخت، رمشہ، کومل، ادیبہ آذر اور علینہ رہ گئے تھے۔

''ویسے دونوں کی جوڑی بہت پیاری ہے۔'' رمشہ نے کمنٹ دیا۔

''ہاں اور اسپیشلی سین بھابھی تو بہت پیاری لگ رہی تھیں۔'' عباس نے ستائش سے کہا۔

''تمہارا مطلب ہے ہمارا دولہا اچھا نہیں تھا۔'' آذر نے اسے گھورا۔

''نہیں اچھا تو تھا، مگر ان کے قابل نہیں۔'' دوسرا فقرہ عباس نے زیر لب کہا، صرف بخت ہی سن سکا تھا۔

بخت نے قدرے تنبیہی نظروں سے اسے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو خود پہ قابو پاؤ۔

اسی وقت علینہ اٹھ گئی، چہرے سے ہی تھکن نمایاں تھی۔

''میں تو جا رہی ہوں۔'' اس نے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

ابھی وہ کاریڈور میں ہی تھی جب شاہ بخت نے اسے جا لیا۔

''ایک منٹ عینا۔'' اس نے فوراً اسے روکا۔

''عینا!'' علینہ نے حیرت سے زیر لب دہرایا۔

''تمہارا نک نیم، تمہیں اچھا نہیں لگا۔'' وہ مسکرا کر اس کے مقابل آیا۔

علینہ نے حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا، ناگواری کی تحریر پوری وضاحت کے ساتھ اس کے چہرے پر نقش ہو گئی تھی، اس نے محسوس کر لیا تھا مگر دانستہ نظر انداز کر گیا۔

''کہیے۔'' علینہ نے سرد لہجے میں کہہ کر بخت کا چہرہ دیکھا۔

''مجھے تمہاری کچھ اسنیپس لینی ہیں۔'' اس نے ہینڈی کیم کی طرف اشارہ کیا، علینہ کا چہرہ غصے کی زیادتی سے سرخ پڑ گیا۔

''کیوں؟'' اس نے تلخ لہجے پوچھا، وہ ٹھٹکا۔

''کیا مطلب کیوں؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''وہی تو میں پوچھ رہی ہوں کہ آپ کو میری تصویریں کیوں لینی ہیں۔'' اس نے اپنے طیش پر بمشکل قابو پایا۔

''سارے فنکشن میں تم ہاتھ ہی نہیں آئیں تو میں نے سوچا کہ.....'' علینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''آپ کو میرے بارے میں سوچنے کی ضرورت نہیں۔'' اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی سرد مہری تھی۔

وہ تیزی سے آگے بڑھی، وہ اتنی ہی پھرتی سے راہ میں حائل ہو گیا، علینہ نے حیرت سے اس کا چہرہ جانچا۔

''آپ میرے چچا زاد ہیں شاہ بخت اور میں آپ کا بہت احترام کرتی ہوں، براہ مہربانی ایسی حرکتوں سے گریز کیجئے جن سے میرے دل میں آپ کا احترام ختم ہو جائے، میری تصاویر بنی ہیں یا نہیں اس سے آپ کو کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے اب رستہ دیجئے مجھے جانا ہے۔'' وہ پھنکار سے مشابہ آواز میں بولی تھی اور تیزی سے آگے بڑھ گئی اگر وہ درمیان سے نہ ہٹتا تو لازماً ٹکراؤ ہو جاتا، اس کے جانے کے بعد بھی وہ ساکت سا کھڑا تھا۔

(باقی آئندہ)

ثمینہ شیخ

موسم بہار تمامتر خوبصورتیوں سمیت ہمارے آنگن میں اترا تھا، ہر رنگ کے پھول بہار دکھلا رہے تھے اور ملی جلی پھولوں کی ہلکی ہلکی مہک سانسوں کے ساتھ اندر تک سرائیت کرگئی تھی میں لان میں کھڑی بابا کا انتظار کررہی تھی کہ بابا کی کار کا ہارن بجا تو چوکیدار نے گیٹ کھول دیا وہ کار لاک کرکے میری جانب ہی آگئے، خلاف معمول آج ان کی چال سست تھی اور چہرے پر اداسی عیاں تھی۔

''کیا بات ہے بابا؟ آج آپ کچھ اداس لگ رہے ہیں۔'' ان کا کوٹ پکڑتے ہوئے میں نے پوچھ ہی لیا۔

ایزی چیئر پر بیٹھتے ہوئے وہ میری طرف بغور دیکھنے لگے۔

''دراصل شہوار میں تم سے ایک ایسی بات کہنے والا ہوں جو یقیناً تمہارے لئے صدمے کا باعث ہوگی کاش آج تمہاری ماں زندہ ہوتی تو مجھے یہ کہنے کی نوبت نہ آتی اور وہ خود تمہیں سمجھ

ناولٹ

لیتی۔'' وہ افسردگی سے بولے۔

''آخر ایسی کیا بات ہوسکتی ہے۔'' ایک لمحے میں سوچ میں پڑگئی۔

''آپ بتائیے تو سہی بابا، آپ کی بیٹی اتنی کم ہمت تو نہیں۔'' میں نے اعتماد سے کہا۔

''شہوار میں جسے تمہارا مستقبل سمجھ بیٹھا وہ اب اس قابل نہیں کہ اس کا نام تمہارے ساتھ جوڑا جاسکے۔'' مجھے یوں لگا جیسے دل میں کوئی ٹوٹ گئی ہو۔

''وہ ایک آوارہ لڑکا ہے، ایف اے سے آگے تعلیم حاصل نہیں کرسکا تو میری اکلوتی بیٹی جانتے پوچھتے میں تمہیں اس جہنم میں نہیں جھونک سکتا۔'' میں سن سی بیٹھی تھی بابا کی آواز جیسے کھائی سے سنائی دے رہی تھی۔

''آپ کو کیسے معلوم ہوا بابا۔'' میں چونکی

پھنسی آواز میں پوچھا۔

"گزشتہ دنوں اس نے رحمان کے مزارع کی بھینسیں چرالیں جس پر وہ غریب آدمی میرے پاس شکایت لے کر آیا مجھے اس کی بات پر یقین نہیں آیا تھا میں نے سوچا ہو سکتا ہے یہ غلط ہو اور جب پچھلے ہفتے میں افتخار کے پاس گاؤں گیا تھا اسی سلسلے میں بات کرنے کے لئے تو افتخار نے صاف صاف کہہ دیا کہ شاہ جہاں اس قابل نہیں رہا کہ تمہاری بیٹی اس کے حوالے کروں البتہ کامران نے ایل ایل بی کرلیا ہے اچھا شریف لڑکا ہے جلدی ہی اعلیٰ تعلیم کے لئے ملک سے باہر جا رہا ہے، وہ بھی تو میرا ہی بیٹا ہے، تم سوچ کر مجھے بتا دو اگر کامران تمہیں پسند ہو تو میں رضامندی دے دوں ویسے مجھے تو کامران میں کوئی کمی نظر نہیں آتی تم پر کوئی زبردستی نہیں کی جائے گی اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے کا تمہیں پورا حق ہے، مجھے اپنی تربیت پر بھروسہ ہے اب تم اٹھو اور کھانا لگاؤ۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے بات ختم کر دی اور اٹھ کر چلے گئے لیکن میری حالت کچھ عجیب سی ہوگئی آنکھوں میں مرچیں سی بھر گئیں میں بابا کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی اسی لئے جیسے تیسے کر کے کھانا لگایا اور کھانے کے بعد اپنے کمرے میں آکر خوب روئی گویا ضبط ٹوٹ گیا ہو۔

شاہ جہاں میرا چچا زاد، خالہ زاد کے علاوہ میرے بچپن کا منگیتر بھی تھا، افتخار چچا اور فیروزہ خالہ کی زندگی بڑی اچھی گزر رہی تھی کہ اچانک ہی ناہید ملازمہ کی حیثیت سے گھر میں داخل ہوئی خوبصورت بھی تھی جلد ہی چچا جان کو حسن کے جال میں جکڑ لیا میری معصوم خالہ کو اس وقت پتہ چلا جب انہوں نے شادی کر لی فیروزہ خالہ برداشت نہ کر پائیں اندر ہی اندر گھلنے لگیں پھر چند ہی سالوں میں یہ روگ انہیں قبر کے اندھیروں میں لے گیا، شاہ جہاں کے لئے مجھے اس وقت خالہ نے مانگ لیا تھا جب میں اس دنیا میں آئی اس سانحہ کے بعد امی اور بابا نے چچا سے ملنا چھوڑ دیا، آخر ان کی بہن کی موت کے وہ ذمہ دار تھے خالہ کے انتقال کے بعد شاہ جہاں کو امی نے اپنے پاس لانے کی بہت کوشش کی مگر شاید چچا نے خالہ کی موت کا ازالہ اس طرح کیا کہ اسے اپنے سینے سے لگائے رکھا پھر امی دیور کے گھر کبھی نہ گئیں یہاں تک کہ دنیا سے کوچ کر گئیں ان کے انتقال پر چچا جان ناہید چچی کامران اور عدیلہ بھی آئے تھے ان کے ساتھ شاہ جہاں بھی آیا تھا تب اسے میں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا وہ اس وقت میٹرک کا سٹوڈنٹ تھا، امی کے انتقال پر وہ سب سے زیادہ رویا تھا اور اس وقت وہ مجھے بے تحاشہ اپنا اپنا سا لگا یہ مجھے بچپن سے پتہ تھا کہ وہ میرا منگیتر ہے اور یہ بات شاہ جہاں بھی جانتا تھا جبکہ کامران اور عدیلہ سے میں کافی گھل مل گئی تھی، چچی بھی بظاہر تو اخلاق کی اچھی لگ رہی تھیں شاہ کا بھی خیال رکھتیں، چالیسویں کے بعد وہ لوگ چلے گئے چچا نے گاؤں میں زمینیں سنبھال رکھی تھیں اس لئے وہ وہیں رہائش پذیر تھے البتہ اس گاؤں کے قریبی شہر جڑانوالہ میں بچوں کی تعلیم کی خاطر مکان بنوا رکھا تھا جہاں ان کے بیوی بچے رہا کرتے تھے، بابا سرکاری وکیل تھے زمینیں ٹھیکے پر دے رکھی تھیں اور خود لاہور میں رہائش رکھتے تھے یہاں ہماری ذاتی کوٹھی تھی اور بہت کم گاؤں جاتے اور میں نے آج تک اپنے گاؤں کی شکل تک نہ دیکھی تھی اس کے بعد کامران اور عدیلہ اکثر چھٹیوں میں ہمارے پاس آجاتے عدیلہ تقریباً میری ہم عمر تھی اس لئے اس سے خاصی دوستی ہوگئی تھی ہم فون وغیرہ بھی کیا کرتے اور ہماری باتوں میں کبھی کبھی شاہ جہاں کا بھی ذکر ہوتا ان لوگوں کی باتوں سے ظاہر ہوتا کہ یہ لوگ اسے چاہتے ہیں بابا نے دو ایک بار اسے اپنے پاس بلانے کی کوشش کی مگر وہ ٹال گیا لہٰذا میں شاہ جہاں کو پھر کبھی نہ دیکھ سکی حالانکہ یہ میری شدید ترین خواہش تھی آنکھوں نے خود بخود ہی اس کے سپنے دیکھنے شروع کر دیئے تھے، شاہ جہاں کو یقیناً اس گھر میں چاہت مل رہی تھی ورنہ وہ ہمارے پاس آجاتا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس انتظار بڑھتا گیا میں نے حال ہی میں نے بی اے کرلیا تھا۔

اور آج بابا جان کیا کہ گئے تھے شاہ جہاں کی رگوں میں ایک شریف ماں کا خون دوڑ رہا تھا وہ فطرتاً ایسا تو نہ تھا تو کیا اسے ماحول نے ایسا بنا دیا گیا افتخار چچا نے اسکی محبت کا حق ادا نہ کیا تھا؟ کیا ناہید چچی نے اس سے اچھا سلوک نہ کیا تھا؟ میرے ذہن میں طرح طرح کے سوال ابھرتے رہے وہ میری پہلی اور آخری چاہت تھا، بچپن میں جو سوچ میرے والدین نے میرے ذہن میں بٹھائی تھی وہ میری روح کی گہرائیوں تک اتر چکی تھی اسے کھرچ دینا آسان نہ تھا میں نے اسے چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کیا ہمارے جسم پر کوئی زخم آجائے تو ہم اس حصے کو کاٹ پھینکتے ہیں؟ ہرگز نہیں ہم اس کا علاج کرتے ہیں شاہ جہاں بھی تو میری روح کا ایک حصہ تھا، میں اسے کیسے علیحدہ کرتی میں نے عزم کیا کہ میں خود اسے ٹھیک کروں گی آخر دنیا کا ایسا کون سا کام ہے جو ہم نہیں کر سکتے میں نے شاہ جہاں کے تصور کا جو چراغ اپنے دل میں روشن کیا تھا اسے کبھی بجھنے نہیں دوں گی۔

میں نے اپنے زخم اپنے اندر سمیٹ لئے

ہوئے ڈائننگ ٹیبل پر آئی اور یہ ایک انتہائی مشکل عمل تھا مگر میں بابا کو دکھ نہیں دینا چاہتی تھی خلاف توقع مجھے دیکھ کر بابا کی آنکھوں میں طمانیت کا احساس اتر آیا تبھی کھانے کے دوران انہوں نے پوچھا۔

''شہوار بیٹی جس انداز سے میں نے تمہاری تربیت کی ہے مجھے اس پہ ناز ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ تم جذبات سے ہٹ کر کوئی صحیح فیصلہ کرو گی شاہ جہاں مجھے کامران سے کہیں زیادہ عزیز تھا، مجھے بھی اس کے یوں بگڑ جانے سے صدمہ ہوا ہے لیکن میں اسے سمجھا نہیں سکتا اس لئے کہ افتخار خود بھی اس سے بات کرتے ہوئے گھبراتا ہے وہ نہایت خودسر اور منہ پھٹ ہو چکا ہے اکثر گھر سے غائب رہتا ہے افتخار تو اسے عاق کرنے کی سوچ رہا ہے۔'' بابا آہستہ آہستہ بتاتے رہے ان کی باتیں سننے کے بعد میں نے بڑے دھیمے لہجے میں کہا۔

''بابا جان! اگر خالہ جان زندہ ہوتیں تو کبھی ماں بیٹے کا رشتہ نہ توڑتیں اور امی زندہ ہوتیں تو خالہ بھانجے کا رشتہ نہ قائم رہتا ہے وہ لاکھ برے سہی لیکن ہمارے اپنے ہیں۔'' میں نے بڑے سکون سے تمام جھجک بالائے طاق رکھ کر ڈھکے چھپے لفظوں میں انہیں جتلا دیا کہ میں کامران سے شادی نہیں کروں گی بابا مجھے صرف دیکھ کر رہ گئے اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے ہمارا خاندان نہایت دقیانوسی تھا لیکن بابا ان سب سے مختلف تھے۔

☆☆☆

میں ملازمہ سے گھر کی صفائی کروا رہی تھی کہ ملازم ایک خط کا لفافہ مجھے تھما کر چلا گیا، میں نے ایک سرسری نظر ڈالی خط لکھنے والے کا نام شاہ جہاں لکھا تھا میں چونک گئی حالانکہ خط بابا کے نام تھا اور میری یہ عادت تو نہ تھی لیکن یہ ایک ا... شخص کا خط تھا جس سے میری تمام دلچسپیاں وابستہ تھیں میں نے بڑی احتیاط سے خط کھولا تھا۔

''محترم تایا جان! آداب!''

''گزشتہ دنوں مجھے بابا کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ درشہوار کی شادی کامران سے کرنا چاہتے ہیں، میں جانتا ہوں میں اس کے قابل نہیں شاید وہ بھی مجھ جیسے شخص کے ساتھ شادی کرنا پسند نہیں کرے گی، مجھے ہمدردیاں حاصل کرنے سے نفرت ہے ورنہ میں آپ کو بتاتا کہ میری حالت کا ذمہ دار کون ہے لیکن چھوڑیئے میری اتنی سی درخواست ہے کہ شہوار کی خاطر میں اپنے آپ کو بدل دوں گا کیونکہ یہ میری مرحومہ ماں اور خالہ کی خواہش تھی مجھے یہ بھی افسوس ہے کہ میں ان کے خوابوں کی تعبیر نہ بن سکا آپ کا پورا اختیار ہے آپ اپنی بیٹی کی قسمت کا فیصلہ سوچ سمجھ کر کریں، لیکن میری التجا ہے کہ فیصلہ کامران کے حق میں مت کریئے گا میں برداشت نہیں کر پاؤں گا اس فیصلے کے انجام کے ذمہ دار آپ ہونگے یہ دھمکی نہیں ہے بلکہ میرے سچے جذبات ہیں آپ درشہوار کی شادی کہیں بھی کریں مجھے اعتراض نہیں ہوگا لیکن اگر میں نہیں تو کامران بھی نہیں، کوئی گستاخی ہوئی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔

واسلام، شاہ جہاں۔''

خط پڑھ کر مجھے حیرت ہونے کے ساتھ ساتھ خوشی کا احساس بھی ہوا کہ وہ بھی مجھے پانے کی تمنا رکھتا ہے اس کے خط سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو برا سمجھتا ہے اور میرا خیال ہے انسان کو جب اپنے اندر کی برائیوں کا احساس ہو جائے تو ان پہ قابو پانا آسان ہوتا ہے مجھے کچھ کچھ اندازہ ہو رہا تھا کہ گھر والوں کا رویہ ... کے ساتھ اچھا نہ تھا ورنہ اگر شروع سے اس ... توجہ دی جاتی پیار دیا جاتا تو وہ اتنا نہ بگڑتا، زندگی ایک ہیرا ہے جسے تراشنا انسان کا کام ہے، محبت انسان کی زندگی مکمل کرتی ہے یہ پرخلوص اور بے ریا دلوں پہ نازل ہوا کرتی ہے کسی پاکیزہ صحیفے کی طرح، اسے محبت نہیں ملی تھی تو وہ ادھورا رہ گیا تھا اس کی شخصیت توجہ اور محبت کی کمی کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی یہ سب سوچ کر میں نے عزم کیا کہ میں شاہ کو مکمل کروں گی کہ اس کی تمام محرومیاں مٹ جائیں گی میں خود سے عہد کیا اور خط اسی طرح احتیاط کے ساتھ بابا کی رائٹنگ ٹیبل پر رکھ دیا۔

☆☆☆

میں نے دیکھا تھا بابا کچھ دنوں سے پریشان تھے میں ان کی پریشانی کی وجہ جانتی تھی وہ اپنی اکلوتی بیٹی کو کنویں میں دھکیل کر تماشہ نہیں دیکھ سکتے تھے میں خوش نصیب تھی کہ مجھے ان جیسا محبت کرنے والا باپ ملا تھا۔

''کیا بات ہے بابا آپ کچھ پریشان سے ہیں؟'' ایک دن انہیں زیادہ خاموش دیکھ کر پوچھ لیا۔

''بیٹا مجھے تمہاری فکر ہے نجانے کیسی قسمت ہے تمہاری۔'' ان کا لہجہ اداس تھا۔

''یہ قسمت وسمت اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کا دوسرا نام ہے ورنہ میرے خیال میں انسان اپنی قسمت خود بناتا ہے آپ کو مجھ پر اعتماد ہونا چاہیے کہ میں مخالف چلتی ہواؤں کو بھی اپنی طرف کر سکتی ہوں اس لئے کہ آپ میرے بابا ہیں۔'' میں نے اعتماد سے کہا تو وہ مسکرا دیئے۔

''وہ تو ٹھیک ہے شہوار مگر میں چاہتا ہوں میری بیٹی کو مخالف ہواؤں کا سامنا ہی نہ کرنا پڑے۔''

''لیکن بابا! میں سمجھتی ہوں اس زندگی میں کوئی کشش نہیں ہوتی جس میں جدوجہد نہ ہو جو کچھ ہمیں محبت سے ملتا ہے بن مانگے کی چیز سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔'' میں مسکرا دی تو بابا بھی مسکرا دیئے۔

☆☆☆

زندگی اچھے خاصے سکون سے گزر رہی تھی کہ اچانک ایک ایسا طوفان آیا میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور سر سے آسمان سرک گیا، بابا اس دن شاہ جہاں کو لینے گاؤں جا رہے تھے ہمارا خیال تھا کہ اسے یہاں اپنے آپ پاس رکھیں شاید وہ اپنی پرانی روش بھول جائے چھوڑ دے، گاؤں جاتے ہوئے بابا کا ایکسیڈنٹ ہو گیا میری زندگی کا اس دنیا میں واحد سہارا مجھ سے بچھڑ گیا اس دن مجھے یوں لگا کہ جیسے بابا کے ساتھ ساتھ امی نے بھی آج ہی مجھے چھوڑا ہو میں تڑپ تڑپ کے رو رہی تھی چچا کی فیملی آئی یہ بھی سنا کہ وہ بھی آیا تھا لیکن مجھے اتنی ہوش کہاں کہ میں اسے دیکھتی بابا کی موت میرے لئے کوئی معمولی بات نہ تھی میری معمولی سی تکلیف پر تڑپ جانے والا باپ منوں مٹی تلے قبر کے اندھیروں میں جا سویا تھا میں کتنی بے بس تھی کچھ بھی نہ کر سکی ایسے میں چچا چچی کامران بھائی اور عدیلہ میری دلجوئی میں لگے رہتے ان کے سہارا دینے سے میں آہستہ آہستہ زندگی کی طرف لوٹ آئی یہی قانون قدرت ہے کبھی کبھی میں سوچتی اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو میرا کیا ہوتا جس دن وہ گھر واپس جانے لگے انہوں نے مجھے بھی ساتھ چلنے کو کہا تو میں تڑپ اٹھی۔

''لیکن چچا جان میں کیسے اپنا گھر چھوڑ سکتی ہوں یہاں میرے ماں اور بابا کی یادیں ہیں ان کے ساتھ گزرے خوبصورت لمحے جواب میری زندگی کا حاصل ہیں۔'' میں مسلسل رو رہی تھی تو چچا

جان نے مجھے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔
"شہوار بیٹا! ہم تمہیں یہاں اکیلی بھی تو نہیں چھوڑ سکتے ہمارے ساتھ چلو بیٹا ابدی سفر پہ جانے والوں کے ساتھ کب جایا جا سکتا ہے پیچھے رہ جانے والوں کو زندگی وہیں سے دوبارہ شروع کرنی پڑتی ہے جہاں سے ساتھ کی ڈور ٹوٹتی ہے یہاں رہو گی تو بھائی اور بھابھی کی یادیں بے چین رکھیں گی وہاں جا کر شاید کچھ سکون مل جائے تمہارا دل بہل جائے گا۔" چچا نے کہا تو مجھے مجبوراً جانا پڑا پرانی طرز کا بنا ہوا گھر لیکن خاصہ کشادہ تھا ایک کمرہ عدیلہ کا تھا اور دوسرا کامران بھائی کا، مجھے بھی عدیلہ کے کمرے میں رہنے کے لئے جگہ دی گئی، پہلے پہل مجھے بڑی کوفت ہوئی میں تنہا کمرے میں سونے کی عادی تھی بہرحال میں نے اپنی طبیعت پر جبر کیا اور اس گھر میں آ کر بے چینی کا احساس اور بھی بڑھ گیا تھا کیونکہ یہی گھر کبھی میری خالہ کی ملکیت تھا۔
یہاں آئے مجھے ایک ہفتہ ہو چکا تھا نئے ماحول میں خود کو ایڈجسٹ کرنا خاصہ تکلیف دہ عمل ہے اگرچہ چچی ناہید کا رویہ میرے ساتھ بہت اچھا تھا مگر پھر بھی ایک اجنبیت کا احساس درمیان میں دیوار بن کر کھڑا تھا شاہ جہاں کو اس پورے ہفتے میں ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا، عدیلہ اور کامران بھائی میرا بہت خیال رکھتے، چچی بھی خیال رکھتی لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں؟ میں پریشان رہا کرتی۔
مارچ کے دن تھے رات کا تقریباً ایک بجا تھا شام ہی سے بارش ہو رہی تھی اور میں اپنے بستر پر پڑی بے قراری سے کروٹیں بدل رہی تھی کبھی بابا کی طرف خیال چلا جاتا تو کبھی شاہ جہاں کی طرف، دائیں طرف والے بیڈ پر عدیلہ دنیا و مافیہا سے بے خبر سو رہی تھی لیکن میری نیند جانے کہاں کھو گئی تھی تب ہی باہر کے آہنی گیٹ پر بڑے زور سے دستک ہوئی یوں جیسے کوئی ا... بھاری بوٹوں سے گیٹ کو ٹھوکریں مار رہا ہو پہلے میں نے اپنا وہم سمجھی مگر گیٹ پر مسلسل ضربوں نے مجھے اپنا خیال بدلنے پر مجبور کیا میں جو اچھی خاصی بہادر لڑکی تھی خوف زدہ ہو گئی نجانے کون تھا گیٹ توڑنے کی کوشش کر رہا تھا ایک ہمارا کمرہ بھی گیٹ کے زیادہ قریب تھا جب آواز کچھ زیادہ ہی تیز ہو گئی تو میں نے گھبرا کر پاس پڑی عدیلہ کو جگا دیا۔
"کیا ہے بھئی؟" بمشکل آنکھیں کھولتے ہوئے اس نے میری طرف دیکھا۔
"عدیلہ کوئی گیٹ پر ہے۔" میں نے اس کی توجہ آواز کی جانب مبذول کروائی، زیرو پاور کے بلب کی روشنی میں بھی میں نے محسوس کیا کہ اس کے چہرے پر نفرت و حقارت کے تاثرات پھیل گئے۔
"کم بخت رات کو بھی چین لینے نہیں دیتا سو جاؤ۔" وہ کروٹ بدل کر سو گئی اور میں حیران پریشان سوچتی ہی رہ گئی، یہ اتنی نفرت سے عدیلہ کسے مخاطب کر رہی تھی جو کوئی بھی تھا ظاہر ہے اسے جانتی ہے شاید کوئی نوکر ہو، بیچارہ بارش میں کھڑا بھیگ رہا تھا میرا دل فطری ہمدردی کے جذبے سے معمور ہو گیا آواز اب بے تحاشہ آ رہی تھی آخر لڑکی تھی اٹھنے کی جرأت نہ کر سکی قدموں کی آہٹ اور گیٹ کھلنے کی آواز پہ میں نے سکون کا سانس لیا۔
"تم پھر آ گئے ہو، اس قدر آوارہ انسان کی ہمارے گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے۔" کامران کی حقارت آمیز آواز میرے کانوں سے ٹکرائی تو میں اٹھ کر کھڑکی کے قریب چلی آئی، بارش اب کچھ ہلکی ہلکی ہو رہی تھی، اندھیروں کا سینہ چیرنے کی

ناکام سی کوشش میں مصروف باہر والے بلب کی روشنی میں آنے والے کا دراز قد چوڑے شانے بڑے نمایاں لگ رہے تھے اپنے کیچڑ بھرے بوٹ اس نے برآمدے کی سیڑھیوں سے صاف کیے اس نے کوٹ اتار کر قریب پڑی کرسی پر پھینکا وہ خاصہ بھیگا ہوا لگ رہا تھا، چہرے کے خدوخال واضح نہیں ہو پا رہے تھے۔
"نہ جانے کیسی عورت کا تم نے دودھ پیا ہے خاندان کا نام بدنام کرنے پہ تلے ہوئے ہو یہ کوئی شریفوں کے آنے کا......" کامران ابھی اپنا جملہ مکمل نہ کر پایا تھا کہ اس نے گھوم کر اپنا ہاتھ اس کے منہ پر جڑ دیا۔
"میں نے اسی عورت کا دودھ پیا ہے جس کی ملازمہ تمہاری ماں تھی سمجھ گئے۔" وہ دھاڑا اور پاؤں پٹختا اندر کی طرف آنے والی راہداری کی طرف مڑ گیا کامران چند لمحے سن کھڑا رہا پھر چلا چلا کر غلیظ قسم کی گالیوں سے اسے نوازنے لگا چچا اور چچی بھی شور سن کر آ گئے کافی ہنگامہ کھڑا ہو چکا تھا کامران بھائی جو کافی سلجھے ہوئے نظر آتے تھے جو بولتے تو بے تحاشہ وسیع خیالات اور اعلیٰ ظرف ہونے کا ثبوت دیتے تھے لیکن اس وقت ان کی زبان انتہائی بیہودہ الفاظ تراش رہی تھی بعض لوگوں کے خیالات تو سمندروں کی طرح وسیع ہوتے ہیں لیکن عمل جوہڑ جتنی کشادگی بھی نہیں رکھتے چچا جان کو دیکھتے ہی وہ بات بدل گئے اور کہا۔
"میں نے تو شاہ سے اتنا ہی کہا ہے کہ کیوں ابو کے نام بدنام کرنے پر تلے ہوئے ہو تو اس نے جواب میں مجھے تھپڑ مارا اور ملازمہ کا بیٹا ہونے کا طعنہ دیا ہے۔" ناہید چچی یہ سن کر رونے لگی اور چچا جان کو تو یوں کا رخ شاہ جہاں کی طرف ہو گیا، مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ ماں بیٹا یہ ظاہر کرنا چاہتے ہوں کہ ہم تو شاہ کو بہت چاہتے ہیں لیکن یہ ہی ہمارا دشمن بنا ہوا ہے خاص طور پر کامران کو تو دیکھ نہیں سکتا اور اپنے باپ سے ان کی وجہ سے متنفر ہے آخر تقریباً ایک گھنٹے بعد ہنگامہ تھما اور سب پھر سو گئے عدیلہ بھی پل میں سو گئی، لیکن نیند میری آنکھوں سے جیسے روٹھ گئی میرا ذہن اسی بات کو قبول کرنے پر تیار ہی نہیں تھا کہ یہ سب لوگ شاہ جہاں کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہیں میرا افیانسی ہونے کے علاوہ وہ میرا خالہ زاد تھا چچا زاد تھا، اتنا گہرا خون کا رشتہ تھا، شاید اس وجہ سے مجھے میں زیادہ اس کی تکلیف کو محسوس کر رہی تھی کامران نے اس کے جوان خون کو مشتعل کیا تھا وہ جو بھی جواب دیتا کم تھا اس کی ماں میری پاکیزہ خالہ کے دودھ کو گالی دی تھی کاش کامران کا یہ روپ کوئی اور بھی دیکھتا جسمانی طور پہ نہ سہی روحانی طور پر ہی اس نے ایک انسان اتنا مجروح کیا تھا کہ وہ مفلوج ہو کر رہ گیا تھا، ایسے لوگ معاشرے پر بوجھ بن جاتے ہیں تو یہ معاشرہ خود انہیں اپنے پاؤں تلے روند دیتا ہے ان کے قتل کسی کے سر نہیں پڑتے خودکشی سے تشبیہ دیئے جاتے ہیں اس کی شخصیت پہ نفرت کی اتنی ٹھوکریں لگائی گئیں تھیں اس قدر گھائل کیا گیا تھا کہ وہ محافظ بننے کی بجائے وطن پہ بوجھ بن گیا تھا اور ایک بار پھر میں خود سے عہد کیا کہ میں اسے مکمل کروں گی میرے والدین نے محبتوں کے اتنے پھول مجھ پہ نچھاور کیے تھے پیار کے اتنے خزانے لٹائے تھے کہ میرا من پیار بھرا سمندر ہو گیا تھا اب میں اس کی گہرائی میں شاہ کو ڈبو دینا چاہتی تھی اس کی نفرتوں کی دھوپ میں جلتی زندگی پہ گھٹا بن کر چھا جانا چاہتی تھی اگرچہ یہ کام خاصا مشکل تھا مگر ناممکن نہیں تھا وہ لاکھ برا سہی لیکن ہر انسان میں انسانیت کی رمق ہوا کرتی ہے ہم اس کی انسانیت

کواس کی برائیوں پر غالب لا سکتے ہیں ضرورت صرف توجہ اور محنت کی ہے یہ فیصلہ کر کے میں پرسکون ہو گئی تھی کیونکہ یہ فیصلہ دل کا تھا اور میرے دل کے ایوانوں میں ایک ہی نام کی بازگشت گونج رہی تھی اور وہ نام تھا شاہ جہاں کا۔

☆☆☆

اذان کی آواز پر اٹھ بیٹھی نماز ادا کی، عدیلہ ابھی سو رہی تھی باہر اندھیرا پھیلا ہوا تھا کہ کچن سے برتنوں کی کھڑ پڑ کی آوازیں آنے لگیں میں بھی چائے بنانے کی غرض سے کچن میں چلی گئی تو بوا پہلے سے ہی پانی آگ پہ رکھے بیٹھی تھی۔

''سلام بوا!'' میں نے انہیں سلام کیا۔

''جیتی رہو بیٹی!'' انہوں نے شفقت سے کہا۔

بوا خالہ جی کے زمانے کی ملازمہ تھیں شاہ کو بھی انہوں نے پالا تھا اور وہ اسے ایک ماں کی طرح ہی چاہتی تھیں سنا تھا کہ شاہ اس گھر میں صرف بوا کی ہی عزت کرتا تھا۔

''کیا بات ہے بوا آج آپ بڑی جلدی اٹھ گئیں۔''

''کیا کروں بیٹا تمہیں معلوم ہو ہی گیا ہو گا کہ رات شاہ بیٹا آیا تھا بن ماں کا بچہ بارش میں بھیگتا ہوا آیا تھا اس کی ماں زندہ ہوتی تو صدقے واری جاتی پر ایسی سوتیلی ماں تو کسی دشمن کی بھی نہ ہو میں جانتی ہوں وہ اپنی ذات سے بالکل لاپرواہ ہے جب سب سو گئے تو میں اس کے کمرے میں گئی تھی ویسے ہی بھیگے کپڑوں کے ساتھ کرسی پر پڑا ہوا تھا بڑی مشکل سے اس کے کپڑے بدلوائے اسے سلا کے اپنے کمرے میں گئی مگر مجال ہے جو نیند آئی ہو ساری رات اس میں دم اٹکا رہا، اذان ہوئی تو نماز پڑھ کر اس کے لئے چائے بنانے آئی ہوں۔'' بوا کی بوڑھی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کے جھریوں زدہ چہرے کو بھگونے لگے اپنے آنچل سے انہوں نے آنسو صاف کیے میرا دل دکھ سے بھر گیا سب ہی اللہ میاں کے بنائے ہوئے انسان ہیں کوئی کتنی اہمیت رکھتا ہے اور کوئی کتنا غیر اہم، میری آنکھ سے آنسو نکل کر نیچے گرا تو مجھے لگا یہ وہ درد باہر نکلنے کی کوشش کر رہا ہے جو شاہ سے متعلق میرے دل میں بیٹھ گیا ہے، میں نے آہستہ سے اپنے گال صاف کیے۔

''ارے بوا! آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں میں بنا دیتی ہوں۔'' میں نے خیالات کے الجھاؤ سے نکلنا چاہا۔

''جیتی رہو بیٹی خدا تمہاری عمر دراز کرے۔'' وہ مجھے دعائیں دینے لگیں۔

''یہاں تو بیٹی سب ہی اس سے نفرت کرتے ہیں بس ایک باپ کا دم ہے لیکن ناہید بیگم باپ کو بھی اس کے خلاف بہکاتی رہتی ہے میں نے ہزار بار کہا بیٹا تایا کے پاس لاہور چلے جاؤ لیکن وہ بھی ضدی ہے کہتا تھا اگر میں یہاں سے چلا گیا تو تو یہ سب خوش ہو جائیں گے کہ جان چھوٹی اور میں تو انہیں اذیت دینا چاہتا ہوں مجھے دکھی کرتے ہیں تو خود بھی سکھ سے نہ رہیں۔''

بوا کہتی رہی میں نے جلدی جلدی چائے بنائی اور خود ہی لے کر شاہ کے کمرے کی طرف چل دی یہ میرے منصوبے کی پہلی سیڑھی تھی اگرچہ فطرتاً میں خاصی خود دار تھی کوئی اور وقت ہوتا تو میں شاہ کو اپنی شخصیت کا یہ رخ ضرور دکھاتی لیکن وہ انسان جس نے محبت دیکھی ہی نہ ہو وہ چاہت کا یہ رخ کیسے پہچان سکتا تھا اسے تو کھلم کھلا اظہار کی ضرورت تھی اس کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے میرے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے اور دل میں انجانی دھڑکنیں ہلچل مچا رہی تھیں گویا زلزلے کے شدید ترین جھٹکوں کے درمیان آ گیا ہو دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے اپنے کانپتے وجود کو سنبھالا اور اللہ کا نام لے کر اس کے کمرے میں قدم رکھا، سامنے ہی وہ سینے تک رضائی لئے آنکھیں بند کیے پڑا تھا وہ بہت خوبصورت تو نہ تھا لیکن چہرے پر ایسی کشش ضرور تھی کہ پہلی ہر نظر میں بھا گیا بس ذرا اپنے آپ سے لاپرواہی برتی گئی تھی بڑھا ہوا شیو اس کے گندمی چہرے کو سانولا بنا رہا تھا پتھریلے ہونٹ آپس میں سختی سے بھینچے تھے اور ان کے اوپر گھنی سیاہ مونچھیں تھیں بند آنکھوں کے پپوٹے بھاری تھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ آنکھیں موٹی ہیں بے تحاشہ گھنے خاصے الجھے ہوئے بال اور خشک خشک تھے میں نے چائے کی ٹرے تپائی پر رکھ دی تو اس نے آنکھیں کھولے بغیر ہی کہا۔

''بوا ذرا میرا سر دبا دو، بہت درد ہو رہا ہے۔'' میرا دل چاہا کہ چپکے سے نکل جاؤں فطری شرم کا احساس ہو رہا تھا لیکن اگلے ہی لمحے میں اس کے سرہانے کھڑی تھی دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا گویا تمام حدود پھلانگ کر باہر آ رہا ہو میں نے ایک بار پھر اپنی حالت بمشکل سنبھالی اور اس کا سر ہولے ہولے دبانے لگی اسے حرارت ہو رہی تھی میرا دل اس کی حالت پر کڑھ کر رہ گیا، وہ شاید بوا کے بوڑھے ہاتھوں کا لمس پہچانتا تھا تبھی چند ساعتیں گزرنے کے بعد ہی اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں اف وہ موٹی موٹی آنکھیں جن میں گلابی ڈورے بڑے نمایاں لگ رہے تھے میں گھبرا کے دو قدم پیچھے ہٹ گئی ایک پل اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں لیکن اگلے ہی لمحے ان آنکھوں میں سے بیزاری اور سرد مہری ٹپک رہی تھی۔

''بوا کہاں ہے؟'' اس نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''جی، وہ کام کر رہی ہیں۔'' میں نے بات بنائی۔

''ہوں۔'' اس نے ہوں کو لمبا کھینچتے ہوئے کہا تو بوا بھی اب مجھ سے اکتا گئیں ہیں سارے جہان کی تلخیاں اس کے لہجے میں سمٹ آئیں تب مجھے احساس ہوا وہ واقعی بہت ادھورا ہے جو خلوص کی پہچان بھی نہیں رکھتا۔

''جی نہیں وہ تو آ رہی تھیں میں نے منع کر دیا۔''

''کیوں؟'' اس نے تیوریاں چڑھا کر پوچھا۔

''بس یونہی۔'' توہین کے احساس سے میرا دل سلگ اٹھا۔

''بہر حال آپ جائیے یہاں سے۔'' اس نے کرخت لہجے میں کہا۔

مجھے غصہ آنے لگا اور میرے قدم دروازے کی طرف اٹھ گئے تب ہی میرے اندر سے آواز آئی تم ابھی سے ہی گھبرا گئیں ابھی تو بہت سی منزلیں طے کرنا ہیں میرے اٹھتے قدم رک گئے اور میں پلٹ کر اس کے لئے چائے بنانے لگی۔

''چینی کتنی ڈالوں؟'' میں نے بڑے اطمینان سے اس کی طرف دیکھا وہ بدستور تیوریاں چڑھائے مجھے ہی دیکھ رہا تھا۔

''مجھے ہمدردیوں سے نفرت ہے۔'' وہ کٹیلے لہجے میں بولا۔

''مجھے معلوم ہے۔'' بدستور چائے بناتے ہوئے میں نے اطمینان سے کہا۔

''تو پھر یہاں کیا لینے آئی ہو۔'' لہجہ ہتک آمیز تھا۔

''آپ کو چائے دینے۔'' میں نے بڑی نرمی سے اور سکون سے کہا اور چائے کا کپ اس کی طرف بڑھا دیا چائے لیتے ہوئے اس نے

خشمگیں نظروں سے میری جانب دیکھا تبھی بوا اندر آ گئیں۔

"تم نے پہچانا شاہ بیٹے، یہ درشہوار ہے۔" میرا خیال تھا وہ اب چونک جائے گا مجھے دیکھ کر اسے خوشی ہو گی اپنے رویے پر معافی مانگے گا لیکن مجھے افسوس ہوا جب اس نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا، ایسے ہی سرد تاثر دیئے لیٹا رہا اس نے رسمی طور پر بھی خوشی کا اظہار نہیں کیا اور بوا اس کے رات والے میلے کپڑے اٹھا کر لے گئی۔

"میں آپ کا کمرہ صاف کر دوں۔" میں نے بات بڑھانا چاہی۔

"دیکھیے میں صاف کمروں کا عادی نہیں ہوں میرا خیال ہے ایک جوان اور آوارہ آدمی کے کمرے میں آپ کو یوں تنہا نہیں آنا چاہیے تھا۔" اس کے لہجے میں طنز بھی شامل ہو گیا۔

میں تو کٹ کر رہ گئی یہ تو میں سمجھتی تھی کہ بگڑے ہوئے کو سنوارنا انتہائی مشکل کام ہے لیکن مجھے یہ احساس نہیں تھا کہ وہ مجھ سے اس قدر لاتعلقی کا اظہار کر سکتا ہے میں شکست خوردہ قدموں سے اس کے کمرے سے نکل آئی گو کہ اس کا رویہ خاصہ حوصلہ شکن تھا لیکن میں نے یہ سوچ کر اپنے آپ کو سنبھالے رکھا کہ اسے بچپن سے ہی نفرت کا سبق دیا گیا ہے وہ کیا جانے محبت کیا چیز ہوتی ہے کیسے کی جاتی ہے شاہ اس دن طبیعت کی خرابی کے باوجود کہیں چلا گیا اس کے جانے کا کسی کو احساس نہیں ہوا ایک میں اور بوا ہی اس کے لئے پریشان تھے جیسے کوئی اپنی قیمتی چیز کھو جائے اس دن میں پھر شدت سے محسوس کیا کہ گھر کا ہر فرد مجھے شاہ کے خلاف بہکانے کی کوشش کر رہا ہے اور خاص کر رات والے واقعے قصے کو تو کامران نمک مرچ لگا سنا رہے تھے اپنے آپ انتہائی حلیم طبع ظاہر کر رہے تھے اور سارا الزام شاہ پر ڈال دیا انہیں علم نہیں تھا کہ میں سب سن چکی ہوں چچا جان بھی شاہ کی حرکتوں سے نالاں نظر آتے تھے، ان کا کہنا تھا ایک میرا بیٹا کامران کتنا اچھا ہے اور ایک یہ ہے جس نے مجھے شرمندگی کے سوا کچھ نہیں دیا ہے۔

وقت دھیرے دھیرے سرکتا گیا شاہ بہت کم گھر آتا اور جب بھی آتا ضرور کسی نہ کسی سے الجھ بیٹھتا ہر بار چچا جان اس کو برا بھلا کہتے اور وہ ایسا بے حس تھا کہ بہن بھائی بڑے سے بڑا الزام لگا دیتے، مجال ہے جو کبھی تائید یا تردید کی ہو چہرے پر چٹانوں کی سی سختی لیے وہ چچا جان کے سامنے بھی بڑی سرکشی سے کھڑا رہتا بلکہ بعض دفعہ تو گستاخی پہ اتر آتا چچا جان اور شاہ کے درمیان ایک دیوار حائل تھی اجنبیت کی، نفرت کی، وہ جو ہر وقت کامران اور شاہ میں تقابل کرتے کرتے رہتے اس کے من میں جھانکنے کی کبھی کوشش نہ کی، وہ دل جو ہمیشہ اسے سینے سے لگانے کے لئے تڑپتا تھا وہ آنکھیں جو اسے اچھا آدمی بننے کی خواب دیکھتی تھیں اور جب یہ خواہش پوری نہیں ہوتی تو غصہ بن کر وہ شاہ کے اوپر چھلک پڑتے تھے اور شاہ انہیں محرومیوں کا انتقام اپنے آپ سے ہی لیا کرتا وہ اور برائیاں کرتا چچا جان اور نفرت کرتے ان کے درمیان کھڑی دیوار اور بڑھ جاتی ناہید چچی اس دیوار کا سہارا بنی ہوئیں تھیں۔

میں ان دنوں بڑی پریشان رہا کرتی شاہ کبھی گھر ٹکتا ہی نہ تھا ایسے میں بھلا کیسے اسے راہ راست پہ لایا جا سکتا تھا ایک چیز اور میں نے محسوس کی کہ جب بھی کبھی وہ آتا کامران میرے ساتھ کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہونے کی کوشش کرتا اور شاہ کے چہرے پر اور سختی آ جاتی۔

☆☆☆

عدیلہ دوپہر کے کھانے کے بعد کمرے میں آرام کر رہی تھی کہ مجھے پیاس محسوس ہوئی، پانی پینے کے لئے میں کچن میں گئی تو خلاف توقع مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ شاہ کھانا کھا رہا تھا اور بوا اس کے پاس کھڑی تھی میں نے پانی گلاس میں ڈالا تو بوا نے شاہ کا گلاس بھی آگے کر دیا میں بوتل کا باقی پانی اس میں انڈیل دیا میں ابھی وہیں کھڑی تھی کہ بوا باہر چلی گئی۔

"آپ گھر کیوں نہیں رہتے؟" میں نے خاموشی کو توڑا، اس نے چونک کر میری طرف دکھا۔

"اس گھر میں میری کمی کا احساس کس کو ہوتا ہے جو میں گھر آؤں۔" اس نے خلاف توقع نرمی سے کہا۔

"یہ آپ کی غلط فہمی ہے کم از کم میں تو آپ کی شدت سے منتظر رہتی ہوں۔" دلی جذبات ظاہر کرتے ہوئے مجھے سخت ذہنی کوفت ہوئی لیکن اس وقت یہ بھی غنیمت تھا وہ میری بات سن رہا تھا۔

"میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا کہ مجھے ہمدردیوں سے نفرت ہے۔" اس کے لہجے میں پھر تلخی آ گئی۔

"اور میں بھی آپ کو بتا چکی ہوں کہ آپ غلط فہمیوں کا شکار ہیں، کیا کمی ہے آپ میں کہ آپ سے ہمدردی کی جائے، خدانخواستہ معذور تو نہیں آپ اچھے آدمی ہیں اور پھر میرا اور آپ کا نزدیکی رشتہ بھی ہے۔" میں نے نرمی سے اسے سمجھایا تو شاید میری بات اس کے پلے پڑ گئی، وہ خاموش ہو گیا۔

"تو پھر آپ یہیں رہیں گے۔" میں نے لجاجت سے پوچھا۔

"آخر کس کے لئے؟" اس کی سرخ سرخ آنکھیں میری طرف اٹھیں تھیں ایک لمحے کو اس کے اس انداز سے میں خوفزدہ ہو گئی، لیکن میری خوشیاں اسی کے دم سے تھیں میں اسے ایک اچھا انسان دیکھنا چاہتی تھی اور وہ صرف اسی طرح ممکن تھا کہ میں اس کے دل میں اپنی محبت اور اعتماد بٹھاتی، اپنی خود داریاں اپنی انا سب کچھ بھول جاتی۔

"میرے لئے۔" کافی دیر نظریں جھکائے میں نے آہستہ سے کہا، وہ تلخی سے ہنسا۔

"آپ شاید میرا مذاق اڑا رہی ہیں ورنہ عدیلہ اور کامران آپ کی کافی دلجوئی کرتے ہیں۔" کامران پر زور دیتے ہوئے اس نے طنز سے کہا۔

"وہ لاکھ دلجوئی کریں ان میں اور آپ میں فرق ہے۔" ایک بار پھر میں نے طبیعت پھر جبر کر کے کہا اس لمحے پہلی دفعہ میں نے اس کے چہرے پر حیرت بھری چمک دیکھی وہ آنکھیں جو ہمیشہ وحشت ٹپکایا کرتیں تھیں ان میں بڑی نرمی اور معصومیت پھیلی ہوئی تھی طمانیت کا گہرا احساس میرے اندر پھیل گیا۔

"کیا فرق ہے بھلا؟" اب کے آواز میں شوخی کا عنصر تھا اور آنکھیں دلچسپی سے میری جانب اٹھی ہوئی تھی۔

"فرق، اُف توبہ آپ سمجھتے کیوں نہیں میں ایک لڑکی ہوں اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہہ سکتی۔" میں بری طرح شرما گئی تو وہ ہنس دیا اس گھر میں پہلی دفعہ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ دیکھی تھی۔

"میں کیسے یقین کر لوں کہ یہ سب سچ ہے کامران نے مجھے بتایا تھا کہ تمہارے مجبور کرنے پر ہی میری بجائے کامران کی بات چیت چلانے کی کوشش کی گئی تھی۔" وہ پھر سنجیدہ ہو گئے۔

''یقین کرو شاہ میں کامران اور دیگر لوگوں سے اچھے طریقے سے بات کرتی ہوں ان کی عزت کرتی ہوں کہ ان کا آپ سے نزدیکی رشتہ ہے ورنہ مجھے تو ان لوگوں سے نفرت ہے میں تو آپ کے علاوہ کسی اور کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی۔'' میری آنکھیں چھلک گئیں۔

''ارے ارے یہ غضب نہ کیجئے روئیے مت میں سب کچھ سمجھ گیا یہ ان لوگوں کی شرارت ہے۔'' وہ بڑے خلوص سے بولا تو میں نے آنسو صاف کر لئے، اس دن ہم نے کافی باتیں کی وہ بظاہر جتنا سخت تھا اندر سے اتنا ہی نرم نکلا میری چاہت بھی اس کے اندر پہلے سے موجود تھی لیکن وہ ا... پ کو اس قابل نہیں سمجھتا تھا کہ اس کا ا... ر سکے اب جب کہ میں نے اسے آگے بڑھنے کا موقع دیا تو وہ بھی نزدیک آ گیا اس دن کے بعد شاہ زیادہ تر گھر پر ہی رہتا تھا میں اگرچہ سب کے سامنے اس کے کمرے کی طرف کم ہی جایا کرتی لیکن جب بھی موقع ملتا ہم خوب باتیں کرتے، محبت کا ننھا سا پودا تناور درخت کی شکل اختیار کرنے لگا تھا اب دل کی عجب حالت رہنے لگی تھی ہر پل ہر وقت شاہ کا تصور میری نگاہوں میں جگنو کی طرح دمکتا رہتا دھیما دھیما سا بوجھل سا لہجہ اور مسکراتی شرارتی نگاہیں میرے روح تک کو سرشار کر دیتیں، انہوں دنوں چچی کے بھتیجے کی شادی تھی وہ سب جا رہے تھے مجھے بھی مجبور کیا گیا لیکن میں نے جانا مناسب نہ سمجھا شادی کسی دوسرے شہر میں تھی ایک ہفتہ تقریباً وہاں لگ جاتا اور میرے لئے یہ ممکن نہ تھا، میرے مسلسل انکار پر مجبوراً چچی وغیرہ سب کو جانا پڑا شاہ پہلے ہی کہیں گیا ہوا تھا گھر میں صرف میں اور بوا ہی رہ گئے، اگلے ہی دن وہ بھی آ گیا اور گھر میں سب کو نہ پا کر بہت خوش ہوا اس دن ہم نے ڈھیر ساری باتیں کیں شام کے بعد میں شاہ کے کمرے میں گئی تو مجھے یہ دیکھ کر حیرت اور دکھ ہوا کہ وہ شراب پی رہا تھا۔

''تم پیتے بھی ہو۔'' میں نے بڑے دکھ سے پوچھا۔

''کیا حرج ہے اس میں۔'' اس نے لاپرواہی سے کہا۔

''شاہ جہاں ہمارے مذہب میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''تم نے مجھے قبول کر لیا ہے اب مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔'' وہ بدستور لاپرواہ تھا۔

''یہ ٹھیک ہے شاہ کہ میں نے تمہیں ہر صورت میں قبول کر لیا ہے میں تمہیں تباہی کے غار سے گرتا بھی نہیں دیکھ سکتی لوگ تم پہ انگلیاں اٹھائیں تمہیں برا سمجھیں، یہ میری برداشت سے باہر ہے۔''

''ارے بھولی لڑکی انگلیاں تو بہت پہلے کی اٹھ چکیں میں تو بہت ہی برا آدمی ہوں اور یہ تو میری بہت ہی معمولی برائی ہے اگر تم میرا اصل چہرہ دیکھ لو تو پھر واقعی مجھ سے نفرت کرنے لگو۔'' وہ تلخی سے مسکرایا۔

''تمہارا اصل چہرہ تو نہایت پیارا اور معصوم ہے شاہ جہاں تم نے اپنے اوپر برائیوں کے غلاف چڑھا رکھے ہیں اور میں تمہاری برائیوں سے خوب واقف ہوں تم شراب بھی پیتے ہو، ناچ بھی دیکھتے ہو، اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے چوری بھی کرتے ہو برے دوستوں کی صحبت میں رہتے ہو لیکن میں پھر بھی تم سے پیار کرتی ہوں میں تمہاری ہو کر زندگی گزارنا چاہتی ہوں تم میرے لئے میرے شاہ جہاں صرف میرے لئے اچھے آدمی بن جاؤ۔''

قالین پہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر میں نے اپنا

سر اس کے قدموں کے قریب بیڈ کی پائنتی پر رکھ دیا اور میرے آنسو اس کے بستر میں جذب ہونے لگے کمرے کی خاموشی کو میری سسکیاں مرتعش کرتی رہیں کتنے ہی لمحے بیت گئے تب ہی وہ اٹھ کر میرے قریب آ گیا اس کے چہرے پر محبت کی روشنی تھی میرا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ بڑے پیار سے اس نے اوپر اٹھایا کتنے پل بیت گئے میں نے نظریں اٹھائیں تو کانپ کر رہ گئی، نہ جانے کیا تھا اس کی آنکھوں وہ شاہ تو نہ تھا۔

''نہیں نہیں، شاہ جہاں محبت تو انتہائی بلند جذبہ ہے کسی پاک صحیفے کی طرح پاک دلوں پہ اترتا ہے۔'' میں تڑپ کر اس سے دور ہو گئی۔

''یہ سب الفاظ کا ہیر پھیر ہے یہ بلندیاں یہ پستیاں بھی ہماری تعمیر کردہ ہیں حالانکہ یہ سب ایک اٹل حقیقت ہے انسانی فطرت، آؤ سب بھول جائیں۔'' وہ جذباتی ہو رہا تھا۔

''الفاظ کے ہیر پھیر سے اس کے معنی نہیں بدل جاتے ہم انسان ہیں وہ انسان جو اشرف المخلوقات ہیں جانور نہیں۔'' میرا لہجہ بھی تلخ ہو گیا۔

''الفاظ کو معنی ہم پہناتے ہیں ورنہ یہ تو محبت کی معراج ہے تم مجھ سے محبت کرتی ہو یہ کیسی محبت ہے کہ تم میرا معمولی سا مطالبہ پورا نہیں کر سکتی ہو۔'' اس کی آنکھوں کی وحشت بڑھتی جا رہی تھی۔

''تم جسے محبت کی معراج کہتے ہو وہ محبت کی موت ہے اور پھر میں تو تمہاری ہوں ہم ایک مقدس بندھن میں بندھ کر بھی تو قریب آ سکتے ہیں تم نہیں جانتے شاہ جہاں تمہیں کس نے بتایا بھی نہیں کہ عورت کی عزت ایک نازک آبگینہ ہے جو ایک بار ٹوٹ جائے تو پھر نہیں جڑ سکتا مجھے نسوانی قدروں کا پاس ہے میرے اندر ایک سچی اور بھرپور عورت بسی ہے جس نے میرا دامن مضبوطی سے تھام رکھا ہے میں اسے شکست نہیں دے سکتی میں اسے توڑ پھوڑ نہیں سکتی یہ میرے بس میں نہیں شاہ اور شاید آج تک تمہیں ایسی کوئی عورت نہیں ملی جو تمہیں پاکیزگی کا درس دیتی اس سچے اور پاکیزہ راستے میں کتنا سکون ہے تم سوچ بھی نہیں سکتے، میں زندگی کی مشکل ترین راہوں میں تمہارا ساتھ دے سکتی ہوں میری جان بھی تمہارے لئے حاضر ہے لیکن یہ گھناؤنا راستہ اختیار کرنا میرے بس میں نہیں۔'' وہ نہ جانے کن سوچوں میں کھو گیا میں نے وہاں مزید ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور شکست خوردہ سی اپنے کمرے میں چلی آئی ساری رات میں تڑپ تڑپ کر روتی رہی نہ جانے کیوں جانتے بوجھتے بھی ہم بعض لوگوں سے امیدیں وابستہ کر لیتے ہیں اور جب امیدیں پوری نہیں ہوتیں تو دل کے ہزار ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور ہر ٹکڑے سے اپنی کم مائیگی کی آہیں نکلتی ہیں۔

☆☆☆

اگلے دن میں نے اپنے کمرے میں ہی ناشتہ کیا باہر جانے کو جی نہ چاہا یوں بھی رات کا بیشتر حصہ جاگتے گزرا تھا طبیعت میں کسلمندی سی ہو رہی تھی فل اسپیڈ پنکھا چھوڑے اپنے تھکے ہوئے اور سلگتے ہوئے دماغ کو سکون دینے کی کوشش کر رہی تھی شاہ جہاں سے دور ہونا میرے بس کی بات نہ تھی لیکن اس کی لغت میں محبت کی جو معراج تھی اسے حاصل کرنا میرے بھی بس میں نہ تھا میں ایک غیور باپ کی باغیرت بیٹی تھی میں تو یہ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ اسے اتنا موقع ہی کیوں ہی کیوں دیا کہ مجھ سے ایسا مطالبہ کر بیٹھا اس سے پیشتر مجھے ڈوب مرنا چاہیے تھا میں اپنے آپ کو ملامت کرتی رہی شام کو واش روم سے نکل کر اپنے کمرے میں آئی تو مجھے حیرت ہوئی

کلاف توقع تو شاہ جہاں وہاں بیٹھا ہوا تھا میں اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ کر الماری سے کپڑے الٹ پلٹ کرنے لگی، اندر کا اضطراب جیسے ہاتھوں میں آ گیا تھا۔

"درشہوار!" اس نے مجھے جذبوں سے چور لہجے میں مجھے پکارا۔

"جی!" میں نے سرد مہری سے اسے دیکھا۔

"مجھے معاف کر دو شہوار تم بہت عظیم ہو اور میں تمہارے قابل نہیں میں نے ساری رات اور سارا دن سوچتے گزار دیا میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تمہارا راستہ سچا اور پاکیزہ ہے اور میرا راستہ انتہائی گھناؤنا میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب مقدس طریقے سے تمہیں اپناؤں گا اور اس سے پہلے اپنے آپ کو اس قابل بناؤں گا اگر نہ بن سکا تو تمہاری زندگی سے ہمیشہ کے لئے نکل جاؤں گا۔" اس نے نہایت خلوص اور ندامت سے کہا تو میری آنکھوں سے خوشی کے آنسو آ گئے اسے اپنے کیے پہ پچھتاوا تھا اس کی پریشان آنکھوں میں سچ چمک رہا تھا، واقعی ہی جذبوں میں صداقت ہو تو جیت ہمیشہ سچائی کی ہوتی ہے۔

"کیا میں اس قابل بھی نہیں درشہوار کہ تم مجھے معاف کر دو۔" میری خاموشی دیکھ کر اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں میں جانتی ہوں تم تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے آج تک تمہیں روشنی کا راستہ دکھانے کی کوشش ہی نہیں کی ایک سچا موتی کیچڑ میں جب پھینک دیا جائے تو اس کی اصلی صورت چھپ جاتی ہے لیکن جب بھی اسے صاف کیا جائے تو اصلی حالت میں آ جاتا ہے میں جانتی ہوں تم بہت معصوم ہو تمہیں ماحول ایسا دیا گیا ہے نفرتیں اتنی ملی ہیں کہ تم انتقاماً ایسے بن گئے ہو یہ انتقام تم نے اپنے آپ سے لیا کسی کا کچھ نہیں بگڑا، کامران، عدیلہ چچی وغیرہ تو خوش ہیں تمہاری یہ حالت دیکھ کر، تم اپنے ہی دشمنوں کو خوش کرتے ہو۔" میں نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگائی۔

"تم ٹھیک کہتی ہو شہوار میں نے اپنے آپ کو بگاڑ لیا ہے لیکن اب تم ہی بتاؤ میں اتنی آسانی سے ان سب سے کیسے پیچھا چھڑوا سکتا ہوں۔" وہ بے بسی سے بولا۔

"دنیا کا کوئی کام ناممکن نہیں میں جانتی ہوں تم جب کوئی برا کام کرتے ہو تو وقتی طور پر تمہیں خوشی کا احساس ہوتا ہے تسکین ملتی ہے لیکن تمہارا ضمیر ہمیشہ تمہیں بے چین رکھتا ہے وقتی خوشی کی خاطر ابدی غم مت خریدو جب تم اچھائی کے راستے پر چلنے لگو گے تمہارے ذہن کا سارا بوجھ ہلکا ہو جائے گا تم اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرو گے، تمہاری درشہوار تمہارے ساتھ ہے۔" میں نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"تھینکس شہوار میں پوری کوشش کروں گا۔" وہ آہستگی سے بولا۔

وہ میرے قریب چلا آیا، میں ڈر کر ذرا پیچھے ہوئی تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مغمور لہجے میں گویا ہوا۔

ہاتھ دیا اس نے میرے ہاتھ میں
میں تو ولی بن گیا اک رات میں
مجھ پہ توجہ ہے آفاق کی
کوئی کشش تو ہے میری ذات میں

اس کے منہ سے قتیل شفائی کے اشعار سن کر میں متحیر رہ گئی اور ہاتھ چھڑا کر کمرے سے بھاگ گئی۔

وہ ہفتہ پلک جھپکتے ہی گزر گیا وہ سب لوگ آ گئے چچا جان تو وہیں سے زمینوں پر چلے گئے تھے

ان لوگوں کی واپسی پر شاہ جہاں کی گھر میں موجودگی، چچی اور خاص طور پر کامران کو بہت ناگواری گزری لیکن کچھ کر نہ سکے شاہ جہاں میں اب ایک نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی وہ صبح اٹھ کر نماز پڑھتا چچا جان سے جب بھی سامنا ہوتا انہیں سلام کرتا وہ بھی اس تبدیلی پر حیران تھے اس دن بھی کامران خوامخواہ ہی اسے سے الجھ پڑا اس گھر میں کل تین واش روم تھے ایک میں چچا جان نہا رہے تھے دوسرے میں عدیلہ اور تیسرے میں شاہ منہ ہاتھ دھو رہا تھا تھوڑی دیر تو کامران صبر کرتے رہے پھر دندناتے ہوئے شاہ کے واش روم میں گھس گئے۔

"تم صرف میری وجہ سے دیر لگا رہے ہو نہ جانے کیا ضد ہے مجھ سے دشمن ہو میرے۔" کامران بڑے غصہ میں تھے میں اس کی تیز آواز سن کر اس کے پیچھے ہی جا کھڑی ہوئی۔

"کیا بات ہے کامران؟" میں نے مداخلت کی وہ میری طرف پلٹے۔

"تم نہیں جانتی درشہوار نہ جانے یہ بھائی ہو کر میرا اتنا دشمن کیوں ہے اب یہ معمولی سی بات ہی لے لو، اسے معلوم ہے کہ میں نے نہانا ہے اسی لئے خوامخواہ دیر لگا رہا ہے دو گھنٹے سے بیٹھا انتظار کر رہا ہوں۔" کامران کا لہجہ توہین آمیز تھا میں نے شاہ کی طرف دیکھا اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا اس نے پلٹ کر میری جانب دیکھا میں نے نظروں ہی نظروں میں اسے خاموش رہنے کی التجا کی وہ چپ چاپ تولیے سے چہرہ صاف کرتا باہر نکل گیا اور میرے دل کے تمام دروازے ایک دم محبت کی شدتوں سے ایک کے لئے کھل گئے۔

☆☆☆

وہ جو اس گھر کی بڑی اولاد تھا اس کی کوئی وقعت ہی نہ تھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھے احساس ہو رہا تھا شاہ جہاں مجھے چاہنے لگا ہے ایک لمحہ کے لئے بھی نظروں سے اوجھل ہوتی تو وہ بیتاب ہو جاتا ہر دم اس کی نظریں محبت کے جام چھلکایا کرتیں لیکن پھر بھی ہم سب کے سامنے بہت کم بات کرتے یوں بھی سچے جذبے گفتگو کے کب محتاج ہوتے ہیں اور اب تو شاہ جہاں بھی خاموش محبت کی زبان سمجھنے لگا تھا البتہ کامران کے ساتھ میری بے تکلفی پسند نہ تھی اس لئے میں نے کامران کے ساتھ کافی حد تک اپنا رویہ سخت کر لیا تھا لیکن وہ بھی ایک ڈھیٹ تھا جب بھی شاہ جہاں کو دیکھتا خوامخواہ بے تکلف ہونے کی کوشش کرتا مجھے بھی پھر کوئی نہ کوئی جواب دینا پڑتا یہ میرے لئے بڑی مشکل تھی لیکن میں کامران کی یہ عادت کیسے چھڑا سکتی تھی۔

اس دن عدیلہ کالج گئی ہوئی تھی چچی جان اپنے ہمسائے میں چچا جان اور کامران بھی کہیں باہر تھے تبھی شاہ جہاں میرے کمرے میں آ گیا سفید کلف لگے شلوار کرتے میں وہ غضب ڈھا رہا تھا اس پر مسکراتی آنکھیں اپنا جادو آزما رہیں تھیں۔

"سناؤ کیسی ہو؟" وہ مسکراتا ہوا بیڈ پر بیٹھ گیا تو میں سمٹ گئی آج تو بالکل منفرد لگ رہا تھا اور اس کی مسکراہٹ۔

"تم مسکراتے ہوئے بے تحاشا خوبصورت لگتے ہو شاہ جہاں تمہیں شاید کسی نے آج تک نہیں بتایا ورنہ تم ہر وقت مسکراتے رہتے۔" میں دل ہی دل میں کہہ کر مسکرائی لیکن اگلے ہی پل میں تحیر کے سمندر سے باہر نکل آئی۔

"آپ کی دعائیں ساتھ ہیں۔" میں نے بھی جواباً مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بڑی مدت بعد آج موقعہ ملا ہے تم سے

باتیں کرنے کا۔'' بے قراری اور وارفتگی اس کی خوبصورت آنکھوں سے چھلکی جارہی تھی۔

''سارا دن تو تمہارے سامنے ہوتی ہوں۔'' میں نے بھی محبت بھرے لہجے میں کہا۔

''درشہوار!''

وہ جب جذبوں کی شدتوں سے مجھے پکارتا تو میرا رواں رواں مہک اٹھتا، میں نے سوالیہ انداز سے اس کی جانب دیکھا۔

''میں جلد از جلد تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ ایک دم سنجیدہ ہوگیا اور میرا دل بے طرح دھڑک اٹھا، کچھ جواب ہی نہ بن سکا۔

''بتاؤ نہ شہوار یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے میرے ہر مسئلے کا حل تو تمہارے پاس ہی ہے اس مسئلے کا حل بھی تم ہی تلاش کرو اب یہ دوری مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔'' وہ افسردہ ہوگیا حزن نے اس کی شخصیت میں ایک سحر پیدا کر دیا تھا میں نظریں چرا گئی۔

''شاہ اگرچہ بابا اتنی دولت چھوڑ گئے ہیں کہ میں اور تم سکون سے ساری عمر گزار سکتے ہیں مگر میں چاہتی ہوں تم اپنے زور بازو سے کماؤ۔''

''یہی تو میں چاہتا ہوں مگر نامکمل تعلیم پر سروس بھی نہیں ملے گی اور میں جانتا ہوں بابا بھی کاروبار کے لئے میری سپورٹ نہیں کریں گے۔'' وہ بہت الجھا ہوا لگ رہا تھا۔

''تم اپنی تعلیم ہی مکمل کرلو۔'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''کیا؟'' وہ چونک پڑا۔

''ہاں ہاں تم اپنی تعلیم مکمل کرلو نہ۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''لیکن مجھے اب کس کالج میں ایڈمیشن ملے گا؟''

''کالج میں ایڈمیشن لینے کی کیا ضرورت ہے پرائیویٹ اپنی تعلیم مکمل کرو تعلیم انسان ہر عمر میں حاصل کرسکتا ہے اور پھر تم کون سا بوڑھے ہو رہے ہو اور میں تمہیں کسی سے کم نہیں دیکھنا چاہتی خالہ امی کی روح کو کیوں بے چین کرتے ہو، تمہاری پیدائش پہ نہ جانے کیا کیا خواب دیکھے ہوں گے انہوں نے تمہیں کتنی اونچائیوں پہ دیکھا ہوگا میں مانتی ہوں تمہارا کوئی قصور نہیں تم پہ کسی نے کوشش ہی نہیں کی لیکن اب میری تمام امیدیں تم سے وابستہ ہیں میری خاطر تم انکار نہ کرو۔'' میں نے بڑی التجا سے کہا وہ سر جھکائے چند لمحے سوچتا رہا پھر اس نے سر اٹھایا تو اس کی آنکھوں میں عزم جھلک رہا تھا۔

''درشہوار میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں پوری محنت سے بی اے کی تیاری کروں گا مجھے دنیا کی کوئی پرواہ نہیں میں صرف تمہاری خواہش پوری کروں گا۔''

''شاہ جہاں جانتے ہو شوہر جتنا اچھا ہو، جتنا لائق ہو بیوی کا سر اتنا ہی فخر سے بلند ہوتا ہے، مرد عورت کے لئے باعث فخر ہوتا ہے، تم میرا فخر ہو۔'' میری آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔

''مجھے شرمندہ نہ کرو شہوار میں اس قابل کہاں۔'' وہ ندامت سے بولا۔

''نہیں شاہ جہاں ایسا مت سوچو میری نظروں میں دیکھو تم میرا کتنا مضبوط سہارا ہو، یہ لمبا اونچا قد، یہ چہرے پہ پھیلی معصومیت پہ اتنا معصوم سا دل کیا یہ سب میرے لئے باعث فخر نہیں تم دل کے کتنے اچھے یہ کامران جو اتنے اچھے مشہور ہیں تم ان سے لاکھ درجے بہتر ہو۔'' میں نے اسے سنبھالا۔

''بس بس اب ہمیں زیادہ نہ بناؤ۔'' وہ شوخی سے بولا۔

''تم بھی تو میرے لئے باعث فخر ہو۔'' وہ محبت پاش نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

''کیوں، مجھ میں ایسی کون سی خوبی ہے۔'' میں مسکرادی۔

''تم...... تم میرے لئے کیا نہیں ہو شہوار میں یہ کیسے بتاؤں کہ مجھے تمہارے اس خوبصورت چہرے سے زیادہ تمہارے خوبصورت دل سے پیار ہے جس میں میرے لئے محبت ہی محبت ہے روشنی ہی روشنی ہے جو میرے لئے مشعل راہ ہے۔'' وہ جذباتی ہوگیا۔

''میں تمہارا احسان مند ہوں کہ تم مجھے اچھے مشورے دیتی ہو، مجھ میں اتنی دلچسپی لیتی ہو کیا میں تمہارے لئے کچھ نہیں کرسکتا میں ان تمام جھوٹے سہاروں کو چھوڑ دوں گا اب تم جیسا مضبوط سہارا میرے ساتھ ہے تم جو بظاہر نازک سی ہو میرے لئے کتنی اہمیت رکھتی ہو۔'' شدت جذبات سے اس نے میرے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

''تمہارا شکریہ شاہ جہاں میں تمہاری احسان مند ہوں کہ تم میرے خلوص کی قدر کرتے ہو۔'' میں نے گرمجوشی سے کہا۔

''شکریہ تو مجھے ادا کرنا چاہیے کہ تم نے مجھے پستیوں کی طرف گرنے سے بچالیا مجھے اس وقت سہارا دیا جب دنیا مجھ سے نفرت کرتی تھی، شہوار تم عظیم ہو، انتہائی بلند۔'' وہ عقیدت سے بولا۔

''چلو اب مجھے بتاؤ نہیں شاہ جہاں تم نے جو اپنے اور چچا جان کے درمیان دیوار حائل کر رکھی ہے اسے گرادو پلیز۔'' میں نے التجا کی۔

''انہیں مجھ سے نفرت ہے شہوار، وہ کامران اور عدیلہ کو چاہتے ہیں، میں یہ برداشت نہیں کرسکتا۔'' اس کا لہجہ سخت ہوگیا۔

''کوئی باپ اپنی اولاد سے نفرت نہیں کرسکتا، والدین کے لئے ساری اولاد برابر ہوتی ہے بس بعض بچوں کی عادتیں انہیں پسند نہیں ہیں اور وہ انہیں قریب کرلیتے ہیں اور بعض بچوں کی عادتیں ناپسند ہوتی ہیں تو وہ ذہنی طور پر ان سے دور ہو جاتے ہیں تم بجائے اس کے کہ ان کے قریب ہوتے انہیں اپنی محبت کا اور سعادت مندی کا یقین دلاتے، اور زیادہ اکھڑ ہوگئے تمہارا باپ جو پہلے ہی تمہارے مخالفین کی وجہ سے تمہیں برا سمجھ رہا تھا زیادہ دور ہوگیا ان کے باز پرس کرنے پر تم انتقاماً دور ہوتے گئے جس سے تم باپ بیٹے میں دوریاں بڑھتیں گئیں اب تم پہل کرو شاہ جہاں اور یہ دوریاں مٹاؤ اگرچہ تمہیں دشواریاں ہونگی اور تمہارے گھر والے تمہاری مکمل مخالفت کریں مگر پھر بھی تم ثابت قدم رہنا۔'' میں نے دھیرے دھیرے سے سمجھایا۔

''میں کوشش کروں گا لیکن میں جانتا ہوں میرا باپ نہایت پتھر دل آدمی ہے۔'' اور پھر وہ یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

اس میں اب ایک نمایاں تبدیلی پیدا ہوگئی تھی وہ گھر کے ہر فرد سے اچھا سلوک کرنے لگا تھا چچا جان سے اس نے اپنے سابقہ رویئے کی معافی بھی مانگی وہ جو اس بیٹے سے تقریباً ناامید ہو چکے تھے خوش ہوگئے، جبکہ چچی جان اور کامران ناامید ہوگئے تھے ان کی خواہشات ہی کچھ اور تھیں اور اب شاہ جہاں ان میں حائل ہونے لگا تھا وہ شاہ جہاں کو ہر طرح سے ذلیل کرنے کی کوشش کرنے اسے مشتعل کر کے پرانی راہوں پہ لگانا چاہتے تھے لیکن وہ ثابت قدمی سے ان کا مقابلہ کرتا رہا وقت سرکتا رہا چچا جان نے شاہ کو جیب خرچ بھی دینا شروع کر دیا شاہ جہاں نے دن رات ایک کر کے بی اے کا امتحان دیا جب رزلٹ نکلا تو فرسٹ ڈویژن سے پاس ہوا اس دن شاہ جہاں مجھے ایک مکمل انسان کے روپ میں نظر آیا، واقعی

پیار انسان کو انسان کو بنا دیتا ہے شاہ ہر اک سے نفرت کرنا ہی جانتا تھا میں نے اسے دوسروں سے پیار کرنا سکھا دیا تھا اب وہ کامران کے کسی طنز پر مشتعل ہونے کی بجائے مسکرا دیا کرتا وہ اگر کوئی جھوٹ سچ سے چچا جان کو شکایت لگاتا تو شاہ بڑی نرمی سے چچا جان کو بات کی اصلیت بتا دیا کرتا گھر میں سب پر اس کی یہ تبدیلی گراں گزر رہی تھی ایک چچا جان ہی خوش تھے البتہ ایک بات شاہ جہاں کی مجھے اب بھی بری لگی تھی وہ کامران سے بات کرنے پر مجھ سے بہت جلد بدگمان ہو جاتا اور پھر بڑی مشکل سے مانتا تھا اب میں نے اسے سروس پر اکسایا اگرچہ میں خاصی جائیداد کی مالک تھی اور چچا جان کی بھی خاصی جائیداد تھی لیکن میں چاہتی تھی کہ وہ اپنے زور بازو سے کمائے اسے محنت کرنا بھی آئے اگرچہ اس کا گزشتہ ریکارڈ اچھا نہ تھا لیکن چچا جان کی خاصی واقفیت تھی جلد ہی اسے ایک اچھی پوسٹ پر نوکری مل گئی ساتھ وہ کمپیوٹر کورسز کرنے لگا تھا آگے ہی آگے علم کی جانب بڑھتے اس کے قدم مجھے مطمئن کر رہے تھے۔

☆☆☆

گرمیوں کی چھٹیاں ہوئیں تو عدیلہ اپنے ماموں کے ہاں لاہور چلی گئی اس کی امی بھی ساتھ گئی تھی آج ایک ہفتے بعد وہ لوٹ رہے تھے آج ہی کامران انہیں لینے کے لئے گیا تھا میں چاہتی تھی کہ ان کی غیر حاضری میں میں شاہ جہاں کے لئے شاپنگ کرلوں، دوپہر کو شاہ جہاں گھر آیا تو میں نے اپنی خواہش ظاہر کی جو اس نے بنا حیل وحجت مان لی ہم بازار چلے گئے میں نے اس کے لئے ڈھیر ساری شاپنگ کی، وہ مجھے ٹوکتا رہا کہ اپنے لئے کچھ خرید لو میرے لئے اتنا کچھ مت خریدو لیکن میں نے اس کی ایک بات نہ سنی پھر میں نے اس کے لئے ایک اس کا پسندیدہ پرفیوم اور سفید کلر کی بلیک دھاریوں والی ٹی شرٹ خرید کر الگ پیک کروالی جسے دیکھ کر اس نے کہا۔

''کہیں یہ کامران کے لئے تو نہیں۔'' اس نے مجھے چڑایا۔

''شاہ، میں تمہیں مار بیٹھوں گی۔'' میں نے خفگی سے کہا۔

''اپنا ہی نقصان کرو گی ہمیں مار کر۔'' وہ شرارت سے مسکرایا تو میں بھی مسکرا دی ہم شاپنگ کر کے گھر پہنچے تو شام ہونے والی تھی، عدیلہ لوگ بھی پہنچنے والے تھے میں نے شاہ جہاں کے سامان والے شاپنگ بیگز اس کے کمرے میں رکھ دیئے مگر پرفیوم اور ٹی شرٹ اپنے کمرے میں لے آئی کیونکہ وہ میں اسے سپیشل گفٹ کے طور پر دینا چاہتی تھی چونکہ اس نے بی اے میں فرسٹ ڈویژن لی تھی وہ شاپر اپنے بیڈ پر ہی رکھ دیا اور وہیں بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر لیٹ گئی مجھے آنکھیں موندے تھوڑی دیر گزری تھی کہ وہ لوگ آ گئے میں ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ ان سے جا کر ملوں مگر عدیلہ اور کامران وہیں آ گئے، وہ بڑی گرمجوشی سے مجھے ملے تبھی کامران کی نظر میرے بیڈ پر پڑے پیک پر پڑی۔

''ارے یہ کیا ہے؟'' اس نے اٹھا لیا اور پیکٹ کھول کر اس میں پرفیوم اور ٹی شرٹ نکال لیئے۔

''ارے درشہوار تم نے اتنی تکلیف کیوں کی یہ میری پسند کا پرفیوم ہے۔'' اس نے جلدی سے پرفیوم اپنے اوپر سپرے کر لیا، نہ مجھے بولنے کا موقع دیا نہ جواب سننے کا بغیر اجازت وہ اٹھا لیا اور مسکراتے ہوئے باہر نکل گیا، عدیلہ بھی اس کے پیچھے نکل گئی میری یہ حالت کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں نہ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا کہ جواب بھی نہ

سے بھی شاہ جہاں کیا سوچے گا یہ خیال ہی میری روح سلب کرنے کے لئے کافی تھا۔

''دیکھیے ماما، درشہوار میرے لئے کتنا اچھا گفٹ لائی ہے۔'' کامران کی آواز پر میں نے کھڑکی سے آنگن کی طرف دیکھا تو شاہ جہاں بھی وہیں بیٹھا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر پرانی والی وحشت دوڑ گئی تھی۔

''اُف۔'' میں بستر پر نڈھال سی گر گئی ذہن اتنا الجھ گیا اور تو کچھ نہ سوجھی بس رونے بیٹھ گئی، بغیر کسی جرم کے میں اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہی تھی تبھی تیز تیز قدم اور شاہ کی غصہ بھری آواز میری جان کھینچ کے لے گئی۔

''شہوار مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ محض ہمدردی کا جذبہ لئے تم مجھے بے وقوف بنا رہی ہو ورنہ محبت تمہیں کامران سے ہے میرے جیسے ناکام انسان کی تمہاری زندگی میں بھلا کیا اہمت ہو سکتی ہے بہر حال آئندہ مجھے ان التفات سے معاف رکھنا۔'' غصہ سے بھری آواز میں اسے نے کہا اور میری سنے بغیر ہی نکل گیا میں اپنی قسمت پہ آنسو بہانے کو تنہا رہ گئی مجھے کامران پر بے تحاشا غصہ آنے لگا کس قدر چالاک ہیں یہ لوگ حد ہوتی ہے ڈھٹائی کی بھی۔

اب میں کس طرح منہ پھاڑ کر کہتی کہ یہ شاہ جہاں کے لئے ہے کاش! آج میں اپنے گھر ہوتی بابا زندہ ہوتے کتنا سکون تھا ہمارے گھر میں، میں یہاں کس مصیبت میں پھنس گئی تھی۔

شاہ کا بھلا کیا قصور صورت حال ایسی تھی کہ ہر کوئی مشکوک ہو سکتا تھا رات کا کھانا بھی طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے میں نے نہیں کھایا الجھن میں بھوک کہاں لگتی ہے تین دن اسی پریشانی میں گزر گئے اسی دوران میں نے صرف ایک بار شاہ جہاں کو دیکھا دراصل اس کا سامنا کرنے کی ہمت مجھ میں نہیں تھی اس دن بھی اپنے کمرے سے نکل کر راہداری میں آ رہا تھا اور میں اپنے کمرے میں جا رہی تھی مجھے دیکھ کر اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں اور آنکھیں نفرت کے شعلے برسانے لگیں، اف اتنی نفرت میں کانپ گئی، میرا دل رو اٹھا لیکن میں اسے کچھ نہ کہہ سکی وہ انجان بن کر گزر گیا اس دن عدیلہ سے مجھے معلوم ہوا کہ شاہ جہاں نے شراب پی تھی میری محنت یوں رائیگاں چلی جائے گی، یہ میری برداشت سے باہر تھا۔

☆☆☆

اس کی بے رخی میرے روئیں روئیں کو جلا کر خاک کر رہی تھی میں نے کتنی مشکل سے اسے زندگی کی طرف واپس لانے کی جدوجہد کی تھی کتنی بار انا کی قربانی دی تھی اب جب منزل مجھے قریب نظر آنے لگی تھی تو ان لوگوں نے راستے میں کانٹے بچھا دیئے تھے میری امید کے پاؤں لہولہان ہو رہے تھے شاہ جہاں کے اعتبار کا مرہم ہی ان زخموں کو ٹھیک کر سکتا تھا۔

میں ان زخموں کو ناسور نہیں بننے دوں گی میں اسے کسی بھی طرح مناؤں گی، میں نے اٹل فیصلہ کیا، رات کو میں چچا جان کے کمرے کے قریب سے گزری تو اندر سے آتی آوازوں نے میرے قدم روک لئے یہ ایک غیر اخلاقی حرکت تھی مگر میرا نام مجھے رکنے پر مجبور کر رہا تھا، چچی، چچا جان سے کہہ رہی تھیں۔

''میں چاہتی ہوں کامران کے باہر جانے سے پہلے اس کی درشہوار کے ساتھ منگنی کر دی جائے اور اگر نکاح ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے تعلیم مکمل کر کے جیسے ہی واپس آئے گا ان کی شادی کر دیں گے، اب آپ کیا سوچنے لگے میں ہی بول رہیں تھیں۔''

''میں سوچ رہا ہوں کامران سے کہیں

زیادہ شاہ جہاں کا حق درشہوار پر ہے وہ اس کا خالہ زاد ہونے کے ساتھ ساتھ بچپن کا منگیتر بھی ہے۔"

"غضب کرتے ہیں آپ بھی اس بن ماں کی بچی کو کس آوارہ کے حوالے کرنا چاہتے ہیں جسے خاندان میں کوئی اپنی بری سے بری بیٹی بھی دینا پسند نہ کرے اور پھر شہوار تو ماشا اللہ اتنی خوبصورت بھی ہے لاکھوں کی جائیداد کی تنہا وارث بھی ہے خوب سیرت، خوب صورت کیا کمی ہے شہوار میں خوب حق ادا کر رہے ہو اپنے چچا ہونے کا اور پھر وہ کب اسے پسند کرتی ہو مجال ہے جو اسے کبھی منہ لگایا ہو۔"

"لیکن شاہ جہاں تو اب کافی سدھر گیا ہے۔" چچا نے کمزور لہجے میں کہا۔

"کتے کی دم بارہ سال نلکی میں رہی جب نکالی تو ٹیڑھی کی ٹیڑھی تھی وہ تو شہوار کو دکھانے کے لئے ایسا بن گیا ہے اس کی جائیداد یہ جو نظر ہے جب مل جائے گی تو ویسا ہی ہو جائے گا ابھی پھر رات کو شراب پی آیا تھا۔"

"یہ لڑکا ٹھیک نہیں ہو سکتا۔" چچا جان نے آہستگی سے کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی کرو لیکن اتنا ضرور کہوں گا ایک مرتبہ لڑکی سے ضرور پوچھ لینا۔" چچا جان نے شکست خوردہ لہجے میں کہا اور میں یہ سوچتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئی کہ مر جاؤں گی ایسا نہ کروں گی۔

اگلے دن کھانے کی میز پر میرے سامنے کی کرسیوں پر ناہید چچی، چچا اور عدیلہ تھے، دائیں طرف کامران اور بائیں طرف میز کے سرے پر الگ تھلگ روٹھا روٹھا دشمن جاں بیٹھا تھا، اس کی اتری شکل دیکھ کر میرا دل گویا مٹھی میں آ گیا۔

"شہوار بیٹی میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" چچی نے مجھے مخاطب کیا تو میرا دل دھڑک اٹھا۔

"فرمائیے۔" اپنی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے میں نے شائستگی سے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ کامران اعلیٰ تعلیم کے لئے ملک سے باہر جا رہا ہے اور میں چاہتی ہوں جانے سے پہلے اسے کسی بندھن میں باندھ دوں۔" وہ سانس لینے کو رکیں۔

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے چچی جان۔" میں نے انجان سے لہجے میں کہا۔

"دراصل میں چاہتی ہوں کہ تمہارے بابا کی خواہش کے مطابق تمہاری شادی کامران سے کر دی جائے۔" وہ میرے چہرے کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کر رہیں تھیں لاکھ بے باک ہونے کے باوجود میری پیشانی سے پسینے کے قطرے پھوٹ نکلے، قوت گویائی جیسے سلب ہو گئی سب ہی میری طرف متوجہ تھے میں نے پلٹ کر کامران کی طرف دیکھا وہ بڑے اشتیاق سے میری جانب دیکھ رہے تھے لیکن ان کی نگاہوں میں وہ لپک وہ جوشیلا پن نہ تھا جو شاہ کی نگاہوں میں ہوتا تھا میں نے پلٹ کر شاہ جہاں کی طرف دیکھا اس کا رنگ شاید شدت ضبط سے سرخ ہو رہا تھا اور پیشانی کی رگیں پھول رہی تھیں وہ نظریں جھکائے انجان بن کر اپنی پلیٹ پر جھکا ہوا تھا لیکن اس مضبوط آدمی کے مضبوط ہاتھوں کی لرزش میرے نظروں سے چھپی نہ رہ سکی میرا دل چاہا چیخ چیخ کر انکار کر دوں لیکن زبان ساتھ چھوڑ گئی، اف میں نے نڈھال ہو کر سر کرسی کی پشت پر ٹکا دیا، چچی کرسی کھسکا کر اٹھنے لگیں تو میں چونک گئی۔

"یہ وقت پھر کبھی نہیں آئے گا شہوار تمہاری خاموشی تمہیں لے ڈوبے گی۔" میرے اندر سے آواز آ رہی تھی۔

"سنیے چچی جان۔" میں نے بے قراری سے انہیں پکارا تو میری آواز ان کے اٹھتے قدموں کی زنجیر بن گئی۔

"کہو۔" انہوں نے سوالیہ نظروں سے میری جانب دیکھا۔

"میں...... میں...... چچی جان میں کامران کو صرف بھائی سمجھتی ہوں اور کچھ نہیں میری زندگی کا فیصلہ آج سے بہت سال قبل میری امی کر گئیں تھیں اس سے آپ بھی واقف ہیں اور چچا جان بھی، مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ کون ہے لیکن خدا کے لئے میری ماں کا یہ فیصلہ مجھے بدلنے پر مجبور نہ کیجئے۔" میں ٹیبل پر سر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"شہوار بیٹے!" چچا جان میرے قریب آ گئے تو میں نے آنسو بھری آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"تم روؤ نہیں وہی ہو گا جو تم چاہو گی میری اپنی بھی یہی خواہش تھی، میں نے فیروزہ کو زندگی میں کوئی سکھ نہیں دیا میں چاہتا تھا کہ اس کی یہ خواہش تو پوری کر دوں، شاہ جہاں کا تم پہ زیادہ حق ہے لیکن میں شاہ جہاں کو تمہارے قابل نہیں سمجھتا تھا اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو مجھے خوشی ہے۔" چچا جان نے میرے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھا میری آنکھوں سے ایک بار پھر آنسو بہنے لگے لیکن یہ خوشی کے آنسو تھے کمرے کی ہر چیز ان میں دھندلا گئی اور جب کافی دیر بعد میں نے اپنی آنکھیں کھولیں دھند چھٹی تو کمرے میں کوئی بھی نہ تھا سب جا چکے تھے ایک تھا تو وہی تھا جو عین میرے سامنے ٹیبل پر بیٹھا تھا آنکھوں میں وہی لپک وہی جوشیلا پن اور نہ جانے کتنے شدید قسم کے جذبات لئے وہ مجھے دیکھ رہا تھا میں نے گھبرا کے نظریں جھکا لیں۔

"درشہوار...... شہوار میری اپنی شہوار مجھے معاف کر دو میں نے تمہیں غلط سمجھا۔" وہ دونوں ہاتھ جوڑے میرے سامنے کھڑا تھا میں نے ہولے سے اس کے دونوں ہاتھ ایک دوسرے سے جدا کر دیئے۔

"شاہ جہاں میری ایک بات یاد رکھنا اعتماد محبت کی بنیاد ہے اور بدگمانی محبت کو چاٹ جاتی ہے۔"

"میں تمہارے سر کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں زندگی کے ہر لمحے تم پر اعتماد کروں گا۔" اس کا لہجہ خوابناک تھا گرمیوں کی وہ بھری دوپہر سبز رتوں کا پیام پا کر مسکرا اٹھی تھی۔

سدا ضوفشاں رہے تیرے نصیب کا ستارہ
میری آرزو سے بڑھ کر تیری تاب سے زیادہ

☆☆☆

اُم مریم

دسویں قسط کا خلاصہ

جہان کے لئے، زینب سے دستبرداری کا مرحلہ جان لیوا ثابت ہو رہا ہے، ایسی ہی کیفیت میں ایک بار پھر اس کا سامنا ژالے سے ہوتا ہے، جس کی بے ہوشی کی صورت جہان کو اسے اس کے گھر تک اپنی گاڑی میں چھوڑنا پڑتا ہے تو اس کی وجہ مسز آفریدی بھی ہیں جو جہان کو اس کام پہ مجبور کرتی ہیں، مسز آفریدی جہان کے حوالے سے جھوٹی سچی داستانیں ژالے کو سنا کر ژالے کو جہان کی طرف راغب کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں مگر ژالے چونکہ ان پہ اعتماد نہیں رکھتی جبھی مشکوک رہتی ہے۔

زینب، جہان کو بتاتی ہے کہ تیمور کے گھر والوں کو رشتہ سے انکار کر دیا گیا ہے، وہ تیمور کو شاہ ہاؤس لوٹنے اور اس معاملے کو سنبھالنے کا کہتی ہے، جہان انکار نہیں کر پاتا، مگر وہاں اس موضوع پہ بات کرنے سے زیاد اس بات کو انا کا مسئلہ بنا لیتا ہے، پپا زیاد کی بات کو سرے سے اہمیت نہیں دیتے اور زینب کے رشتے کے لئے تیمور کے گھر والوں کو ہاں کہہ دیتے ہیں جس پہ زیاد جہان کے ساتھ ساتھ پپا سے بھی خفا ہو جاتا ہے۔

معاذ، جہان کو فون کر کے اپنے پاکستان آنے کی اطلاع دیتا ہے جہان اس بات کو سن کر چکرا کر رہ جاتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

گیارھویں قسط

جہان بھونچکا رہ گیا تھا، اس نے کمرے سے ٹیرس پہ آ کر کوٹھی کی بیرونی دیوار کے پار نگاہ کی تو معاذ اسے گیٹ کے سامنے ٹیکسی سے اپنا سامان نکالتا نظر آ گیا تھا، بلیک ٹو پیس سوٹ میں اس کی دراز قامت اور غضب کی اسمارٹنس لئے شاندار سراپا بے حد نمایاں تھا، وہ سرعت سے پلٹا تھا اور سیڑھیاں اتر کر تیز قدموں سے چلتا ہوا گیٹ کی سمت آ گیا۔

''معاذ...... تم؟ خیریت ہے نا سب؟'' وہ ہکا بکا اس سے سوال جواب کرنے کھڑا ہو گیا تھا، اس سے ملنا تک بھلا کر۔

''اگر خیریت ہوتی تو اس طرح افراتفری میں کیوں آتا۔'' اس نے کرایہ ادا کر کے والٹ جیب میں رکھتے ہوئے لحہ بھر کو جہان کو دیکھا اور واچ مین کو اپنا بیگ اٹھانے کا اشارہ کرتا گیٹ سے اندر داخل ہو گیا۔

''مجھے بتاؤ معاذ! ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔'' جہان بھاگ اس کے پیچھے آیا تھا اور اس کا بازو پکڑ کر روکا۔

''اتنی ایمرجنسی کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، بھابھی کو رخصت کرانے کا تو ارادہ نہیں؟'' معاذ نے اس شگفتہ مزاجی کے جواب میں اسے سنجیدگی و متانت اور کسی حد تک خفگی کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

''تمہیں رخصت کرانے کے لئے آیا ہوں فی الحال، تم میرے ساتھ شاہ ہاؤس چل رہے ہو۔'' جہان نے ٹھٹھک کر اس کی شکل دیکھی تھی، پھر گہرا سانس بھر کے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا، وہ دونوں چلتے ہوئے ہال کمرے میں آ گئے تھے، جہان نے خانساماں کو پکار کر چائے کا کہا تھا ساتھ ہی کھانے پہ اہتمام کرنے کی تاکید کر رہا تھا جب معاذ نے ٹوک دیا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے جے! میں یہاں رکنے کو نہیں آیا ہوں، تم میرے ساتھ چلو بس۔''

''وائے جب تک تم مجھے وجہ نہیں بتاتے میں کیسے احمقوں کی طرح اٹھ کر تمہارے ساتھ چل پڑوں، ہے کوئی بات کرنے کی۔'' اب کے جہان کا لہجہ صرف کڑا نہیں تھا کسی حد تک تلخی بھی سموئے ہوئے تھا یہی وجہ تھی کہ معاذ کا غصہ عود کر آیا تھا، آنکھیں شدت غیض سے دہک اٹھیں۔

''تم کیا سمجھتے ہو تم مجھ سے اس طرح روڈلی بات کرو گے اور میں دب جاؤں گا یا پیچھے ہٹ جاؤں گا تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے، جے! میں کسی بھی صورت تمہیں یہ حماقت نہیں کرنے دوں گا جو تم کرنے جا رہے ہو، اس بات کا اندازہ تمہیں اس طرح بھی لگانا چاہئے کہ میں اپنے ایگزیم کی پرواہ کیے بغیر یہاں چلا آیا ہوں، میں ایک طوفان برپا کر دوں گا جے مگر زینب کی شادی تمہارے علاوہ کسی اور سے نہیں ہونے دوں گا، سنا تم نے؟'' وہ چیخ اٹھا تھا اتنی شدت سے اتنے اشتعال سے کہ جہان کو اپنے کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہونے لگے، مگر معاذ کی بات نے اس کے چہرے پہ بے اعتنائی اور سختی بکھیر دی تھی۔

''تم کون ہوتے ہوں مجھ پہ زور زبردستی کرنے والے، میں اپنی مرضی کا مالک ہوں مائنڈ اٹ۔'' وہ تنفر سے بولا تھا، وہ بنا بنایا کام معاذ کی جذباتیت کی نذر نہیں کر سکتا تھا اس کے باوجود کہ یہ لمحات بہت کڑے تھے، اس کے باوجود کہ معاذ کے سامنے خود کو کمپوژڈ ظاہر کرنا بہت مشکل تھا مگر یہ انا محبت اور بھرم کی جنگ تھی، اگر کسی کی محبت بچانا تھی تو اپنی انا اور بھرم کو بھی۔

''شٹ اپ جے جسٹ شٹ اپ! میں جانتا ہوں تم زینب سے محبت کرتے ہو، یہ سب کیوں ہوا کس وجہ سے ہوا میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا، مجھے صرف اتنا پتہ ہے کہ میں نے تمہیں بچانا ہے عمر بھر کی بربادی سے محبت کی بقا ضروری ہے جے!'' اب کے اس کے لہجے میں اشتعال کی بجائے لاچاری تھی، جہان نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ اسے دیکھا اور پھر زہر خند سے ہنس پڑا۔

''تمہارا اندازہ غلط تھا معاذ! میں نے اس وقت تمہاری غلط فہمی دور کرنی تھی مگر موقع نہیں مل سکا۔'' معاذ نے اس وضاحت پہ تھم کر تیز ہوتے تنفس کے ساتھ اسے دیکھا تھا اور اس کی آنکھوں میں جھانک کر تنک کر بولا تھا۔

''میں نے کہا نا جے! تم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتے، کیوں کر رہے ہو ایسا؟'' زینب نے فورس کیا ہے تمہیں؟'' اور جہان تھرا کر رہ گیا تھا، اس کے بے ساختہ نظریں چرا جانے پہ معاذ نے کسی کرب میں مبتلا ہو کر اسے دیکھا تھا۔

''مجھے پتہ تھا یہی بات ہو سکتی ہے، ورنہ تمہیں سکری فائز پہ اور کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔'' میں زینب کو شوٹ کر سکتا ہوں مگر اسے یہ حماقت نہیں کرنے دوں گا، وہ پھر ضبط کھو کر چیخنے لگا، جہان پھیکی ہنسی ہنسا تھا۔

''تم بہت بے وقوف ہو معاذ! مفروضے گھڑ رہے ہو میں نے کہا نا......''

''انف جے پلیز انف! اگر تم نے سچ نہ اگلا تو یاد رکھنا میں ابھی اسی وقت اس لڑکی کو طلاق دے دوں گا جس سے مجھے رتی برابر بھی دلچسپی نہیں ہے، سنا تم نے؟ بہت ہمدردی ہے نا تمہیں اس سے؟'' جہان نے ٹھٹک کر غیر یقین نظروں سے اسے دیکھا تھا اور جیسے ایکدم ہمتیں ہار گیا، وہ اگر اس کی جنونی حرکتوں سے واقف نہ ہوتا تو اس انداز میں خائف نہیں ہو سکتا تھا۔

''حقیقت جان کر کیا کر لو گے تم، یہ تو طے ہے معاذ حسن کہ ہو گا وہی جو زینب کی خواہش ہے۔''

''تو یہ زینب کی ایما پہ ہو رہا ہے۔'' معاذ نے بے حد ہرٹ ہو کر اسے دیکھا تھا جہان نظریں چرا گیا۔

''میں کسی قیمت پر اسے ایسا نہیں کرنے دوں گا جان سے مار سکتا ہوں مگر......''

''معاذ محبتوں میں زبردستی اور چھینا جھپٹی نہیں ہوتی، پھر میں کون سا اس کے عشق میں مبتلا تھا کہ اس سے بچھڑا تو مر جاؤں گا۔'' وہ زہر خند سے ہنسا تھا، معاذ ہونٹ بھینچے سلگتی نظروں سے اسے دیکھے گیا، پھر کچھ کہے بغیر ایکدم اس کے گلے لگ گیا تھا۔

''کسی سے بچھڑ کر کوئی نہیں مرتا جانتا ہوں مگر جے جینے کا انداز بدل جاتا ہے۔'' اس کی آواز بے حد بوجھل ہو کر رہ گئی تھی، جہان نے خود کو پل صراط پہ محسوس کیا تھا۔

''کیا ملا تمہیں معاذ یہ سب کر کے، میں نے کہا تھا نا بٹا ہوا غم چھپائے ہوئے غم سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔'' وہ جیسے سسکا تھا اور اس کے شانے سے اپنی بھیگی نم آنکھوں کو رگڑا جن میں بلا کی تمازت اور حدتیں سمٹ آئی تھیں، بالآخر وہ ٹوٹ گیا تھا، بکھر گیا تھا، شاید وہ معاذ سے یہ بات

نہیں چھپا سکتا تھا۔

''تم خود برے بن گئے ہو جے یہ کہاں کی محبت ہے اور کیسی؟ تمہارے ساتھ سراسر زیادتی ہو رہی ہے جو مجھے بہر حال پسند نہیں۔'' جی بھر کے کڑھنے کے بعد وہ پھر سے مشتعل ہونے لگا۔

''تم ایسا کچھ نہیں کرو گے معاذ! پلیز مجھ سے پرامس کرو کہ تم اس بنے ہوئے کھیل کو ہرگز نہیں بگاڑو گے۔'' جہان اس سے الگ ہوا تھا اور اس کا چہرا ہاتھوں میں تھام لیا۔

''میں تم سے کوئی فضول عہد نہیں کر سکتا، تم پاگل ہو، خود کو برباد کرنے پہ تلے ہو۔'' وہ اس کے ہاتھ جھٹک کر بے حد غصیلے انداز میں پھنکارا جہان نے عاجز ہو کر اسے دیکھا تھا۔

''اسے نصیب کا لکھا سمجھ کر قبول کیا جا سکتا ہے معاذ!''

''آئی تھینک تم نے اپنا نصیب خود بگاڑنے میں کسر نہیں چھوڑی۔'' وہ برہم ہوا۔

''معاذ میں زینب کے ساتھ کسی طرح بھی زبردستی نہیں کر سکتا، میں صرف اس کی خوشی چاہتا ہوں۔''

''یہ کیسی محبت ہے؟'' معاذ کو اس کی بات سے اختلاف ہوا تو جہان زخمی انداز میں مسکرایا تھا۔

''یہی محبت ہے؟۔'' اس کا لہجہ پر زور تھا، معاذ نے زور سے سر جھٹکا۔

''میرے نزدیک یہ محض حماقت ہے۔'' اس کے تنفر پہ جہان نے گہرا سانس بھرا تھا، پھر وہ اگلے تیس منٹ مسلسل اسے قائل کرنے کی کوشش میں لگا رہا تھا کہ وہ زینب تو کیا کسی سے بھی اس حوالے سے کوئی بات نہیں کرے گا، مشکل سے سہی مگر وہ معاذ کو منانے میں کامیاب رہا تھا مگر اس طرح کہ معاذ کا موڈ بری طرح سے خراب ہو گیا تھا۔

''میں چائے نہیں پیئوں گا، رہنے دو۔'' وہ خفا خفا سا بولا۔

''کھانا منگواؤں؟'' جہان نے رسانیت سے پوچھا، وہ اس کا موڈ بحال کرنا چاہ رہا تھا۔

''مجھے زہر منگوا دو، اسے پھانک لوں، پھر شوق سے ساری دنیا کے لئے قربانیاں دیتے پھرنا۔'' وہ انتہائی بدمزاجی سے بولا اور دھپ دھپ کرتا ہوا اٹھ کر اس کے بیڈروم میں چلا گیا تھا، جہان وہیں سر تھامے بیٹھا رہا۔

عشق تجھ سے برا نہیں کوئی
ہر بھلے کو برباد کیا تو نے

☆☆☆

لفظ محدود ہیں میرے
سوچتا ہوں کہ اپنی ہر الجھن
زندگی کے سفر کی ساری تھکن
اپنے دکھ کی تمام تصویریں
ہجر کے غم کی ساری زنجیریں
اپنی تنہائیوں کے اشکوں کو
اتنا لکھوں کہ داستاں کر دوں

ہاں مگر ہے یہ مجبوری
لفظ تھوڑے ہیں زخم زیادہ ہیں

جہان مضطرب سا ٹیرس پہ ٹہل رہا تھا، ہونٹوں کے درمیان سلگتا ہوا سگریٹ تھا، اس کے اضطراب کی گویا کوئی حد نہیں تھی، وہ جانتا تھا معاذ پہ ایک نہ ایک دن اسے کھلنا ہے کہ ان کی کوئی بھی بات ایک دوسرے سے کبھی پوشیدہ نہیں رہی تھی اس کے باوجود کہ وہ رکھنا چاہیں بھی تو، اتنا ہی جانتے اور سمجھتے تھے وہ دونوں ایک دوسرے کو یہی وجہ تھی کہ اس کے بنا کہے ہی معاذ نے اس کے کرب کو محسوس کیا تھا اور اپنا کیریئر داؤ پہ لگا کر چلا آیا تھا، جہان نے اسے سب اتنی جلدی معلوم ہو جانے پہ دل کو بوجھل اور افسردہ محسوس کر رہا تھا، ان لایعنی سوچوں سے چونکانے کا باعث ملازم کی مداخلت تھی، جو اس کا سیل فون لئے اس کی تلاش میں ٹیرس پہ آیا تھا۔

''صاحب آپ کا فون آ رہا ہے۔'' جہان نے چونکتے ہوئے پہلے اسے پھر سیل فون کو دیکھا، اسکرین پہ نام نہیں ہندسے جل بجھ رہے تھے، اس نے سیل لیا اور ایک لمحے کے توقف سے کال ڈسکنکٹ کر دی، پھر اس نے سیل فون کو سوئچ آف کیا تھا اور کوٹ کی جیب میں لاپرواہی سے ڈال دیا۔

''صاحب کھانا لگاؤں؟'' ملازم کے استفسار پہ اس نے خالی نظروں سے اس دیکھا تھا پھر سر کو نفی میں جنبش دینے لگا۔

''معاذ اپنے کمرے سے نہیں نکلا ابھی تک؟''

''نہیں صاحب! شاید وہ سو رہے ہیں۔''

''او کے تم جاؤ۔'' جہان نے اس سے فارغ کیا پھر ادھ جلا سگریٹ پھینک کر جوتے سے اسے مسلا اور خود پلٹ کر معاذ کے کمرے کی جانب آ گیا، دروازہ بند تھا اور کمرا نیم تاریک معاذ بستر پہ اوندھا لیٹا ہوا تھا کان سے فون لگا ہوا تھا، جہان خاموشی سے اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

''کب کے کنفرم ہوئے تمہارے ٹکٹس؟'' معاذ نے سیل رکھا تھا اور پھر سے تکیے میں سر گھسیڑ لیا تھا جب جہان اس کے پاس آ کر آہستگی سے بولا تھا۔

''کوشش کر رہا ہوں کل صبح کی فلائیٹ مل جائے۔'' معاذ نے اس کی موجودگی کو محسوس کر کے چونکتے ہوئے مگر جیسے بادل ناخواستہ جواب دیا تھا، جہان متحیر ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

''کیا مطلب! تم شاہ ہاؤس نہیں جاؤ گے؟ کسی سے ملو گے نہیں؟''

''ضرور ملتا اگر تم میری بات مان لیتے۔'' معاذ نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کس قدر روٹھے پن سے جواب دیا تو جہان کے چہرے پہ ایک سایہ آ کر گزر گیا، معاذ نے کچھ دیر تک اس کی جانب سے جواب کا انتظار کیا تھا پھر جھلا کر متوجہ ہوا تو اسے ہونٹ بھینچے سر جھکائے جیسے خود اپنے ضبط سے نبرد آزما پا کر جیسے نئے سرے سے اذیت کا شکار ہونے لگا تھا۔

''کچھ تو بولو؟''

''معاذ کیا بہتر نہیں ہو گا کہ ہمارے درمیان یہ موضوع کبھی زیر بحث نہ آئے۔'' اس مرتبہ معاذ

کو چپ لگی تھی، جہان نے کچھ لمحے توقف کیا تھا پھر اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر محبت نرمی اور آہستگی سے تھپتھپائے تھے۔

''میری فکر مت کرو معاذ مجھے اپنا نقصان کر کے بھی جینے کے ڈھنگ آتے ہیں، یہ دکھ اس صورت میں کربناک ہوتا اگر وہ جان گئی ہوتی، میں اپنی انسلٹ سے بچ گیا ہوں یہ کم تو نہیں ہے، میں نے کہا نا محبت میں زبردستی ہوتی ہے نہ چھینا جھپٹی......''

''میں تمہاری اس منطق سے متفق نہیں ہوں جے سوری میری اپنی الگ سوچ ہے میں زبردستی کا قائل نہیں مگر اپنے ساتھ مجھے پپا کی منتخب کردہ لڑکی پسند نہیں تو صاف کہہ دیا، یار شادی زندگی میں ایک مرتبہ ہوتی ہوتی ہے پپا کی زبردستی کی وجہ سے مجھے اب دو مرتبہ کرنی پڑے گی تو لوگ برا مجھ نہیں گے پپا کی غلطی کوئی نہیں نکالے گا مگر آئی ڈونٹ کیئر!'' وہ بے حد غصے میں آ کر بولنے لگا تو جہان کے چہرے پہ بھولی بھٹکی مسکراہٹ لمحہ بھر کو آ کے ٹھہری تھی۔

''ٹھیک ہے تم کر لینا دوسری شادی، تمہیں کوئی برا نہیں کہے گا۔'' اس جواب پہ معاذ نے غیر یقین نظروں سے اسے دیکھا پھر کاندھے اچکا دیئے تھے۔

''تم کل کی بجائے پرسوں کی فلائیٹ سے چلے جانا معاذ! اب آئے ہو تو گھر والوں سے مل کر جاؤ یار انہیں پتہ چلے گا تو کتنا ہرٹ ہوں گے وہ لوگ؟''

''انہیں ملنے کا مطلب ہے زینب کا سامنا اور گر میں اسے ملا تو یاد رکھنا جے وہ ضبط چھلک جائے گا جو میں نے تمہاری وجہ سے کیا ہے فی الحال میں اس کی شکل دیکھنا بھی پسند نہیں کروں گا۔'' وہ ایک بار پھر ہتھے سے اکھڑنے لگا تو جہان کو کمپرومائز کرنا پڑا۔

''او کے فائن! پھر میں کسی کو نہیں بتاؤں گا کہ تم یہاں آئے تھے۔''

''ہاں تمہارے اپنے حق میں بھی یہی بہتر ہے۔'' معاذ نے جواباً سرد آہ بھر کے کہا تو جہان نے ایک بار پھر ہونٹ بھینچ لئے تھے اور کچھ کہے بغیر وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔

☆☆☆

سوگوار لہجے میں پیڑ خشک پتوں سے
کہہ رہے ہیں پت جھڑ ہے دوریاں مقدر ہیں

اس کے خیالات بے ربط ہو رہے تھے، الجھے ہوئے گنجلک سروں کا وہ ایک کونہ پکڑتی تو دوسرا ہاتھ سے چھوٹ جاتا، اس کے کمرے میں پڑے الیکٹرک کیٹل میں کافی کا پانی ابل رہا تھا، مگر وہ بے دھیان تھی، اس کی فائل میں لگی اسائمنٹ ادھوری تھی اور اس کی توجہ کی طالب مگر اسے خیال تک نہ رہا تھا۔

''لڑکی کسی کے خیالوں میں گم ہو؟''

''دانیال اسد کے؟'' ثناء اس کے قریب آ کر زور سے چیخی وہ تب ہڑبڑا گئی تھی اور توجہ کیٹل کے پیندے میں خشک ہوتے پانی پہ جا پڑی مگر ثنا کی بات نے اس کی صبیح پیشانی پہ ناگواری کی شکن بھی پیدا کی تھی۔

''میرا دماغ خراب نہیں ہے ابھی۔'' اس نے بے حد رکھائی سے کہا اور کافی کے خشک بھورے

سفوف پر ابلتا پانی ایک دھار سے گرانے لگی، ثنا نے اس کے انداز کی اکتاہٹ اور تلخی کو چونک کر مگر گہری نگاہ سے دیکھا تھا۔

''اس کے باوجود کہ وہ بہت ہنڈسم ہے؟''

''تو ہوا کرے۔'' وہ اسی ناگواری سی بولی تھی، ثنا نے گہرا سانس کھینچا اور جیسے تائیداً سر ہلایا۔

''ہاں بھئی تم کہہ سکتی ہو، خود جو بے شاندار دلکش اور پریٹی ہو۔''

''ایک ہم ہیں کوئی پوچھتا بھی نہیں۔'' اس کے لہجے میں مصنوعی حسرت تھی پرنیاں نے اس کی بات کا دھیان نہیں دیا اس کی پرسوچ نگاہیں مگ کے کنارے آ ٹھہرنے والے میٹالے جھاگوں پہ مرکوز تھیں۔

''یار وہ تم میں انٹرسٹڈ ہے اور سنیئر بھی لگتا ہے۔''

ثناء کا انداز قائل کرنے والا تھا، پرنیاں نے ان سنی کی تھی اور ایک ہاتھ میں نم ہوتا بھاپ اڑاتا مگ تھامے کھڑکی میں آن رکی، ہوسٹل کے کمرے کی عمارت کے پچھواڑے کھلنے والی اس کھڑکی سے شہر کراچی کی زندگی متحرک تھی، گول گھماؤ والے چوک کے اوپر ایستادہ جیومٹریکل ڈیزائن کا خوبصورت نقش سیمنٹ کے دائرے کو گھیرے میں لئے ہوئے تھا، وہ بے خیال سا کن کھڑی رہی کتنی دیر گزری مگر اس نے ایک گھونٹ بھی نہیں بھرا تھا، فضا میں کچھ دیر پہلے پھیلی کافی کی سوندھی باس اب بجھ کر رہ گئی تھی، مرغولوں کی شکل میں مگ سے اٹھتے بھاپ کے گیلے جھونکے فضا میں تحلیل ہو کر غائب ہو چکے تھے، تو ایک اضطراب اس کے ذہن میں کل کا وہ واقعہ پھر سے ریپیٹ ہونے لگا۔

''دانیال سحر!'' جو مائیگر ہویٹ کر اس کالج میں آیا تھا بے حد وجیہہ اسی قدر امپریسو بیک گراؤنڈ اس کی شخصیت کے چارم سے زیادہ اس کی کشش کا باعث اس کی بے حد شاندار ڈریسنگ اور آئے دن بدلنے والی گاڑی کا ماڈل تھا، پوری جامعہ میں اس وقت وہ مقناطیسی کشش کا حامل تھا لڑکیاں تو لڑکیاں لڑکے بھی اس سے دوستی کے خواہاں تھے مگر اس کی نگاہ انتخاب پرنیاں پہ آ کر ٹھہری تھی تو شاید وجہ صرف اس کی دلکشی اور جاذبیت ہی نہیں تھی اس کا لیا دیا انداز اس کی وہ نظر اندازی تھی جو بلاشبہ پرنیاں نے بالخصوص اس کے لئے نہیں اپنائی تھی اس کا مزاج ہی ایسا تھا وہ صنف مخالف سے خاص طور پہ فاصلے سے ملنے کی قائل تھی وہ بھی بے حد ضرورت کے موقع پہ ورنہ وہ ہمیشہ محتاط رویہ اپنائے رکھتی اور مرد کی فطرت ہے وہ ہمیشہ رسائی سے باہر شے کی جانب مچلتا ہے، دانیال کے لئے بھی پرنیاں بے حد کشش کا باعث ٹھہری تھی، وہ اس سے محبت کا دعوے دار تھا کل اتفاقاً جب کینٹین میں پرنیاں اکیلی تھی تو وہ اس کے پاس آ دھمکا تھا اور اپنی محبت کا یقین دلانے کی کوشش کرتے ہوئے اس کر پرپوز کر ڈالا، پرنیاں کے تو صحیح معنوں میں پسینے چھوٹ گئے تھے وہ اس کی پوری بات سنے بغیر وہاں سے بھاگ آئی تھی مگر اب کالج جانے سے اسی وجہ سے خائف تھی کہ اسے دانیال کا سامنا دشوار لگ رہا تھا، اس افتاد نے صحیح معنوں میں اسے روہانسا کر ڈالا تھا، وہ خود کو بے حد تنہا محسوس کرنے لگی تھی، اسے قطعی سمجھ نہیں آ رہی تھی اس قسم کی صورتحال میں اسے کیا کرنا چاہیے۔'' اس کے خیالات ایک چھناکے سے ٹوٹے تھے، اس نے گردن موڑ کر دیکھا اس کے بستر کے سرہانے پڑا اسیل فون ایک تسلسل سے بجتا جا رہا تھا، اس نے بے پروائی سے اسے دیکھا

ایک بار دو بار تیسری بار جب بیل اسی تواتر سے ہوتی چلی گئی تو شاہ جو باہر ٹیرس پہ کتاب پکڑے پڑھنے میں مصروف تھی جھلا کر اندر آئی۔

''یار کیا مصیبت ہے، بند کر دو اسے اگر بات نہیں کرنی۔''

فون کرنے والا یقیناً ڈھیٹ اور مستقل مزاج واقع ہوا تھا، پرنیاں نے کچھ کہے بغیر سیل فون اٹھا لیا، کوئی نیا نمبر تھا، کیونکہ اسکرین پہ نام نہیں ہندسے جگمگا رہے تھے اس نے گہرا سانس بھر کے کال ریسو کی۔

''کیسی ہو پرنیاں؟ کہیں باہر تھیں کیا؟''

''کون ہو تم؟'' اس درجہ بے تکلف لہجے پر وہ بھونچکی رہ گئی تھی جواباً اس کا مخاطب جیسے ہرٹ ہوا تھا۔

''آپ نے پہنچانا نہیں مجھے؟ دانیال بات کر رہا ہوں، کل آپ نے میری بات کا جواب بھی نہیں دیا۔'' اس نے شاکی ہو کر کہا تھا، پرنیاں کا چہرا غصے سے سرخ پڑنے لگا۔

''مسٹر دانیال جواب اس بات کا دیا جاتا ہے جسے کوئی سننا پسند کرے سمجھے ہیں آپ؟'' وہ چیخ کر بولی تھی، گویا جتنا غصہ تھا سب کا سب نکال دیا، دوسری جانب دانیال شاکڈ ہوا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟ میں آپ کو..........''

''خاموش ہو جائیں آپ! مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی۔'' پرنیاں نے بری طرح ڈانٹا تھا، اسے دانیال کی جراتیں بے حد طیش میں مبتلا کر رہی تھیں۔

''کیوں نہیں سننی؟ آپ کو ایک بات بتا دوں میں مس پرنیاں آپ مجھے پسند آئی ہیں اور دانیال اسد کو جو چیز پسند آئے وہ اسی کی ہوتی ہے، میرے ڈیڈ منسٹر ہیں، میں چاہوں تو کھڑے کھڑے اس پورے شہر کراچی کو خرید سکتا ہوں، آپ نے مجھے سمجھا کیا ہے آخر؟'' وہ شرافت کا جامہ اتار کر اپنی اصلیت پہ آ گیا تھا، پرنیاں کی رنگت شدت ضبط سے دہک اٹھی کچھ کہے بغیر اس نے پہلے کال ڈراپ کی تھی پھر سیل فون کو سوئچ آف کیا، اس کے اندر کا اضطراب یکلخت بڑھ گیا، بے بسی کے شدید احساس نے آنکھوں کو گیلا کر دیا تھا، جتنی بھی بہادر شو کرتی تھی وہ خود کو مگر بہر حال لڑکی تھی، کمزور دل کمزور اعصاب اور جلدی خائف ہو جانے والی، اس کا دل بہت دیر تک سہے ہوئے انداز میں رک رک کر دھڑکتا رہا، اسے قطعی سمجھ نہیں آ سکی تھی اسے کیا کرنا چاہیے، دانیال جیسے آدمی سے وہ کسی اچھائی کی توقع نہیں رکھ سکتی تھی۔

''کیا مجھے پپا سے بات کرنی چاہیے؟'' ٹہلتے ٹہلتے رک کر اس نے اضطراب بھری سوچ سوچی۔

''نہیں وہ بہت پریشان ہو جائیں گے اور شاید مجھے کالج سے اٹھا لیں، شاہ ہاؤس لے جائیں۔'' جو بہر حال گوارا نہیں تھا اسے۔

اس نے خود ہی اپنی سوچ کو رد کیا، معاً اسے جہان کا خیال آیا تھا، دوستانہ مسکراہٹ اور اپنائیت آمیز تاثرات کا مالک وہ تھا اس قابل کہ وہ اس پہ بھروسہ کر سکتی، اس نے محض لمحہ بھر کو کچھ سوچا تھا اگلے لمحے وہ اس کا نمبر ڈائل کر رہی تھی، کھڑکی کے پار ٹریفک کا اژدہام ہنوز تھا، سامنے

والی سڑک کے کنارے دودھ دہی کی دکان تھی، جس کا ملازم بار بار ریفریجٹر کا دروازہ کھولتا اور اپنا کام کرنے کے بعد بہت زور دار آواز سے فریج کا دروازہ بند کرتا تھا، اتنی زور سے کہ ٹریفک کے اتنے شور میں بھی یہ آواز بہت واضح سنائی دیتی تھی۔

''السلام علیکم! جہانگیر بھائی کیسے ہیں آپ! پرنیاں بات کر رہی ہوں، میں نے سوچا خود بات کر لوں آپ کو تو شاید خیال نہیں آئے گا۔'' وہ جس قدر اپ سیٹ تھی اسی قدر اس کا لہجہ مضطرب اور بے ربط تھا، وہ بدحواس تھی اور اس طرح نارمل انداز میں کبھی شکوہ نہ کرتی یقیناً مگر وہ شاید اسے اس کی کوتاہی کا احساس دلانا چاہتی تھی، دوسری جانب یکلخت سناٹا چھا گیا تو اس نے بے تابی سے پکارا تھا۔

''جہان بھائی! آپ نے پہچانا نہیں مجھے؟'' اس کا گلا بری طرح سے بھرا گیا تھا۔

''جہان ہوتا تو لازماً پہچانتا میں اس کا کزن ہوں معاذ حسن، ویسے محترمہ آپ اس کی ایسی کون سی بہن ہیں جسے میں نہیں جانتا؟''

باقاعدہ گلا کھنکار کر کس قدر طنزیہ لہجے میں کہا گیا تھا، انداز کی بے نیازی صاف گواہ تھی کہ وہ اسے پہچاننے سے قاصر رہا ہے، پرنیاں کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا، بولنا تو درکنار اس میں حرکت کرنے کی تاب نہیں رہی تھی، حیرت، غیر یقین، رنج، تاسف، ملال، کتنی کیفیات تھیں جن کا وہ شکار ہوئی تھی، کتنی دیر تک وہ یونہی شاکڈ رہی پھر بے بسی کی انتہا کو چھوتے ہاتھوں میں چہرا ڈھانپ کر بے کلی سے روتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

کوئی دیوار ہے نہ در سائیں
ہم فقیروں کا کیا ہے گھر سائیں
آبلے پڑ گئے ہیں پیروں میں
ختم ہوتا نہیں سفر سائیں
کون رہتا ہے اس خرابے میں
ڈھونڈتی ہے کسے نظر سائیں
اک قیامت گزر گئی مجھ پہ
اور تجھ کو نہیں خبر سائیں
اک بھٹکے ہوئے مسافر کو
اور ہونا ہے در بدر سائیں

جہان چینج کرنے کے بعد ڈریسنگ روم سے باہر آیا تو معاذ ہاتھ میں اس کا سیل فون لئے کھڑا تھا، چہرے پہ الجھن کے آثار نمایاں تھے جبھی جہان نے سرسری انداز میں استفسار کیا۔

''خیریت کس کا فون تھا؟''

''تمہاری کسی منہ بولی بہن کا، یار اب تو مجھے تمہاری شرافت پہ بالکل شبہ نہیں رہا۔'' سیل فون واپس رکھتے ہوئے وہ ان چوبیس گھنٹوں میں پہلی بار مسکرایا تھا، ڈریسنگ ٹیبل سے ہیر برش اٹھا کر

بال بناتے ہوئے جہان نے الجھ کر اسے دیکھا۔

''کیا مطلب؟''

''یار اتنے شاندار ہو، پھر بھی ہر لڑکی کو منہ اٹھا کر بہن بنا لینے کی تک مجھے سمجھ نہیں آئی، پھر وہ لڑکیاں...... وہ بھی احمق ہوں گی یقیناً جیسے یہ محترمہ پرنیاں صاحبہ! واہ کیا بھلا نام ہے۔'' وہ کاندھے جھٹک کر جتنے لاتعلق بے نیاز اور مگن انداز میں کہہ رہا تھا جہان کو اسی قدر زور کا جھٹکا لگا تھا اس نے ٹھٹھک کر معاذ کو دیکھا۔

''پرنیاں کا فون تھا؟''

''کیا کہہ رہی تھیں؟'' معاذ نے اس کی اس بے چینی کو حیرانی کی نگاہ سے دیکھا پھر منہ بگاڑ کر بولا تھا۔

''مجھ سے شاید کچھ کہنا محترمہ کو گوارا نہیں تھا جبھی بات نہیں کی۔''

''اب ضروری تو نہیں فون تمہارا ہے تو کال بھی لازمی تمہی اٹینڈ کرو۔'' وہ بدمزاجی سے کہہ رہا تھا، جہان سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آیا تھا اور اسی وقت سیل فون اٹھا کر پرنیاں کا نمبر ڈائل کرنے لگا انداز میں جو پریشانی تھی جو خاصیت تھی اس نے معاذ کو متحیر کر کے رکھ دیا۔

''اُف ان کا سیل آف جا رہا ہے۔'' جہان نے اضطراب بھری الجھن کے ساتھ کہا تو معاذ نے جواباً کچھ کہے بنا بس اسے گہری نظروں سے دیکھا تھا۔

''کیا تم مجھے بتانا پسند کرو گے یہ محترمہ ہیں کون؟'' معاذ کو پھر سے کوئی نمبر ملانے میں مصروف دیکھ کر وہ کسی قدر کلس کر بولا تھا، وہ دونوں ائیر پورٹ کے لئے نکل رہے تھے، معاذ کی فلائیٹ میں صرف ایک گھنٹہ تھا ابھی کچھ دیر پہلے جہان کو اس سے زیادہ دیر ہو جانے کی فکر تھی مگر اب وہ جیسے یکسر اس بات کو بھول چکا تھا، جہان نے چونک کر اسے دیکھا پھر گہرا سانس بھر کے آہستگی مگر تاسف بھرے لہجے میں بولا تھا۔

''پرنیاں یعنی یور وائف! معاذ تم ہر بار انہیں کیوں بھول جاتے ہو؟'' معاذ کے چہرے پہ ایک دم سے تناؤ چھا گیا۔

''اس لئے کہ میں اسے یاد رکھنا نہیں چاہتا۔'' وہ گویا پھنکارا تھا۔

''پتہ نہیں کیوں معاذ مجھے لگتا ہے تمہارا یہ غرور بہت جلد ٹوٹنے والا ہے۔'' اب کی مرتبہ جہان نے مسکرا کر گویا اسے چھیڑا تھا، معاذ کا موڈ اسی لحاظ سے بگڑ گیا۔

''بکواس مت کرو، یہ بددعا نہیں لگنے والی مجھے۔''

''چلو دیر ہو رہی ہے۔'' جہان نے بات کو طویل نہیں دیا، پھر وہ گاڑی میں بھی ڈرائیو کے دوران بار بار پرنیاں کا نمبر ٹرائی کرتا رہا تھا اور اسے بند پا کر اس کی پریشانی دیکھنے والی تھی، معاذ اسی لحاظ سے کلس رہا تھا۔

''تم مجھے بھاڑ میں جھونکو اور جا کر اس کی خبر لو، اتنی ہی سگی ہے نا تمہاری؟'' اسے جس حساب سے غصہ آیا تھا اسی قدر زور سے پھنکارا تو جہان نے ٹھنڈا سانس بھر لیا۔

''یا کیا بیویوں کی طرح فوراً جیلس ہونا شروع کر دیتے ہو، میں اس وجہ سے پریشان ہوں کہ

بھابھی نے خود مجھے کبھی فون نہیں کیا، خیریت ہو ان کی طرف۔''

''ہاں اور تم تو ہو نا سب کی مدر ٹریسا، تمہیں لازماً بتانا ہے۔'' وہ نروٹھے پن سے بولا تو جہان اسے بغور دیکھتا آہستگی سے مسکرایا تھا۔

''تمہیں بھی بتا سکتی تھیں، اگر تم یہ مان انہیں دیتے۔''

''مجھے معاف رکھو، مجھے کوئی شوق نہیں ہے ایسے مان لینے کا۔'' معاذ نے بدک کر کہا تھا۔

''تو پھر جیلس کیوں ہو رہے ہو۔'' جہان نے مسکرا کر گویا اسے بھڑکا ڈالا تھا۔

''یہ جو تم دیکھ رہے ہو میرا، اسے بھی پرواہ نہیں ہے سمجھے۔'' اس نے لال بھبھوکا ہوتے چہرے کے ساتھ کہا تھا جہان متاسفانہ سانس بھر کے رہ گیا۔

☆☆☆

ہوا بن کے بکھرنے سے اسے کیا فرق پڑتا ہے
میرے جینے یا مرنے سے اسے کیا فرق پڑتا ہے
اسے تو اپنی خوشیوں سے ذرا فرصت نہیں ملتی
میرے غم کے ابھرنے سے اسے کیا فرق پڑتا ہے
وصی اس شخص کی یادوں میں تم روتے رہو لیکن
تمہارے ایسا کرنے سے اس کیا فرق پڑتا ہے

اس نے ان گزر جانے والے دو دنوں میں متعدد بار پرنیاں کا نمبر ڈائل کیا تھا جو ہنوز بند ملتا تھا جہان کی پریشانی بڑھ چکی تھی، اس نے پپا کو کال کر کے پرنیاں کی خیریت دریافت کرنے کا کہا تھا جواب میں انہوں نے اسے آنے کا کہہ دیا۔

''تم آ جاؤ اب بیٹے! تمہاری چچی جان پرنیاں کو شاہ ہاؤس بلوانے پہ بضد ہیں، مجھے تو حوصلہ نہیں بچی سے یہ بات کہنے کا، میرا خیال ہے تم آ کر یہ معاملہ سنبھالو۔''

اس بھاری ذمہ داری نے جہان کو کچھ بے چین کر دیا تھا، وہ زینب کے سامنے سے خائف تھا وہ ابھی تک خود کو اتنا مضبوط نہیں کر پایا تھا کہ ان لمحات میں اس کا سامنا کرتا اور خود کو کمپوزڈ بھی رکھتا، اس نے پپا کو تسلی سے نواز کر فون بند کر دیا تھا مگر ایک دن گزر جانے کے باوجود وہ وہاں جانے کا حوصلہ نہیں پیدا کر سکا تھا، ابھی وہ اسی اضطراب اور کشمکش کا شکار تھا، جب زینب نے خود اسے کال کر لی تھی۔

''بجے آپ کب آئیں گے واپس آخر؟''

''ابھی کچھ بزی ہوں، ایک دو ران تک آ جاؤں گا۔'' اس نے لہجے کو سرسری بنایا تھا۔

''ایک دو دن، یعنی عین منگنی کے دن؟'' وہ حیران ہو گئی۔

''نہیں پہلے، آ جاؤں گا۔''

''یہاں سب محترمہ پرنیاں صاحبہ کو لانے پہ بضد ہیں مما خاص طور پہ۔''

''تمہیں اعتراض ہے کیا؟'' جہان نے اس کے لہجے کی ناگواری کو محسوس کیا تھا۔

''جب لالے کو یہ پسند نہیں تو......''

''تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے حقوق ختم ہو جاتے ہیں۔'' جہان نے اس کی بات کاٹ کر تلخی سے جتلایا تھا، زینب نے اس کے لہجے کی کاٹ کو محسوس کیا۔

''آپ کو ان کا ہمیشہ بہت خیال رہتا ہے، غالباً مل چکے ہیں ان سے، سب خیریت ہے نا؟'' طنز آمیز شک آلود اور جلا بھنا انداز جہان کو چکرا کے رکھ گیا، وہ زینب تھی اس سے کسی بھی بات کی توقع رکھی جا سکتی تھی، پتہ نہیں وہ اپنے نام کے اتنی برعکس کیوں تھی حالانکہ تاریخ گواہ ہے اسی نام کی عظیم المرتبت ہستی نے کیسے صبر برداشت اور حوصلے کا عظیم الیشان مظاہرہ کیا تھا۔

''لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم میرے لئے وہ چھوٹی بہن کی طرح محترم ہیں۔'' اس نے تڑپ اٹھنے والے انداز میں کہنے پہ زینب زور سے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''گڈ، چلیں پھر مجھے بتائیں کب آ رہے ہیں؟''

''آ جاؤں گا جب دل چاہا، مجھے ایک اور ضروری کال کرنی ہے، اللہ حافظ۔'' اسے کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر جہان نے خود سلسلہ منقطع کر دیا تھا مگر اس کے کتنی دیر بعد بھی زینب کے الفاظ اس کے دماغ میں تیروں کی طرح سنسناتے رہے تھے کچھ دیر بعد اس نے خود پہ قابو پا کر پھر سے پرنیاں کا نمبر ٹرائی کیا، جانے کیوں اسے یونہی لگتا تھا پرنیاں نے بلاوجہ اسے کال نہیں کی، وہ یقیناً بہت پریشان ہو گی کسی وجہ سے، خوش قسمتی سے پرنیاں کا نمبر آن تھا اور بیل جا رہی تھی، وہ ایکدم کانشس ہوا مگر اگلا لمحہ اس کے اعصاب کو اشدید دھچکے سے دوچار کر گیا تھا، اس کا فون کاٹ دیا گیا تھا، جہان پہلے متحیر ہوا پھر دوبارہ اس کا نمبر ڈائل کیا مگر اسے شاک لگا تھا، پرنیاں نے نمبر بند کر دیا تھا، جہان سیل فون ہاتھ میں لئے کتنی دیر کو ساکن کھڑا رہ گیا، وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''کیا بات ہوئی ہو گی اس دن معاذ کے ساتھ ان کی۔'' وہ سوچنے پہ مجبور ہوا، پھر کچھ سوچ کر اس نے اسی وقت کراچی جانے کا ارادہ باندھ لیا تھا۔

پہلے فون پہ اس نے مینجر اور سیکرٹری کو بریف کیا تھا اس کے بعد سیٹ کنفرم کرائی اور اپنی پیکنگ میں مصروف ہو گیا اپنی ضرورت کی چیزیں بیگ میں ڈال کر وہ زپ بند کر رہا تھا جب اس کے سیل پہ مسز آفریدی کی کال آنے لگی تھی، ان کا نمبر دیکھ کر اسے حیرت نے آن لیا تھا، وہ ان سے مروتاً احترام سے بات کرتا تھا مگر ان کی شخصیت میں کچھ ایسا ضرور تھا جو جہان کے لئے ناپسندیدگی کی وجہ بن چکا تھا۔

''السلام علیکم!'' اس نے بے دلی سے کال ریسو کی تھی۔

''السلام علیکم! کیسے ہیں جہانگیر بیٹے!'' جواب میں ان کی خوش مزاجی اور خوش اخلاقی کمال تھی۔

''الحمدللہ! آپ کیسی ہیں؟''

''میں بالکل ٹھیک ہوں اور ژالے بھی خیریت سے ہے۔'' انہوں نے خوشی سے کھلتے ہوئے اپنے ساتھ بیٹی کی بھی خیریت بتائی تھی، جہان ہنکارا بھر کے رہ گیا۔

''بیٹے میں نے آپ کو انویٹیشن دینے کے لئے کال کی ہے، ایکچوئلی ژالے کی برتھ ڈے ہے اور آپ کو لازمی آنا ہے، پچھلی بار کی طرح میں ہرگز کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔''

ان کے اس زور زبردستی والے دھڑے نے جہان کی سنجیدگی کو بڑھاوا دیا تھا، وہ آہستگی سے کھنکارا گویا در پردہ انہیں ان کی بے تکلفی کا احساس بخشنا چاہا مگر وہ ان باریکیوں کو سمجھنے والی نہیں تھیں جبھی سرے سے نظر انداز کر دیا اور مسلسل لازمی شرکت پہ زور دیتی رہی تھیں اس کی حیل و حجت کے باوجود، اسے ہی ہار ماننا پڑی تھی۔

''کب ہے برتھ ڈے! دیکھیئے آج تو میں کراچی جا رہا ہوں، ہمارے گھر میں بھی تقریب ہے، آف کورس میں............''

''ڈونٹ وری بیٹے آپ لازمی وہاں جاؤ، ژالے کی برتھ ڈے میں تو ابھی ایک ہفتہ ہے۔'' انہوں نے فراخ دلی سے کہا تھا جہان جو واقعی جان چھڑانا چاہ رہا تھا گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔

''او کے فائن!''

''میں برتھ ڈے کی شام بھی آپ کو کال کر کے یاد دلا دوں گی او کے؟'' انہوں نے مسکرا کر کہا تھا جہان اب کے ان کے اس درجہ اہمیت اور خلوص کے مظاہرے پہ کچھ خفیف سا ہو کر رہ گیا۔

''نو میم مجھے یاد رہے گا۔'' اس نے کھسیا کر کہا تھا جواباً مسز آفریدی خوشدلی سے ہنستی چلی گئی تھیں۔

''فون سیل پہ ریمانڈر سیٹ کرو گے کیا؟ اور سنو بیٹھے مجھے میم نہیں آنٹی کہا کرو، مجھے اچھا لگے گا۔'' جہان کو ان کے عجیب سے احساس نے چھوا وہ ہنسی میں ان کا ساتھ نہیں دے سکا، مسز آفریدی کے فون بند کر دینے کے کتنی دیر بعد بھی وہ اسی الجھن آمیز کیفیت کے زیر اثر سیل فون کان سے لگائے ساکن کھڑا تھا، پھر گہرا سانس کھینچا اور سیل فون اپنے بستر پہ اچھالتا وارڈ روب سے کپڑے نکال کر واش روم میں گھس گیا، باتھ لینے کے بعد تولیے سے سر کے بال خشک کرتا اپنے دھیان میں باہر آیا تھا کہ واچ مین کو گلابوں کا بے حد خوبصورت مہکتا گلدستہ لئے اندر آتے دیکھ کر چونکا۔

''صاحب یہ آپ کے لئے کوئی دے گیا ہے۔''

''رکھ دو۔'' جہان نے تولیہ صوفے پہ پھینکتے ہوئے کہا اور خود ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑا ہو کر بال بنانے لگا، مگر نظریں بکے پہ جمی ہوئی تھیں، آج اس کی برتھ ڈے تھی جو وہ کبھی خود سلیبریٹ نہیں کرتا تھا وہ تو اس کے پیارے تھے جو ہمیشہ اس دن کو یاد رکھتے تھے اور اسے وش کرتے ہوئے تحفوں سے نوازا کرتے، مگر آج کے دن پتہ نہیں کیوں سب بھول گئے تھے، خاص طور پہ زینب اور معاذ، ورنہ اسے زینب اور معاذ ہی ہمیشہ پہلے وش کیا کرتے تھے، بلکہ دونوں میں باقاعدہ مقابلہ ہوا کرتا، دونوں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش میں رہا کرتے، ایک بار زینب معاذ سے جیت گئی تھی، اس نے صبح فجر کی نماز کے وقت ہی جہان کو وش کر دیا تھا اور خوشی سے تالیاں بجاتی اچھلنے لگی تھی۔

''لالہ ہار گئے اور میں جیت گئی، ہے نا جے؟'' اس نے خوشی سے چمکتے چہرے کے ساتھ کہا تھا، جبکہ معاذ کا منہ لٹکا ہوا تھا وہ سارا دن دانت کچکچاتا رہا تھا، عجیب تھا یہ معاذ بھی، زندگی کا ہر مقابلہ ہر دوڑ جیت لینے کا متمنی اور ہارا سے جنونی بنا دیا کرتی تھی، اس دن معاذ نے جہان کو وش بھی نہیں کیا تھا، جہان اسے منا منا کر ہارنے لگا تھا۔

''یار کیا بچکانہ حرکت ہے بھلا، کیا فرق پڑتا ہے۔''
''کیوں نہیں پڑتا، مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا میری جگہ کوئی اور لے۔''
''چاہے وہ تمہاری بہن کیوں نہ ہو؟'' جہان نے چھیڑا تھا۔
''چاہے وہ میری اولاد کیوں نہ ہو۔'' معاذ نے منہ پھلا کر نروٹھے پن سے مگر شدت سے کہا تھا اور اس سے اگلے سال وہ رات بارہ بجے تک صرف اس وجہ سے جاگا تھا کہ زینب اس سے پہلے وش نہ کر دے، بارہ بجتے ہی اس نے جہان کو وش کیا تھا اور زینب کو چڑا چڑا کر کتنا ہنسا تھا۔
''صرف وش کرنے سے ہی تو کچھ نہیں ہوتا، اصل بات محبت ہوتی ہے اور مجھے پورا یقین ہے جے آپ سے زیادہ مجھ سے محبت کرتے ہیں، کیوں جے؟''
تب وہ صرف میٹرک کی طالبعلم تھی اور عقل کی ویسے بھی بقول مما موٹی تھی جبھی تو بنا سوچے یہ بات کہہ دی تھی جس نے جہان کو گڑبڑایا تھا تو معاذ کو خفت و خجالت سے سرخ کر دیا تھا۔
''بکومت اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' معاذ نے اسے ڈانٹا تھا اور وہاں سے بھگا دیا تھا، مگر جہان پھر بھی کتنے دن معاذ سے نظریں نہیں ملا سکا تھا، وہ ایسا ہی تھا، جھینپو اور کسی حد تک شرمیلا، جبکہ معاذ اس بات کو بھول بھال بھی گیا تھا اور زینب وہ تو شاید محسوس کیے بنا منہ میں آئے الفاظ کہہ چکی تھی جن کی گمبھیرتا کا خود اسے بھی احساس نہیں تھا، معاذ تو اس کے جہان کو اپنی طرح جے کہنے سے بھی چڑتا تھا اور کئی بار اسے ڈانٹ کر تنبیہ بھی کر چکا تھا۔
''تم کیوں جے کہتی ہو، بھائی کہا کرو، بہت بڑا ہے تم سے۔''
''آپ بھی تو کہتے ہیں لالے! میں بھی کہہ لوں گی تو کیا فرق پڑے گا، ویسے بھی مجھے جے کہنا زیادہ اچھا لگتا ہے۔'' وہ خودسر تھی اس کے الفاظ سے بھی اکثر خودسری چھلکا کرتی، مما کا خیال تھا اسے عقل نام کی نہیں، ہمیشہ بے سوچے سمجھے بولتی ہے۔
''نان سنس وہ میرا دوست ہے میں اس لئے کہتا ہوں، تم مقابلہ کرو گی میرا؟'' معاذ کو کتنا غصہ آیا تھا اس کی بات سن کر۔
''وہ میرے بھی دوست ہیں، میں آپ کا کوئی مقابلہ نہیں کر رہی، ہر دوست کی اپنی الگ اہمیت اور جگہ ہوتی ہے، ہے نا جے؟'' اس نے اسی اطمینان سے کہا تھا اور معاذ دانت بھینچ کر رہ گیا تھا، جبکہ جہان نے امڈ آنے والی مسکراہٹ بامشکل معاذ کی نظروں سے پوشیدہ رکھی تھی، ورنہ اس کا اشتعال کچھ اور بڑھ جانا تھا۔
''جے تم سمجھاؤ اس گدھی کو، لڑکیاں لڑکوں سے دوستی نہیں کر سکتیں۔'' معاذ نے جہان کو جھنجلا کر مخاطب کیا تھا۔
''بیٹے بھائی سے بحث نہیں کرتے، وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' کب سے ان کی بحث خاموشی سے سنتیں مما جان نے زینب کو سمجھایا تھا، زینب تب تو خاموش ہو گئی تھی مگر بعد میں جہان کے سر ہو گئی تھی۔
''جے آپ کو بھی مجھ سے دوستی پہ اعتراض ہے؟'' اور جہان مشکل میں پڑ گیا تھا۔
''معاذ کچھ غلط نہیں کہتا، اسلام میں مرد اور عورت کے درمیان اس تعلق کی گنجائش نہیں۔'' اس

کا انداز ناصحانہ تھا، زینب مضطرب ہو گئی تھی۔
''لیکن جے آپ تو مجھے بہت اچھے لگتے ہیں، میں آپ کو کبھی کھونا نہیں چاہتی۔'' وہ روہانسی ہو کر بولی تھی۔
''اگر کھونا نہیں چاہتی تو پھر بجو جہان بھائی سے شادی کر لو، یہ ہمیشہ کے لئے تمہارے نام ہو جائیں گے اسلام میں بھی شوہر سے دوستی تو کیا محبت پہ بھی اعتراض نہیں۔'' حسان نے لقمہ دیا تھا اور اپنی بات پہ کھلکھلایا تھا، جہان کے چہرے پہ یکلخت سنجیدگی چھا گئی تھی اس نے زینب کو دیکھا وہ کچھ کھسیا کر رہ گئی تھی۔
''سوری! وہ ابھی بچہ ہے نا، تم اس کی بات پہ دھیان نہ دینا۔'' جہان نے حسان کو وہاں سے سرزش کے بعد بھیجا تو پھر اس سے مخاطب ہوا تھا، زینب سر جھٹک کر مسکرائی۔
''کم آن جے! اب ایسی بھی بات نہیں، وہ کچھ اتنا غلط بھی نہیں کہہ رہا تھا، اس پوائنٹ پہ میں کیوں نہ سوچ سکی۔'' اور جہان نے چونکتے ہوئے اسے بغور دیکھا تھا، اس کے نوخیز چہرے پہ ہلکی سی سرخی تھی، جہان ایکدم سنجیدہ ہو گیا تھا۔
''زینی! آپ ابھی بہت چھوٹی ہیں، ان باتوں کی بجائے اسٹڈی پر دھیان دیا کرو، او کے۔'' اس کا انداز تادیبی تھا اور زینب نے بڑی فرمانبرداری سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا، پھر بات بدلتے ہوئے اپنی اسٹڈی کے متعلق اس سے گفتگو کرنے لگی تھی اس کے بعد جب وہ اس کے پاس سے جانے کے لئے اٹھی تو اسی سنجیدگی و متانت سمیت بولی تھی۔
''جے ابھی تو میں چھوٹی ہوں مگر جب بڑی ہو جاؤں گی پھر حسان کی بات پہ دھیان دے سکتی ہوں؟ بی کوز میں واقعی آپ کو کھونا نہیں چاہتی۔'' جہان نے چونک کر سر اونچا کیا تو اسے شرارت سے مسکراہٹ دباتے دیکھ کر وہ اسے مارنے کو دوڑا تھا مگر وہ کھلکھلاتی ہوئی بھاگ گئی تھی۔
''اگر آپ مجھے اجازت نہ بھی دیں نا جے میں تب بھی ایسا کروں گی لالے کو پھر اعتراض نہیں رہے نا ہماری دوستی پہ..........''
جہان واپس آ کر اپنی جگہ پہ بیٹھا تو زینب نے دروازے سے سر اندر ڈال کر اسی شوخ و شنگ انداز میں کہا تھا اور اس کی شکل پہ بکھرتی بوکھلاہٹ اور گھبراہٹ کو محسوس کرتی ہنستی چلی گئی تھی۔
جہان کو لگا زینب کی ہنسی کی وہ جھنکار ابھی تک اس کی سماعتوں میں باقی ہے، اس نے گہرا سانس بھر کے خود کو کمپوز کیا تھا اور ہیر برش رکھ کر نپے تلے قدم اٹھاتا بکے کی سمت آ گیا، پھول بے حد تروتازہ اور شبنمی اوس سے بھیگے ہوئے تھے، جہان نے ملائمت سے انہیں چھوا پھر چکنا کاغذ ہٹا کر وش کارڈ کو انگوٹھے اور انگشت شہادت کی مدد سے کھینچ کر باہر نکال لیا، اس کی نظروں سے بہت آہستگی سے کارڈ پہ بکھرے موتیوں جیسے لفظوں کو چھوا تھا۔

کوئی رات میرے آنگن میں مجھے یوں بھی تو نصیب ہو
نہ خیال ہو لباس کا تو اتنا میرے قریب ہو

پروین شاکر کی پوری غزل تحریر تھی، جسے وہ پوری نہیں پڑھ سکا، الفاظ کی بے باکی نے اس کے وجود کو دہکا کے رکھ دیا تھا، غیر شعوری طور پر ہی وہ ننھا سا کارڈ جس پہ بھیجنے والے کا نام تحریر نہیں تھا

اس کی مضبوط ہتھیلی میں چرامرا گیا، واچ مین سے انٹر کام پہ رابطہ کرنے کے بعد اس نے پھول لانے والے کے متعلق استفسار کیا تھا۔

''صاحب وہ کوریئر سروس کا نمائندہ نہیں تھا، کوئی لوکل آدمی تھا بس مجھے پھول تھمائے اور اڑن چھو ہو گیا یہ کہہ کر کہ جہانگیر صاحب کو پہنچا دوں۔'' واچ مین کے جواب نے جہان کی الجھن اور اضطراب کو یکلخت بڑھا دیا۔

''کون ہو سکتا ہے؟'' وہ کتنی دیر تک یہی ایک بات سوچتا رہا تھا مگر کوئی سرا پھر بھی ہاتھ آ کر نہیں دیا تھا۔

☆☆☆

کہیں کوئی سمندر ہو
کہیں کوئی کنارہ ہو
کہیں قربت کے منظر کا
کوئی دلکش نظارہ ہو
کہیں بھیگی سی بدلی نے
کوئی موسم سنوارا ہو
کوئی سندر سا موتی ہو
کوئی روشن ستارہ ہو
کسی چشمے میں قدرت نے
دھنک سے رنگ اتارا ہو
کہیں جگنو چمکتے ہوں
یا پھولوں کا گہوارہ ہو
اس لمحے صنم میرے
مجھے تم یاد آتے ہو
یہ کہنا ہے مجھے تم سے
مجھے تم یاد آتے ہو

کھڑکی کی شاخوں سے پرے شہتوت کی شاخوں میں الجھا چاند بھی گویا اسے نہیں بھا رہا تھا، ابھی کچھ دیر میں اس کا سفر مکمل ہو جاتا وہ اپنی روشنی بکھیرنے زمین کے کسی اور حصے پر چمکے گا، روشنی جو ایک امید کی علامت ہے، مگر اس کے پاس نہیں تھی، کیسے سفر کا آغاز کر دیا تھا اس کے دل نے جس کا کوئی اختتام ہی نہیں تھا، منزل کا تعین نہ ہو تو سفر بے معنی ہی ہوا کرتے ہیں، وہ بھی لاحاصل سفر پہ چل نکلی تھی، چکور کی مانند صدیاں بھی چاند کے گرد طوافی انداز میں پھیرے لگاتی تب بھی نامراد نارسا ہی رہتی، اس کی آنکھیں بھیگتی چلی گئیں، اپنی بے بسی پہ، دل کا وہ ننھا سا لوتھڑا جو پورے وجود پہ بڑے دھڑے سے حکمرانی کیا کرتا ہے، اسے بھی اپنے سامنے بالآخر لاچار کر گیا تھا، وہ ایک ایسے اجنبی کی محبت میں تن من دھن ہار بیٹھی تھی جس کے ملنے کی آس بھی حماقت تھی، وہ خود

سے بھاگتے تھک گئی تو شکست تسلیم کر لی تھی مگر اضطراب تھا کہ حد سے سوا، وہ یہ چند روزہ زندگی اسی من پسند قربت میں گزارنے کی خواہش پہ بند نہیں باندھ سکی تھی، کتنی لاچاری محسوس ہو رہی تھی اسے دل کے آگے اور مسز آفریدی جو اس کی ایک ایک جنبش کو بغور دیکھا کرتی تھیں اس کے اضطراب کی وجہ کو پا گئی تھیں، جبھی تو انہوں نے جہان کو پھر سے گھیر گھار کر اس کے روبرو لانے کا ایک منصوبہ بنا لیا تھا، اگلے دن ناشتے کی ٹیبل پہ انہوں نے ژالے کی مضمحل صورت کو ایک نظر دیکھا تھا اور لہجے کو حتی الوسیع سرسری بنا کر بے نیازی سے بولی تھیں۔

''اگلے ہفتے جہانگیر ہمارے ساتھ کھانے میں انوائیٹڈ ہے۔''

''واٹ؟ کس سلسلے میں؟'' ترچھی نگاہ سے اسے دیکھتیں مسز آفریدی نے ژالے کی ساری کسلمندی کو لمحوں میں اشتیاق آمیز حیرت کے پردے میں چھپتے دیکھا اور معنی خیزی سے مسکرا دیں۔

''میں کچھ عرصے سے فیل کر رہی ہوں وہ تم میں واقعی انٹرسٹڈ ہے، کل اس نے خود مجھے کال کی اور تمہاری ڈیٹ آف برتھ پوچھی، میں نے دانستہ غلط بتا دی، مجھے لگا تھا وہ تمہاری برتھ ڈے میں شریک ہونے کا متمنی ہے، ہفتے کو آئے گا کوئی ضرورت نہیں اسے یہ کہنے کی کہ اس روز تمہارا برتھ ڈے نہیں ہے۔'' مسز آفریدی نے اسے جزبز ہوتے اور چہرے سے اختلاف آمیز تاثرات کو محسوس کرتے ہوئے اسے کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر ہی سرزنش کر دی تھی۔

''بٹ دس از ناٹ فیئر مما! جب انہیں اصل بات پتہ چلے گی تو کتنا غلط امیج پڑے گا ان پہ اور دوسری اہم بات یہ کہ آپ کی سوچ سراسر غلط ہے، مجھے ایسا کبھی نہیں لگا۔'' دل میں ہونے والی دھڑکنوں کی سرتال پہ اس نے دانستہ دھیان نہیں دیا جو ان کی بات پہ یقین نہ آنے کی باوجود اپنا انداز بدل چکی تھیں، مسز آفریدی اس کی بات سن کر مسکرائی تھیں، پھر اس کا گال بڑے لگاوٹ بھرے انداز میں چوما اور معنی خیز مسکان کے ساتھ بولی تھی۔

''جہانگیر آج کل کے نوجوان لڑکوں سے یکسر مختلف ہے بیٹے! وہ بہت ڈیسنٹ ہے، غلط انداز میں کوئی حرکت آئی مین چھچھور پن سے اظہار کی بجائے اس نے بڑا سیدھا راستہ اختیار کیا ہے، مجھے وہ تمہارے لئے بہت پسند آیا ہے، میری جان تم انکار نہیں کرو گی۔'' ژالے جو بغور ان کے چہرے کو دیکھتی گویا سچ اور جھوٹ کو پرکھنے کی کوشش میں مصروف تھی کسی قدر لجا کر پلکیں جھکا کر میز کی سطح ناخن سے کھرچنے لگی، مسز آفریدی نے اپنی بات کے اثرات اس کے چہرے پہ واضح نوٹ کیے تھے اور دل میں گویا کلیاں چٹختی ہوئی محسوس کرنے لگیں۔

''آئی کانٹ بلیو دس! مجھے پتہ نہیں کیوں یقین نہیں ہوتا مما! وہ اتنے گڈ لکنگ ہیں، اتنی امپریسو ہے ان کی پرسنالٹی، میں تو ان کے سامنے ایکدم دب سی جاتی ہوں، مجھ میں بھلا ایسا کیا خاص ہے کہ وہ مجھے لائیک کریں گے۔'' وہ کچھ متذبذب سی تھی، خوشی کے ساتھ الجھن کا احساس بھی شدید تھا، اب کے مسز آفریدی نے خاصی سے زیادہ خفگی سے اسے دیکھا تھا۔

''یہ کیسی فضول باتیں شروع کر دیں، تم نے یقیناً کبھی خود کو غور سے نہیں دیکھا، خوبصورتی مجسم ہو کر تمہارے سراپے میں آن سمائی ہوئی ہے، جو تمہیں ایک بار دیکھتا ہے مانو تمہارا دیوانہ ہو کر رہ جاتا ہے حالانکہ اکثر لوگوں کو تمہاری بیماری کا علم ہے پھر بھی آئے دن انہی لوگوں میں سے کوئی نہ کوئی

تمہارا پرپوزل لے کر میرے پاس آیا ہوا ہوتا ہے۔''

ژالے ان کی اتنی لمبی تقریر پہ تاسف آمیز دکھ سے مسکرائی تھی، پھر سرد آہ بھر کے تلخی سے جواب دیا تھا، اس کی وجہ میرا حسن جہاں سوز نہیں آپ کی یہ بے تحاشا دولت ہے، جس پہ یہ لالچی لوگ قبضہ کرنا چاہتے ہیں ایک مرتی ہوئی لڑکی سے شادی رچا کر، اونہہ میں تو جیسے جانتی نہیں ہوں نا، جہانگیر صاحب کا بھی پتہ کرا لیں اسی کیٹگری میں ان کا بھی شمار نہ ہوتا ہو۔

اس نے اپنے ہی دل کی خفگی کی پرواہ کیے بغیر آخری بات بھی اس تلخی سے کہا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے چلی گئی ایک بار پھر ان کی سیٹنگ تلخی اور بدمزگی پہ ختم ہوئی تھی، مسز آفریدی ہونٹ بھینچے گویا اپنا غصہ ضبط کر رہی تھیں۔

☆☆☆

وہ ہم سفر تھا مگر اس سے ہمنوائی نہ تھی
کہ دھوپ چھاؤں کا عالم رہا جدائی نہ تھی
و ہم سفر تھا مگر اس سے ہمنوائی نہ تھی

وہ آنکھیں موندے نیم دراز تھا، کمرے میں دھیمے سروں میں بجتے میوزک نے ماحول کر گمبھیرتا اور اداسی کو کچھ اور بڑھا دیا تھا، وہ ابھی کچھ دیر قبل شاہ ہاؤس پہنچا تھا، زینب پارلر گئی ہوئی تھی اسما بھابھی کے ساتھ جبکہ زیاد سے اس کے تعلقات اب خوشگوار نہیں رہے تھے، پپا اور پپا جان معمول کے مطابق آفس میں تھے جبکہ باقی افراد نے خوشدلی اور ہمیشہ کی محبت سے اس کا استقبال کیا تھا، مما البتہ اس بار اس کے گلے لگ کر کتنی دیر تک سسکتی رہی تھیں، کیوں؟ وجہ وہ جانتا تھا، وہ ہمیشہ اسے اپنے بچوں سے بڑھ کر اہمیت دیتی آئی تھیں بڑھ کر محبت سے نوازا تھا اور جب کبھی وہ اسے اور زینب کو ایک ساتھ دیکھتیں تو ان کی آنکھوں کی چمک یکلخت کئی گنا بڑھ جایا کرتی تھی، وہ سپنے جو انہوں نے اس کے اور زینب کے حوالے سے دیکھے تھے ٹوٹ کر کرچیوں کی صورت آنکھوں کو زخمی کر گئے تھے، یہ تاسف یہ رنج اور ملال اسی نقصان کا باعث تھے اور جہان مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی مجرم بن گیا تھا، وہ جلتی آنکھوں سمیت گہرا سانس بھر کے کروٹ بدل کر لیٹ گیا تھا، مگر سکون کہاں تھا، گلوکارہ کی آواز میں اس کے دل کا کرب رچا ہوا تھا۔

عداوتیں تھیں تغافل تھا رنجشیں تھیں مگر
بچھڑنے والے میں سب کچھ تھا بے وفائی نہ تھی
کہ دھوپ چھاؤں کا عالم رہا جدائی نہ تھی
وہ ہم سفر تھا مگر اس سے ہمنوائی نہ تھی

دروازہ دھیمے سروں میں بجا تھا وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا، مما دروازہ کھول کر اندر داخل ہو رہی تھیں۔

''آپ نے کیوں تکلیف کی چچی جان! مجھے چائے کی ابھی طلب نہیں تھی۔''

''ایسی باتیں مت کیا کرو بیٹے، مجھے فاصلوں کا گمان ہونے لگتا ہے، یہ فاصلے بہت ظالم ہوتے ہیں رشتوں میں دراڑیں ڈال دینے والے، میرے بچے کبھی انہیں اپنے بیچ نہ آنے دینا۔''

بات کے اختتام تک ان کا گلا بری طرح سے بھرا گیا تھا، جہان نے گھبرا کر انہیں دیکھا پھر آہستگی سے نرمی و محبت سے انہیں اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

''میری بات سے اگر آپ کو تکلیف پہنچی ہے چچی جان تو مجھے معاف کر دیں۔''

''معافی تو ہمیں مانگنی چاہیے بیٹے! ہم تو گویا تم سے نظریں چار کرنے کے قابل بھی نہیں رہے، زینب کی سرکشی اور ضد سے ایویں تو مجھے خوف نہیں آتا تھا۔'' وہ اب کے بری طرح سے بلک اٹھی تھیں جبکہ جہان تو شاکڈ رہ گیا تھا، اسے گمان تک نہیں تھا وہ اصل بات سے آگاہ بھی ہو سکتی ہیں، اس صحیح معنوں میں خود کو سنبھالنا دشوار محسوس ہو رہا تھا۔

''چچی جان پلیز! ٹیک اٹ ایزی، کنٹرول یور سلیف۔'' خاصی تاخیر سے وہ خود کو سنبھال پایا تو بجھے ہوئے لہجے میں آہستگی سے بولا تھا، اس کے لئے یہ اعصاب شکن انکشاف تھا کہ معاذ ہی نہیں مما اور پپا بھی زینب کی حقیقت سے آگاہ ہو چکے ہیں، اس کے باوجود اس نے زینب کے دفاع کی اور پوزیشن کلیر کرنے کی کوشش کرنی چاہی تھی۔

''آپ غلط سمجھ رہی ہیں چچی جان! ایسا کچھ نہیں ہے، زینب تو...........'' مما نے آنسو بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا پھر اس کے ہونٹوں پہ اپنا لرزیدہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''اس کی اتنی بے جا حمایت مت کرو جہان! اس نے صرف تمہارے نہیں ہمارے بھی دلوں کو دکھایا ہے، میں اگر مجبور نہ ہوتی تو لازمی اس کو سرزنش کرتی مگر..........''

''آپ اس چیپٹر کو اب ہمیشہ کے لئے کلوز کر دیں پلیز۔'' جہان کے آہستگی سے کہنے پہ مما نے بھینچا ہوا سانس کھینچا تھا اور کچھ دیر ملول سی سر جھکائے بیٹھی رہیں۔

''پرنیاں بھابھی سے ملنے گئی تھیں آپ؟'' جہان نے دانستہ اگلی بات چھیڑ کر انہیں اس کیفیت سے نکالنا چاہا۔

''پرنیاں کو اس تقریب میں شریک ہونا چاہیے نا جہان؟''

''جی بالکل ہونا چاہیے۔''

''مگر تمہارے چاچو کہہ رہے ہیں وہ پرنیاں سے یہ بات نہیں کریں گے، دوسرے لفظوں میں وہ اسے فورس کرنا نہیں چاہتے میں نے کہا میں خود لے آئی ہوں اسے، مگر کہتے ہیں جہان لائے گا، تم کب لاؤ گے؟'' جہان نے گہرا سانس بھر کے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''جب آپ کہیں۔''

''وہ آ تو جائے گی نا؟''۔'' ان کا خدشہ زبان پہ آ گیا، جہان آہستگی سے مسکرا رہا تھا، پھر اپنا بازو ان کے شانے پہ دراز کرتے ہوئے رسانیت سے بولا تھا۔

''ڈونٹ یو وری چچی جان! خوش قسمتی سے آپ کی بہو صاحبہ بہت روادار اور فرمانبردار ہوا قع ہوئی ہیں، مجھے نہیں لگتا وہ آپ کی کوئی بات ٹال سکیں، آپ تو چلیں گی نا میرے ساتھ انہیں لینے۔'' مما نے بے ساختہ سر کو نفی میں جنبش دی تھی، پھر دلگیری سے بولیں۔

''جو کچھ اس کے ساتھ ہوا ہے وہ ہرگز بھی اس لائق نہیں کہ اب ہم اس پہ یہ حق استعمال کر سکیں، بیٹے میں اسے خود جا کر مشکل میں گرفتار نہیں کرنا چاہتی، شاید اس صورت وہ انکار نہ کر سکے،

تم چلے جاؤ اور اس سے زبردستی ہرگز نہ کرنا۔''

''تقریب کل ہے، کل نہ چلا جاؤں؟''

''نہیں بیٹے، عین وقت پہ بلانا مناسب نہیں لگتا، وہ گھر کے فرد کی حیثیت رکھتی ہے۔''

''اوکے فائن، میں چاچو سے بات کر لوں پھر چلا جاؤں گا۔'' جہان نے گفتگو سمیٹی تھی اور چائے کا مگ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا، مما خاموش اور کسی سوچ میں گم بیٹھی تھیں۔

☆☆☆

کون سا ہو گا ہم سا تہی داماں لوگو
جیب میں حرف دعا ہے نہ ہتھیلی پہ حنا
نہ تبسم نہ رفاقت نہ کوئی لمحہ یاد
آنکھ ویران ہے اور دل خالی
ہونٹ نادم ہیں اور باہم پیوست
ان کہے حروف ہیں رنجور اور سماعتیں بے فیض
انگلیاں خشک چٹانوں کی طرح تڑخی ہیں
کسی آنسو کی نمی ان کی زباں پہ کبھی اتری ہی نہیں
آس جکڑی نہ تمنا کسی دو جے کو تھمائی ہم نے
عمر بھر تنہا رہے تنہا جیئے
کہنے کو کچھ تو تھے بہت اپنے
خودی کے زعم میں داؤ پہ لگایا جن کو
لیکن یہ گماں
ہاں صرف گماں

وہ نہانے گھسی ہوئی تھی گیلے بال تولیے میں لپیٹے باہر نکلی تو ثنا جو اسی کی منتظر تھی اس کی متورم آنکھیں دیکھ کر کڑے تیور ڈھیلے کر کے گہرا سانس بھر کے رہ گئی تھی۔

''میں پوچھتی ہوں آخر ہو کیا گیا ہے تمہیں؟''

پرنیاں نم لمبے بال جھٹک کر انہیں برش سے سلجھانے میں مصروف ہوئی تھی اسے نظر انداز کیے جب ثنا کے تیور پھر سے سختی سمیٹ لائے تھے۔

''کیا ہوا ہے؟'' پرنیاں نے اپنے کام میں محو رہ کر بے نیازی سے استفسار کیا تو اسے تپ چڑھنے لگتی۔

''میم یہ آپ مجھے بتائیں گی کہ کیا ہوا ہے آپ کو، کیوں مجھ سمیت کالج کا بھی بائیکاٹ کر رکھا ہے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں، بس ذرا طبیعت اچھی نہیں تھی تو............''

''پری! تم جانتی ہو تمہاری اسٹڈی کا کتنا حرج ہو چکا ہے، پھر وہ دانیال...... تمہیں روز غائب پا کر میرا سر کھاتا ہے، آج تو تمہیں ملنے کو یہاں آنے کا بھی کہہ رہا تھا۔'' ثنا نے کہا تھا اور پرنیاں

کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا، ہیر برش ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پہ جا گرا وہ ساکن کھڑی تھی، ثنا نے متحیر ہو کر اس کی حالت ملاحظہ کی تھی۔

''خیریت پرنیاں! کہیں تم دانیال سے ہی تو خائف نہیں ہو؟'' ثنا نے محض ایک اندازہ لگایا تھا مگر پرنیاں کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

''اس ذلیل کمینے آدمی کو کہو میرا پیچھا چھوڑ دے، ورنہ یا تو میں اسے شوٹ کر دوں گی یا پھر خود کو۔'' ہاتھوں میں چہرا ڈھانپ کر ہچکیوں سے روتی ہوئی وہ پھیپھڑوں کی پوری طاقت صرف کر کے چیخی تھی، ثنا تو صحیح معنوں میں بھونچکی رہ گئی تھی۔

''پری...... پرنیاں...... ٹیک اٹ ایزی، ریلیکس جانو۔'' ثنا نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا تھا اور تھپکنے لگی۔

''دانیال نے کچھ کہا ہے تم سے؟'' پرنیاں خود کو سنبھال کر بھیگی آنکھیں رگڑتی اس سے الگ ہوئی تب ثنا نے بے حد رسانیت سے سوال کیا تھا، پرنیاں کچھ نہیں بولی اور ہونٹ کچلتی رہی، ثنا نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے تھے۔

''تم مجھ پہ بھروسہ تو کر سکتی ہو پرنیاں!'' اس کے لہجے میں محبت تھی، اپنائیت تھی اور خلوص تھا، پرنیاں بے بس ہونے لگی، پھر دل کا بوجھ بھی کھٹارسس مانگتا تھا۔

''وہ مجھے دھمکیاں دیتا ہے، مجھے بہت ڈر لگنے لگا ہے ثنا، تم جانتی ہو نا میں اکیلی ہوں۔''

''دھمکیاں کیوں دیتا ہے؟'' ثنا نے سب سے اہم سوال کیا تھا، پرنیاں کا اضطراب کچھ اور بڑھا۔

''پرنیاں......!!!'' ثنا نے اس کا کاندھا ہلایا تو وہ جیسے چونکی تھی۔

''شادی کرنا چاہتا ہے۔''

''یہ تو اچھی بات ہے یار، اگر وہ......''

''بے حد کرپٹ انسان ہے وہ پھر میں تو آل ریڈی......'' وہ جیسے بے اختیاری کی کیفیت میں کہتے کہتے یکلخت سنبھلی اور ہونٹ باہم سختی سے بھینچ لئے، ثناء نے اس کی اس حرکت کو بالخصوص نوٹس کیا تھا۔

''کیا تم تو آل ریڈی......''

''ثنا وہ بندہ تمہیں میرے قابل لگتا ہے؟ اس قسم کے تھرڈ کلاس عاشق قدم قدم پہ ملتے ہیں، ہر کسی کی آفر تو نہیں قبول کی جاتی۔'' وہ بہت خوبصورتی سے بات بدلتے وہ تلخی سے جواب دے رہی تھی، ثنا اسے دیکھ کر رہ گئی، مطلب واضح تھا وہ اس بات کا جواب نہیں دینا چاہتی تھی۔

''ٹھیک ہے تم اسے منع کر دو۔''

''کہا نا وہ فضول دھمکیاں دے رہا ہے مجھے۔''

''کسی کی گیدڑ بھبکیوں سے ڈر کر چپ کے بیٹھ جاؤ گی، تم اپنے انکل کو کیوں نہیں بتاتی ہو؟''

''مس پرنیاں آپ کو کوئی ملنے آیا ہے، وزٹنگ روم میں آ جائیں۔'' اس سے قبل کہ پرنیاں جواباً کچھ کہتی وارڈرن کی ہیلپر اس کے لئے پیغام لے کر چلی آئی، پرنیاں کے چہرے پہ جیسے ہوائیاں

اڑنے لگیں۔

''ک...... کون ہے،...... آ...... آپ نے دیکھا تو ہو گا۔'' اس نے ہکلا کر پوچھا تھا جواباً وہ درمیانی عمر کی عورت بھی معنی خیزی سے مسکرائی تھی۔

''یہ تو آپ کو پتہ ہو گا جی کون ہے، ویسے ہے، بہت ہی پیارا، انگریزی فلموں کا ہیرو لگتا ہے دیکھنے میں تو۔'' پرنیاں کا رنگ اڑ سا گیا اس نے سہمی ہوئی نظروں سے ثنا کو دیکھا تھا۔

''مجھے لگتا ہے وہی منحوس آن ٹپکا ہے، تم بتا رہی تھیں نا کہ...... میم نے اسے یہاں گھسنے کیسے دیا۔'' وہ ثنا کے ساتھ لگ کر سرگوشی میں بولی ثنا نے اس کے وجود کی خفیف کپکپاہٹ کو محسوس کیا تھا اور جیسے ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گئی۔

''ٹھیک ہے آپ چلیں ہم آ رہی ہیں۔'' ثنا نے خاتون کو فارغ کیا تھا پھر اسے گھورتے ہوئے بولی تھی۔

''پری بالکل احمق ہو تم، ہاتھ پیر منٹوں میں چھوڑ دیتی ہو، نان سنس، آخر یہاں کے کچھ رولز ہیں وہ جتنا بھی لفنگا سہی مگر اس طرح یہاں نہیں گھس سکتا، عین ممکن ہے تمہارے ڈیسنٹ انکل کا کوئی بیٹا آیا ہو اس مرتبہ تم سے ملنے، آؤ میں دیکھتی ہوں تمہارے ساتھ۔'' ثنا اس کے گریز اور خوف کو خاطر میں لائے بغیر ایک طرح سے گھسیٹ کر ساتھ لائی تھی، وزٹنگ روم کے دروازے پہ رک کر پرنیاں نے اپنے حواس بحال کیے اور خشک ہونٹوں پہ زبان پھیر کر گویا خود کو سنبھالنے کی سعی کی تھی پھر محتاط انداز میں ثنا کی معیت میں اندر داخل ہوئی تو اپنے روبرو جہان کو دیکھ کر وہ ایکدم ساکن رہ گئی تھی۔

''السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟'' جہان اسے دیکھ کر اٹھا تھا اور مسکرا کر گفتگو کا آغاز کیا۔

''وعلیکم السلام میں ٹھیک ہوں کیسے آنا ہوا آپ کا؟'' پرنیاں کے چہرے کے تاثرات ایکدم سے تبدیل ہو گئے تھے خوف کی جگہ نخوت سے سختی نے لے لی، جہان نے محسوس کیا تھا اور گہرا سانس کھینچ کر خفیف سا مسکرایا۔

''آئی تھینک چاچو کی بجائے مجھے دیکھنا آپ کو اچھا نہیں لگا۔''

پرنیاں نے اس مرتبہ جواب نہیں دیا اور آہستگی سے ایک صوفے پہ بیٹھ گئی، جہان نے اس محتاط نظروں سے دیکھتے ہوئے کھنکار کر گلا صاف کیا تھا۔

''میں آپ کو لینے آیا ہوں۔'' اب کی مرتبہ پرنیاں نے چونک کر اسے دیکھا تھا اور کچھ دیر تک مضطرب سی کیفیت میں مبتلا دیکھتی رہی۔

''آپ کے لئے چائے لاتی ہوں۔''

''نہیں پرنیاں میں......''

''میں چائے بنا کے لاتی ہوں۔'' ثنا جو تب سے جہان کو دیکھ رہی تھی ہڑبڑا کر بولی اور کچھ مزید سنے بغیر اٹھ کر چلی گئی، جہان جیسے ایکدم ریلیکس ہوا تھا۔

''آئی تھینک آپ نے یہاں کسی کو کچھ نہیں بتایا۔'' اس نے ایک اندازہ ظاہر کیا تھا جسے سمجھتے ہوئے پرنیاں کے چہرے پہ موجود سنجیدگی اور خفگی میں گراں قدر اضافہ ہو گیا۔

"آپ ٹھیک سمجھے ہیں اور میں بتانا بھی نہیں چاہوں گی، بہتر ہوگا آپ بھی خیال رکھیں۔"
"ڈونٹ وری، ویسے آپ مجھ سے کیوں خفا ہیں۔" وہ کچھ دکھ میں مبتلا ہوکر بولا۔
"آپ کو محسوس ہوا ہے؟"
"مجھے کبھی کچھ غلط محسوس نہیں ہوتا مائی سس۔"
"میں آپ کی ناراضگی کی وجہ سمجھ سکتا ہوں، سوری اس روز میں آپ کی کال پک نہیں کر سکا مگر بعد میں آپ نے اپنا نمبر......"
"آپ کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟"
"کون سا جھوٹ؟" جہان نے حیران ہوکر اسے دیکھا پھر اس کی آنکھوں میں مچلتی نمی کو محسوس کر کے شرمندہ ہونے لگا تھا۔
"وہ جھوٹ نہیں سچ ہے، معاذ محض دو دن کے لئے میرے پاس لاہور آیا تھا، یقین کریں وہ شاہ ہاؤس کے کسی مکین سے بھی نہیں ملا بلکہ کسی کو علم بھی نہیں ہے۔"
"مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے، آپ مجھے کیوں لینے آئے ہیں یہ بتائیں آپ کو پتہ ہے میں......"
"مجھے چچی جان نے بھیجا ہے، زینب کی انگیجمنٹ ہو رہی ہے، آپ سمجھ سکتی ہیں آپ کی شرکت کس قدر ضرور ہے، چچی خود آپ کو لینے آتیں مگر وہ سب لوگ آپ سے بہت شرمندہ ہیں۔"
"زینب کی انگیج منٹ ہو رہی ہے یعنی آپ کی، مبارک ہو بھائی۔" وہ سب کچھ بھول بھال کر یا دانستہ نظر انداز کیے اسے جوش بھرے انداز میں وش کرنے لگی جہان کی اذیتیں محسوس کیے بغیر، وہ خاموش رہ گیا تھا، تبھی ثنا چائے سمیت اندر آئی تھی، چائے کے دوران تقریباً خاموشی چھائی رہی تھی۔
"آپ چل رہی ہیں نا میرے ساتھ؟" جہان نے خالی کپ جھک کر میز پہ رکھتے امید افزا نظروں سے اسے دیکھا تھا، پرنیاں نے جھکی پلکیں اٹھا کر لمحہ بھر کو اسے دیکھا پھر گہرا سانس بھر کے سر کو اثبات میں جنبش دی تھی۔
"گڈ......" جہان جیسے ہلکا پھلکا ہوا جیسے سر سے بھاری بوجھ اتارا ہو۔
"آپ اپنا ضروری سامان لے لیں پھر چلتے ہیں۔" رسٹ واچ پہ نگاہ ڈالتے ہوئے جہان نے پہلو بدلا تو پرنیاں نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔
"آپ نے میم سے بات کی مجھے ساتھ لے جانے کی؟" اس نے وارڈن کا حوالہ دیا تھا جہان نے کاندھے اچکا کر سر کو اثبات میں جنبش دی۔
"ان سے چاچو بات کر چکے ہیں، آپ کیا سمجھتی ہیں ایویں آپ کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں۔" پرنیاں محض مروتاً مسکرائی تھی پھر وہاں سے پلٹ کر باہر نکلی تو اس کا دل ہی نہیں اٹھتے قدم بھی بوجھل ہو رہے تھے، اگر دانیال والا معاملہ بیچ میں نہ آ چکا ہوتا تو شاید نہیں یقیناً وہ یہ مفاہمت ہرگز نہ کرتی مگر اب ان حالات میں سے ان لوگوں کا سہارا لینا پڑ رہا تھا تو اس کی مجبوری تھی زندگی میں ہر جگہ ہر مقام پہ صرف انا کو نہیں دیکھا جاتا، اس نے سرد آہ بھری تھی اور بے دلی سے سیڑھیاں چڑھنے

لگی۔
"اب مجھے سمجھ آئی تم بیچارے دانیال کو گھاس کیوں نہیں ڈال رہی تھیں، یار اتنا ڈیشنگ بندہ......اف رئیلی میں تو اسے دیکھتی رہ گئی، اوپر سے نام بھی کیا شاندار ہے۔"
"بکو مت یہ بھائی ہوتے ہیں میرے، خبردار جو کچھ ایسا ویسا سوچا بھی تو، اپنی منگنی کی تقریب میں بلانے آئے ہیں مجھے۔" پرنیاں نے اسے گھور کر سب سے اہم اطلاع پہنچائی تو ثنا کا منہ لٹک گیا تھا۔
"یار دو گھڑی کو خوش ہی ہو لینے دیتیں، بندہ جتنا کمال ہے نا تیرے ساتھ بہت سوٹ کرتا، چل تو نے بھائی کہہ دیا تو میرا ٹانکہ فٹ کرانے کی کوشش کرتی مگر نہیں تمہیں اتنی فکر ہوتی تو ایک سال پہلے نہ پھوٹی ہوتی منہ سے۔" پرنیاں نے اس کی باتوں پہ دھیان نہیں لگایا تھا اور اپنا ایک آدھ جوڑا بیگ میں رکھ کر ثنا کو خدا حافظ کہتی جہان کے پاس آئی تو وہ جیسے اس کا منتظر تھا۔
"مجھے بے حد خوشی ہو رہی ہے جہان بھائی کہ زینب آپ سے منسوب ہو رہی ہے، مما نے بتایا تھا مجھے کہ بچپن سے آپ کی ان سے بہت دوستی رہی ہے، انڈر اسٹینڈنگ بھی کمال تھی، ایسے پیئر بہت خوشگوار اور کامیاب زندگی گزارتے ہیں۔" اس نے اپنی وہ ناراض یقیناً ختم کر دی تھی جبھی گاڑی میں اس کے ساتھ بیٹھتے ہی وہ کسی قدر خوشدلی سے بولی تھی، جہان کے چہرے پہ ایک تاریک سایہ لہرا کر معدوم ہو گیا تھا اس نے خود کو سنبھالنے کی سعی کی تھی اور اپنے ہونٹ کا زیریں کنارہ بے دردی سے دانتوں سے دبایا تھا اور خود پہ جبر کر کے آہستگی سے بولا تھا۔
"زینب کی انگیج منٹ تیمور خان سے ہو رہی ہے پرنیاں، چچی جان نے جو کچھ آپ سے کہا تھا وہ کسی شدید غلطی فہمی کا نتیجہ تھا، اینڈ دیٹ سیک۔" جہان بظاہر جتنا نارمل نظر آ رہا تھا اندر سے اسی قدر مضطرب تھا اور پرنیاں تو جیسے اس انکشاف کی زد پہ متحیر ششدر اور بھونچکی رہ گئی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ)

عید آئی خوشیاں لائی

صائمہ حجاب

اس کی سماعتوں کو شاید کوئی دھوکا ہوا کہ جو وہ سن رہا تھا الفاظ نہیں انگارے تھے بھڑکتے شعلے تھے، غم کے ایسے سندیسے تھے جن کا رخ اسی کے دل کی طرف تھا وہ مبہوت سا سب سنے جا رہا تھا، یقین کرنا مشکل تھا کہ کہنے والی وہ ہستی ہے جسے اس نے سب سے زیادہ دل کے قریب رکھا۔

زونائشہ ہی وہ تھی جو کئی سالوں سے اس کے دل و دماغ پہ حاوی تھی اور وہ بھی اس کی چاہت کا دم بھرتی تھی مگر اب کیا ہوا، وہی زونائشہ اسے بے وفائی کا تانہ دے رہی تھی اسے کسی اور کے عشق میں گرفتار ہونے کا الزام سر پہ تھوپ رہی تھی۔

''افعان...... افعان میں نے تو تم سے محبت کی تھی اتنا اعتبار کیا مگر تم مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا، میری ہی فرینڈ سے محبت کی پینگیں بڑھا رہے تھے، چیٹر ہو تم، نفرت ہے مجھے تم سے۔'' وہ بولے جا رہی تھی۔

''تمہیں ذرا احساس ہے کہ وہ میری بہنوں جیسی دوست تھی اور تم...... خیر تم سے کیا کہنا، جب میری اپنی فرینڈ ہی نے مجھے دھوکا دیا، بظاہر تم دونوں یہ شو کروا رہے تھے کہ تم دونوں بہن بھائی ہوا اور اندر اندر سے یہ کھچڑی پک رہی تھی، افعان اگر وہ تمہیں اتنی پسند تھی تو مجھے کہتے میں خود تم دونوں کو ملوا دیتی، مگر ایمان نے بھی کبھی نہیں کہا بس خاموشی سے محبت کی پینگیں چڑھاتی رہی، بہت گر چکی ہے وہ بھی اپنے......'' ایمان کے نام پہ واضح الزام نے اس کے صبر کا پیمانہ لبریز کر دیا۔

''بس زوشی اس سے پہلے کہ میں اپنا ضبط کھو دوں بند کرو اپنی بکواس اور خبردار آج کے بعد ایمان کے متعلق اس طرح کی کوئی غلط بات کی، تم کیا جانو ایمان کیا ہے؟''

''ہاں بھی اب تو ایمان کے متعلق کچھ کہنا بھی گناہ ہے سچ کیوں نہیں کہتے مسٹر افعان کہ تم اس کی چاہت کے اسیر ہو چکے ہو، تمہیں میری ضرورت ہی نہیں رہی، کرتی ہوں میں اسے بھی کال اور خوب سناتی ہوں، تماشا بنا کر رکھ دیا ہے میری ذات کو، میری بلی مجھے ہی میاؤں واؤ۔''

''خبردار تم نے ایمان کو کال کر کے کچھ غلط کہا تو وہ تم سے ہزار درجہ بہتر ہے اگر تم نے اس سے کوئی اول فول کہی تو نتیجے کی ذمہ دار تم خود ہو گی انڈرسٹینڈ۔''

''ہونہہ...... نتیجہ...... مائی فٹ۔'' اس نے کل ڈراپ کرنا چاہی مگر افعان کے الفاظ پہ رک گئی۔

''بہت غلط کیا ہے تم نے میری جگہ کوئی اور ہوتا تو تم سے اسی وقت بریک اپ کرنے کے ساتھ ساتھ بہت سی ایسی باتیں کہہ دیتا جو شاید تم کبھی برداشت نہ کر سکتی خیر، میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا ہاں مگر اب شاید ہمارا ساتھ ممکن نہیں۔''

''سچ بات کیوں نہیں کہتے افعان کہ اب تم ایمان سے محبت اور مجھ سے نفرت کرنے لگ گئے ہو۔''

''ایمان سے تو میں واقعی محبت کرتا ہوں مگر کسی اور رشتے سے اور تم سے نفرت...... آہ...... کبھی نہیں۔'' گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسنے کال بند کر دی۔

''اس بھی نہیں کو ہی تو رئیل میں چینج کرنا ہے۔'' اس نے سیل کان سے ہٹا کر ایمان کے نمبر پہ کالنگ شروع کر دی۔

☆☆☆

''زوشی مجھے تم سے ایسی امید نہ تھی تم ایسی تو نہ تھی تم تو ہر بات کو مثبت انداز میں سوچتی تھی مگر اب کیا ہوا ہے کہ تم نے اچانک ہی اپنی اتنی گہری محبت پہ شک کیا، کاش میں تم سے نفرت کر سکتا مگر

کیا کروں تم سے اس قدر محبت ہے کہ یہ سب باتیں خواب سی لگ رہی ہیں۔'' وہ کمرے میں بیٹھا سوچ رہا تھا۔

''اوہ گاڈ کہیں وہ ایمان کو بھی کچھ نہ کہہ دے۔'' اس نے سوچتے ہی ایمان کو کال ملائی مگر نمبر بزی جا رہا تھا، اس نے زونائشہ کا ٹرائی کیا وہ بھی بزی تھا۔

زونائشہ نے اپنی بات سچ کر دی تھی، بے چینی عروج پہ تھی سو وہ کمرے میں چکر پہ چکر لگا رہا تھا، ساتھ ساتھ لگاتار نمبر بھی ٹرائی کر رہا تھا، پانچ منٹ بعد بیل ہونے لگی مگر ادھر سے کال پک نہیں کی گئی، ایمان کرتی بھی تو کیسے زونائشہ نے اس قابل چھوڑا ہی کب تھا۔

''جی بھائی۔'' کافی دیر بعد کال ریسو کر لی گئی آواز رندھی ہوئی تھی۔

''دسسٹر ایمان پلیز زوشی کی باتوں کو سیریس مت لینا اسے شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے بھی اتنا ہائپر ہو رہی ہے، وہ ہم دونوں سے بہت محبت کرتی ہے، بس کوئی غلط فہمی۔''

''نفرت ہے اسے ہم دونوں سے، وہ سہام سے محبت کرنے لگی ہے اس نے کہا ہے وہ سہام سے شادی کا فیصلہ کر چکی ہے، کچھ ہی دنوں تک اس کی منگنی ہے۔''

''جھوٹ بول رہی ہے وہ۔''

''جھوٹ نہیں سچ ہے، وہ واقعی سہام سے منسوب ہو رہی ہے۔''

''اور تو کچھ نہیں کہا اس نے۔'' وہ اندر سے مزید ٹوٹ گیا۔

''ہاں وہی کہا جو کچھ آپ سے یعنی ہم دونوں کے رشتے پہ شک کیا اور یہ کہ ہم دونوں اسے دھوکا دے رہے تھے۔'' وہ ضبط کھو بیٹھی۔

''ایمان پلیز تم رو نہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا، تم ٹینس نہ ہو۔'' تسلی دے کر اس نے کال ڈراپ کر دی۔

☆☆☆

''سہام بیٹا ہم سب تو آج تمہاری پھپھو کے ہاں افطاری پہ جا رہے ہیں سو کینیڈا سے آئے ڈیلی گیشن کو تم دیکھ لینا۔''

''او کے بابا نو پرابلم میں پھپھو کو کال کر کے معذرت کر لوں گا۔''

''اور ہاں اسی ہفتے تمہیں پاکستان جانا ہوگا، میرے، بہت اچھے دوست رائے جمال کی سائیٹ وغیرہ دیکھنی اور جوائنٹ مل کے لئے جگہ لینی ہے وہ بھی دیکھ آنا، جب تک تم لوٹو گے منگنی کے انتظامات مکمل ہونگے پھر عید کے روز منگنی کر دیں گے۔''

''پاپا زوشی کی پسند پوچھی آپ لوگوں نے۔''

''بیٹا بھلے ہم مغرب میں رہتے ہیں مگر اقدار مشرقی ہیں اور ویسے بھی وہ بہت فرمانبردار بچی ہے، ماں باپ کی ہر بات مانتی ہے۔''

☆☆☆

''تم دونوں مجھے دھوکا دے رہے تھے ں تم دونوں کو، درحقیقت مجھے سہام سے محبت ہے اور میں اب اسی کی ہو رہی ہوں۔'' اس نے یہ میسج افعان اور ایمان کے نمبر پہ بھیجنے کے بعد پہلے تو سامنے پڑے ورق کو چند ٹکڑوں میں تقسیم کیا اور پھر پرزے ڈسٹ بن میں ڈال کر کمرے سے باہر نکل آئی باہر سب تیاریوں میں مصروف تھے، کچن میں گئی تو ماما افطاری کی تیاری میں مگن تھیں اتنے میں عائشہ کارڈلیس لئے آ گئی۔

''ماما سامی بھیا کی کال ہے۔''

سہام کا نام سن کر وہ اندر بڑھ گئی بلیک شال گرد لپٹتے وہ نیو یارک کی رش بھری سڑک پہ نکل

آئی، اس کی منزل فی الحال قریبی پارک تھا کہ جب بھی فارغ یا پریشان ہوتی تو پارک میں گھنٹوں بیٹھی رہتی، افعان سے ملاقات بھی تو ادھر ہی ہوئی تھی۔

اسے یاد تھا اس دن بھی وہ یہیں اپنے مخصوص بینچ پہ بیٹھی رو رہی تھی جب افعان نے انسانیت کے ناطے رونے کا سبب پوچھا۔

''آپ کیوں رو رہی ہیں؟'' افعان جائے اور بک چھوڑ کر اس کی طرف گھوما۔

''مجھے نہیں پڑھنا۔'' اس نے انگلش کی دو موٹی موٹی کتابیں دور اچھال دیں۔

''آخر ہوا کیا ہے، کیا آپ کو اسٹڈی مشکل لگتی ہے اور ویسے بھی آج تو فرسٹ کلاس تھی۔'' بکس اٹھا کر لاتے ہوئے اس نے کہا کیونکہ کتابیں دیکھ کر اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ دونوں ایک ہی کلاس کے اسٹوڈنٹ ہیں۔

''اسٹڈی مجھے کبھی بھی مشکل نہیں لگی مگر ایمان کے بغیر۔'' وہ روئے جا رہی تھی۔

''ایمان کے بغیر...... ایمان سے آپ کی کیا مراد ہے۔'' بلو پینٹ ودلانگ شرٹ زیب تن کیے زونائشہ اسے الجھن میں مبتلا کر رہی تھی۔

''وہ میری بیسٹ فرینڈ بلکہ بس ایک ہی فرینڈ ہے شروع سے پاکستان اسی کے ساتھ پڑھتی رہی ہوں مگر اب بابا ادھر شفٹ ہو گئے ہیں تو سمجھ نہیں آتا کیسے پڑھ پاؤں گی ایمان کے بغیر، آج بھی سارا دن بور گزرا، او گاڈ۔'' وہ پھر رو دی۔

''دیکھیں آپ روئیں تو نہیں۔'' اس نے ٹشو پیپر بڑھایا اور وہ آنسو سمیٹ کر پہلے پیروں تلے گھاس اور پھر اس انجان شخص کو دیکھنے لگی، جانے کون ساجذبہ غالب آ گیا تھا کہ بے خودی میں وہ افعان کے شانے پر سر رکھ کر پھر سے رو دی

اس قربت پہ افعان تو بوکھلا ہی گیا، زونائشہ کو اچانک ہی اجنبیت کا احساس ہوا جس کے باعث وہ ایک دوسرے کا نام تک نہیں جانتے تھے، وہ ایک جھٹکے سے سیدھی ہوئی ندامت بھری نظریں اس پہ ڈال کر بکس اٹھا کر چل دی۔

''تو ایمان کو بھی ادھر ہی بلا لیں۔'' عقب سے مفت مشورہ ملا تھا جس پہ اس نے جاتے ہی عمل کیا، ایمان کی بھی حالت زونائشہ سے کم نہ تھی سو اس نے رو دھو کر گھر والوں کو منا ہی لیا۔

اگلے ہی روز نیٹ کے ذریعے ایڈمیشن کا کام کیا گیا اب چند دنوں بعد وہ بھی یہاں اپنے ماموں کے پاس اسٹڈی کے لئے آنے والی تھی اور یہ خوشی ایسی تھی کہ زونائشہ ایک اجنبی کو انجانے احساس کے باعث سنانے کو بے تاب تھی مگر نہ تو نام سے واقف تھی نہ ہی کلاس سے یہی وجہ تھی کہ وہ اسے باہر جبکہ افعان کلاس کے اندر تلاش کر رہا تھا ان کی تلاش کلاس شروع ہوتے ہی ختم ہوتی کہ وہ فرسٹ رو میں کافی فاصلے پہ بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھ چکے تھے اور اب کلاس ختم ہونے کے منتظر تھے کہ جہاں ایمان کے آنے کی خوشخبری سنانا چاہتی تھی وہیں افعان دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتا تھا، وہ دونوں اس بات سے بے خبر تھے کہ یہ دوستی بہت جلد محبت کا روپ دھار جائے گی۔

☆☆☆

کتنے ہی لمحے گزر چکے تھے اسے خبر نہیں ہو سکی، زندگی کی تمام رعنائیاں گویا اس کے لئے بے معنی ہو گئیں۔

''کچھ بھی نہیں ہے میرے لئے، افعان بھی اپنا نہیں رہا اور ایمان۔'' وہ رو دی۔

''میں کیا کروں کدھر جاؤں۔'' وہ آج بھی اسی بینچ پر بیٹھی رو رہی تھی مگر آج افعان کا کندھا میسر نہ تھا۔

بکھرتے وجود کی شکستہ حالی لئے وہ گھر لوٹ آئی، دل بہت بوجھل ہو رہا تھا ایک طرف ماں باپ کا اعتبار دوسری طرف افعان اور ایمان کا دکھ، وہ الجھ چکی تھی، سیدھا کمرے میں جانے لگی تو ماما نے آواز دی تو اس نے قدموں کو کچن کی طرف موڑ لیا۔

''زوشی پلیز بیٹا یہ سلاد بنا کر کے فریج میں رکھ دو اور فریش ہو جاؤ، دیکھو تو کیسی رف سی لگ رہی ہو۔''

''جب کوئی اپنا دور ہو جائے تو انسان بکھر کر رف سا تو لگا ہی ہے اور اگر دور کرنے والے بھی اپنے ہی ہوں۔'' سوچتے ہوئے اس نے ٹرے پکڑ لی۔

''زوشی آپی بیڈ نیوز سامی بھیا نہیں آ رہے۔'' ماما کے جاتے ہی عائشہ نے کہا۔

''کیوں؟''

''شاید آفس میں کوئی کام ہے، ویسے انہوں نے اسٹڈی مکمل ہونے پہ آپ کو مبارک دی کیا؟'' وہ بھی اس کی مدد کرنے لگی۔

''نہیں۔'' اس نے بہت دھیرے سے کہا۔

''آپی آپ خوش تو ہے نا؟'' وہ اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر بولی تو زوشی آنسو اندر اتار کر بولی۔

''ہاں خوش ہوں مائی ڈیئر ماما پاپا کی خوشی میں تو میری خوشی ہے۔'' وہ مسکرائی جبکہ عائشہ اس کے کرب کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

''زیکی آپی سہام بھائی بہت اچھے بہت ہیں کسی ہیرو کی طرح اور آپ دونوں بہت خوش رہو گے۔''

''ہوں۔'' وہ محض سر ہی ہلا سکی۔

☆☆☆

GSK انٹرنیشنل ائیر پورٹ کے پارکنگ الاٹ میں اپنی Blista compact سے نکلتے ہوئے اچانک ہی اس کی نظر Banshee سے نکلتے اس کپل کی طرف بڑی، لڑکی واقعی دیکھنے کے قابل تھی تو لڑکا بھی بے حد ہینڈسم تھا۔

لابی میں سہام پچھلے دس منٹ سے اس خوبصورت کپل کو محبتیں لٹاتا دیکھ رہا تھا، دونوں کی آنکھیں نم تھیں لیکن محسوس ہوتا تھا کہ نوجوان اپنے غم کو چھپانے میں کامیاب تھا حالانکہ اس کا غم محض اس لڑکی کی جدائی سے ہٹ کر بھی لگ رہا تھا۔

سہام اپنے سکریڑی جانسن کے ساتھ اناؤنسمنٹ ہوتے ہی اندر بڑھ گیا، ائیر پورٹ آنے کے بعد سے وہ اس کپل کو دیکھ رہا تھا، اب وہ الوداعی نظروں سے دیکھ کر جدا ہو رہے تھے۔

جہاز کو آسمان کی بلندیوں میں اڑتے ایک گھنٹہ گزر چکا تھا، گاہے بگاہے سہام سامنے والی سیٹ پر براجمان دیکھ رہا تھا، نشست سنبھالتے ہی وہ اس کی توجہ کا مرکز بن گئی تھی، دل بار بار اس لڑکی کو دیکھنے کو مچل رہا تھا، حالانکہ اس نے اپنی سی پوری کوشش جانسن سے باتوں میں بزی ہونے کی، مگر ناکام، تنگ آ کر اس نے آنکھیں موندھ لیں۔

پاکستان کی سرزمین پر اترنے تک وہ اس کی نظر میں رہی، وہ چاہ کر بھی نظر نہیں ہٹا پایا جبکہ اس نے ایک دفعہ بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا شاید وہ اس کے وجود سے قطعی ناواقف تھی۔

شیرٹن میں بکنگ آل ریڈی تھی سو جانسن کے سنگ وہ وہی چلے گے، اس لڑکی کے حوالے سے اپنی کیفیات کو وقتی جذبات کا نام دے کر اس نے بری طرح اسے ذہن سے جھٹک دیا۔

☆☆☆

گھر پہنچ کر ایمان نے حتیٰ المقدور خود کو

نارمل رکھنے کی کوشش کی اور کامیاب بھی رہی۔

''ایمان ایک دو دن ریسٹ کر لو پھر خود سائیٹ دیکھ لینا میں تمہارے ہی انتظار میں تھا کہ تم آؤ تو اپنی مرضی سے کام کرواؤ۔''

''اچھا بابا۔'' اس نے فرمانبرداری سے کہا اور کمرے میں آ گئی، لاکھ چاہ کر بھی وہ تمام باتیں ذہن سے محو نہیں کر پا رہی تھی کوئی کندھا بھی تو میسر نہ تھا۔

روتے روتے جانے کب نیند کی وادی میں اتر گئی صبح سحری وقت امی نے اٹھایا، روزہ رکھ کر پھر سے ایسا سوئی کہ ظہر وقت ہوش آئی، ہوش میں آتے ہی پھر وہی باتیں، زندگی جیسے بے معنی ہو کر رہ گئی تھی، اچانک کسی اپنے سے دور ہو جانا کتنا اذیت ناک ہوتا ہے دو دن میں اسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا وہ وقفے سے زوشی کا نمبر ڈائل کرتی رہی مگر کال پک نہیں کی گئی اس نے افعان کو کال ملائی۔

''بھائی پلیز میں ایک دفعہ زوشی سے بات کرنا چاہتی ہوں۔''

''ایمان تم رونا نہیں، وہ تم سے بات بھی کرے گی بلکہ واپس امریکہ بلوائے گی بھی بس ذرا یہ وقت کی دھند چھٹ لینے دو۔''

''وقت اتنا ظالم کیوں ہوتا ہے۔'' وہ پھر رو دی۔

''وقت کو بھی ظالم بنانے والے ہم خود یا ہم سے جڑے لوگ ہوتے ہیں لیکن کیا کیا جا سکتا ہے اور تم زوشی کی ٹینشن مت لو، میں رابطہ کروں گا سارا معاملہ کلیئر ہو جائیگا تم بس ریلیکس رہنا۔''

''لیکن بھائی اس کی تو انگیج منٹ ہو رہی ہے وہ آپ دونوں کی محبت...... بھائی آپ تو اسے ٹوٹ کر چاہتے ہیں آپ کیسے رہیں گے اس کے بغیر۔''

''اگر ہماری محبت کا امر ہونا بارگاہ رب العزت میں ہوا تو کوئی ہمیں ملنے سے قطعاً نہیں روک سکے گا لیکن اگر ایسا نہیں ہو سکا تو میں ہمیشہ کے لئے کینیڈا چلا جاؤں گا۔'' زوشی اور افعان کی جدائی پہ ایمان کے آنسو پھر سے بہنے لگے دل بھی تو اندر سے کرلا رہا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن پاپا نے آفس بلا لیا اور وہ سب کچھ ذہن سے جھٹ کر ڈرائیور کے ساتھ آفس چل دی مگر آفس میں داخل ہوتے ہی گلاس ڈور سے نظر آتے ایک چہرے کو دیکھ کر گویا دھڑکنیں تیز ہوئیں، وہ تو اس شخص کو اپنے غم میں بھلا چکی تھی، کتنی دفعہ اس نے اس شخص کو اپنے اپارٹمنٹ کے سامنے سے گزرتے دیکھا تھا اور انجانے میں ہی وہ دل کو بھا گیا، آج اس کو سامنے دیکھ کر اس کی کیفیات بہت عجیب ہو گئیں، ادھر سہام جس نے اس روز تو ایمان کو ذہن سے محو کر دیا مگر ابھی اسے آفس میں دیکھ کر دل کے جذبات پھر الگ رو میں بہنے لگے، ایمان کی نظروں میں بھی حیرانی تھی۔

''سہام بیٹا یہ ہے میری بیٹی ایمان اور ایمان یہ ہے سہام، تمہیں سہام کے ساتھ پہلے سارے معاملات حل کرنے ہونگے پھر سائیٹ وغیرہ بھی دیکھ لینا۔''

''ہاں تو سہام بیٹا آپ کتنے دن یہاں ہو۔'' ایمان سے بات کرتے ہوئے وہ سہام کی طرف پلٹے۔

''انکل زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کیونکہ عید کے روز میری منگنی ہے تو......''

''ماشا اللہ مبارک ہو۔'' وہ مسکرائے جبکہ ایمان کا یہ سن کر دل بکھر سا گیا، سب کچھ گویا ایک دفعہ پھر ختم ہو گیا۔

پھر دو دن تقریباً ایک ایک گھنٹہ ان کی میٹنگ ہوتی رہی رضا صاحب نے اگلے دن ان دونوں کو سائیٹ پہ جانے کے لئے تیار دیکھ کر وہ سہام سے رات افطاری پہ دعوت دے چکے تھے رستے میں بھی ان کے درمیان کام کے سوا کوئی بات نہ ہوئی، وہ بار بار زوشی کا نمبر ڈائل کر رہی تھی مگر بے کار۔

اس کا دھیان کہیں اور تھا اس بات کا اندازہ سامی کو سائیٹ پہ یہ ہوا کیونکہ وہ تو ضروری باتیں کر رہا تھا جبکہ اس کی توجہ ادھر تھی ہی نہیں کچھ دیر بعد وہ دونوں بینچ پہ بیٹھ گئے، سیل دونوں نے سینٹر میں رکھ دیئے دونوں کے سیل سیم تھے۔

''مس ایمان آپ اس سائیڈ والے حصے کو کس ترتیب میں بنوانا چاہتی ہیں۔'' چند پل خاموش رہنے کے بعد وہ اس حصے کو دیکھنے کے لئے اٹھ گئے، کافی ڈسکشن کرنے کے بعد جب وہ لوٹے تو مخالف نشست پہ تھے۔

''مس ایمان آپ مجھے افسردہ سی لگ رہی ہیں۔'' وہ بہت دھیرے سے بولا۔

''بہت گہری چوٹ لگے تو انسان دکھ کی لپیٹ میں آ ہی جاتا ہے۔''

''لیکن گہرے اعتبار ہی گہرے دکھ کا غماز ہوتے ہیں۔''

''لیکن وہ دیکھنے میں فلرٹ تو نہیں لگتا تھا۔''

''کک......کون؟''

''وہ جو ائیر پورٹ پہ آپ کو...... ایکچوئیلی میں نے آپ کو......''

''پلیز مسٹر سہام ہی از مائی برادر، آئی ڈونٹ نو وائے ہر شخص مجھے افعان سے اٹیچ کرتا ہے۔'' اس نے غصے سے سہام کو دیکھا اور سیل اٹھا کر تقریباً بھاگتے ہوئے گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

''ایمان...... ایمان...... ایمان...... میری۔'' اس نے آواز دی مگر وہ نہیں رکی اس نے سر ہاتھوں میں گرا لیا، اتنے میں سیل بجنے لگا۔

''افعان کالنگ۔'' ساتھ ہی افعان کی خوبصورت سی تصویر جگمگا رہی تھی اسے پہچاننے میں کوئی دقت نہیں ہوئی یہ وہی ائیر پورٹ والا لڑکا تھا، لگاتار کی کالز آئیں مگر اس نے پک نہیں کیں پھر میسج آ گیا۔

''مسٹر میں نے آج زوشی کو مارکیٹ میں دیکھا، وہ مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگی تمہارا رابطہ اس سے ہوا کیا؟ میسج دیکھ کر مجھے کال کرنا، کیونکہ میں شاید کل ہمیشہ کے لئے کینیڈا چلا جاؤں۔''

''زوشی، سہام یہ کیا؟'' اس نے یونہی کالنگ پریس کیا تو ڈائیلڈ نمبر میں زوشی کا نمبر اور تصویر اس کے سامنے تھی۔

☆☆☆

شام ایمان کے گھر افطاری سے قبل جب پہنچا تو سیل دیتے ہوئے معذرت بھی کر لی۔

''اٹس او کے۔'' اس نے نارمل لہجے میں کہا مگر لفظوں میں تکلف کا عنصر بھی تھا چند دن ہی میں ایمان اس کے دل کے اسقدر قریب ہو چکی تھی کہ وہ اس کی گویا رگ رگ سے واقف ہو چکا تھا، اس وقت بھی الفاظ میں دکھ اس نے محسوس کر لیا مگر کہا کچھ نہیں وہ سوچ چکا تھا اب کرنا کیا ہے، نماز مغرب ادا کر کے جب رضا صاحب کے ساتھ واپس آیا تو وہ لان میں نظر آئی کہ اس کے ہاتھ میں سیل تھا ارادتاً اس نے بھی سیل نکالا اور رضا صاحب کو ایکسکیوزمی کہہ کر ایمان کے برابر مگر کچھ فاصلے پہ کھڑے ہو جھوٹ موٹ کال کرنے لگا۔

''کیسی ہو زونائشہ۔'' ایمان نے چونک کر ادھر دیکھا۔

''ہاں میں بھی ٹھیک ہوں تم سناؤ گھر میں منگنی کی تیاری کہاں تک پہنچی۔''

''سہام۔'' ایمان کے ذہن میں گھنٹی سی بجی۔

''اوہ گاڈ۔''

''آپ زوشی کے کزن سہام ہو۔'' اگلے ہی لمحے وہ اس تک رسائی پا چکی تھی۔

''ہاں۔'' اس نے سیل پاکٹ میں رکھا۔

''آپ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو، نہیں آپ دونوں کو محبت نہیں کرنی چاہیے آپ زوشی کے لئے نہیں ہو، آپ آپ زوشی سے محبت نہیں کرتے۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب کو چھوڑیں آپ یہ بتائیں آپ کس سے محبت کرتے ہیں؟'' بھائی کی محبت کی تکلیف کے ساتھ اپنی محبت کی بے قراری یہ بے خودی اس قدر تھی کہ اس نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

''کسی سے محبت کرتے ہیں۔''

''آپ سے۔'' جھنجھوڑتے ہاتھ لمحے کے ہزارویں حصے ساکت ہوئے۔

☆☆☆

''آپ سے۔'' دو دن سے یہ دو لفظ گویا ہر لمحہ سماعتوں سے ٹکراتے رہے۔

''چیٹر۔'' زونائشہ کی بے اعتباری اور تیر بھی یاد آنے لگے۔

''ایمان میں کل واپس جا رہا ہوں لیکن پلیز ایک دفعہ مجھ سے مل لیجئے۔'' صبح سے کئی دفعہ اس کا میسج آ چکا تھا۔

''نہیں ملونگی آپ سے میں ایک دفعہ پھر سے لوز کریکٹر نہیں کہلانا چاہتی۔'' تنگ آ کر اس نے ریپلائی کیا، اب تو سہام کا اصرار اور بڑھ گیا آخر اسے ملنا ہی پڑا۔

''پلیز ایمان آپ مجھے ساری بات بتا دیں جو بھی جیسی بھی ہے آخر ہم چار لوگ ایک ساتھ ہیں افعان اور زوشی کا کیا تعلق ہے، افعان نے میرے متعلق کیا کنفرم کیا وہ کینیڈا کیوں جا رہا ہے۔''

''ایم سوری میں کچھ نہیں بتا سکتی۔''

''پلیز ایمان۔''

''لیکن آپ جاننا کیوں چاہ رہے ہیں۔''

''پلیز ایمان آپ کو افعان کی قسم۔''

''کیا بتاؤں میں یہ کہ زونائشہ اور افعان ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔''

☆☆☆

عید کا چاند نظر آ گیا تھا پاکستان کی طرح یہاں کوئی گہما گہمی نہ تھی، سہام اور زوشی کی فیملی اس وقت عید کا چاند دیکھ کر دعا کر رہے تھے، زوشی نے فقط ہاتھ اٹھائے مگر مانگا کچھ نہیں۔

سب نوافل سے فارغ ہوئے تو چاند رات منانے پاکستان مارکیٹ چل دیئے زوشی خوش نظر آنے کی مکمل سعی میں تھی سامی اسے چوڑیوں والے سٹال پہ لے گیا وہ مختلف سیٹ دیکھنے لگی۔

''او واؤ واٹ آ پلیزنٹ سرپرائز کیسے ہو افعان یار، بہت بہت چاند رات مبارک۔'' پاس ہی سے سہام کی آواز سنائی دی افعان کے نام اور آواز پر اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔

''او...... ایمان بھی ہے، تم تو پاکستان چلی گئی تھی نا۔'' ایمان کے نام پر چونک کر اس نے ادھر دیکھا، وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے مسکرا رہے تھے۔

''ہاں چند دن قبل آتی ہوں اور ویسے بھی منگنی میری یہاں ہونی ہے تو میرا پاکستان کیا کام۔''

''ہاں سو تو ہے، اس سے ملو زونائشہ میری

ہونے والی منگیتر اور زوشی یہ ہے افعان اور ایمان، ان کی بھی عید کے روز ہی منگنی ہے۔''

''منگنی۔'' اسے گویا ہر چیز ہوا میں معلق نظر آنے لگی۔

☆☆☆

عید کے دن ظہر کے بعد ان کی منگنی کی رسم تھی سب یہیں تھے کافی ہلا گلا جاری رہا، عائشہ تقریباً زوشی کو تیار کر چکی تھی۔

اس نے جان بوجھ کر دونوں پر الزام لگایا ان کے دل سے نکلنے کے لئے مگر اب وہ اب ان دونوں کو دیکھ بھی رہی تھی تو کس حالت میں۔

کچھ ہی دیر میں جب وہ عائشہ کے سنگ باہر نکلی تو ایمان پہلے ہی سے وہاں اسی کی طرح کا ڈریس زیب تن کیے مسکرا رہی تھی۔

''سرپرائز، ایمان اور افعان کی منگنی بھی یہیں ہو رہی ہے ہمارے ساتھ۔'' سہام نے کہا تو کچھ نہ کہہ سکی، کہنے کو کچھ تھا بھی نہیں، انہوں نے لاؤنج ہی میں چھوٹا سا اسٹیج تیار کیا تھا۔

وہ خاموشی سے وسطی کرسی پہ ایمان کے ساتھ بیٹھ گئی، کچھ ہی دیر میں تمام رشتہ دار ادھر آگئے، اس کے ہاتھ میں انگوٹھی ڈالی جا چکی تھی کس نے ڈالی یہ اس نے دیکھا تک نہیں، گو کہ آنکھیں بند تھیں مگر سماعتوں کے رستے مبارک مبارک کی آواز بخوبی سن سکتی تھی۔

''مستقبل کی مسز افعان آنکھیں کھولیں، ضروری نہیں زندگی کی ہر حقیقت تلخ ہو۔''

پہلو سے افعان کی آواز ابھری ایک جھٹکے اس نے آنکھیں کھولیں اک پل خواب سا گماں گزرا، مگر اس کی مسکراہٹ اس قدر مکمل تھی کہ بے ساختہ اس نے سامی کو دیکھا جس کی بھی مسکراہٹ ایمان کو دیکھتے ہوئے بہت پرسکون تھی، وہ حیران کن آنکھوں سے ہر کسی کو دیکھ رہی تھی۔

''آنکھیں پٹپٹانا بند کرو۔'' اب کہ پھر افعان بولا سہام مسکرا دیا، وہ اس کی کنڈیشن سمجھ رہا تھا۔

اگر بروقت وہ ساری بات ایمان سے پوچھ کر گھر والوں کو زوشی اور افعان کے لئے راضی نہ کرتا تو یقیناً چار زندگیاں خوشیوں سے محروم رہ جاتیں، اپنے گھر والوں کو راضی کرنے کے لئے اس نے ہر کوشش کی اور آخر منا ہی لیا ادھر زوشی کی زبان کو تو گویا تالا لگ چکا تھا مگر سوچ کے گھوڑے سرپٹ دوڑ رہے تھے اور یہ تب رکے جب سب ریفریشمنٹ میں مشغول ہو گئے، بیشتر کہ وہ کچھ کہتی زوشی اور سامی کے بابا ادھر آگئے۔

''بیٹا صدا خوش رہو۔'' انہوں نے گویا دل سے دعا دی۔

''زوشی بیٹا نیکسٹ کوئی بھی بات ہو تو اپنے بابا سے ضرور شیئر کرنا میں تو سامی کا شکر گزار ہوں جس نے مجھے غلط فیصلہ کرنے سے بچا لیا۔'' اس نے سر جھکا لیا۔

''یہ سب کیا ہے؟'' سب کے جاتے ہی اس نے تینوں کو گھورا۔

''اسے کہتے ہیں ''عید آئی خوشیاں اوڑھ کر۔'' تینوں یک زبان بولے، اسے تو تینوں سے ایک ہی جواب مل گیا تھا مگر اب اس کی باری تھی اور منٹ کے اندر اندر تینوں نے اس سے اتنے سوال پوچھ ڈالے کہ وہ بے ساختہ سر کھجانے لگی مگر مطمئن تھی کہ افعان کو پا کر وہ ہر سوال کا جواب دے سکتی تھی، یہ عید واقعی خوشیاں اوڑھے اس کی نہیں بلکہ سب کی چوکھٹ پہ آئی تھی۔

☆☆☆

"بوا! افطاری تیار ہو گئی ہے۔" نزہت نے ڈھیر سارے شاپنگ بیگز صوفے پر ڈھیر کرتے ہوئے کہا تھا، آج اس نے اتنی شاپنگ کی تھی کہ روزے کے ساتھ جسم کا انگ انگ دکھنے لگا تھا۔

"ہاں بیٹا سب کچھ تیار ہے، میں اب عصر کی نماز پڑھ لوں وقت نکلا جا رہا ہے۔" بوا کچن سے باہر آتے ہوئے بولی تھیں، وہ وہیں صوفے پر ڈھیر ہو گئی تھی، شاپنگ نے اسے اتنا تھکا دیا تھا کہ اب عصر کی نماز پڑھنے کی بھی ہمت نہ ہو رہی تھی، پھر وہ تبھی وہاں سے اٹھی تھی جب تک روزہ افطار نہیں ہو گیا تھا، بوا نے میز چن دی تھی اور وہ نڈھال سے انداز میں آ کر روزہ افطار کرنے لگی تھی۔

"بیگم صاحبہ شاپنگ ختم ہو گئی یا ابھی کچھ باقی رہتا ہے۔" فائق نے افطاری کے بعد اسے چھیڑتے ہوئے کہا تھا۔

"بس افراح کے اور میرے شوز رہ گئے ہیں اور میچنگ جیولری۔" نزہت جلدی سے بولی تھی۔

"اوہ اس کا مطلب ہے ابھی کافی کچھ رہتا ہے۔" فائق نے کہا تھا کیونکہ وہ نزہت کی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھا اسے کسی ایک چیز کی ضرورت ہوتی اور وہ بازار جاتی تو وہاں کئی کچھ یونہی پسند آ جانے پر خرید لیتی اور پھر جس چیز پر دل اور نظر ٹھہر جاتے وہ اس پر کسی قسم کا کمپرومائز نہیں کرتی تھی، فائق نے بھی اس پر کبھی بے جا پابندی نہ لگائی تھی اور یہاں بات تھی سارے پیسے کی، فائق کا اچھا بزنس تھا وہ پیسوں میں کھیل رہا تھا، اس لئے نزہت بھی جی بھر کر پیسہ اڑاتی تھی اور بعد میں اس کو شوق کا نام دے دیتی تھی۔

"کافی کچھ نہیں بس تھوڑی چیزیں ہی رہتی ہیں۔" نزہت، فائق کی بات کا مطلب نہیں سمجھی تھی اس لئے جلدی سے بولی تھی۔

"میرا مطلب بھی تھوڑی چیزوں سے ہی ہے۔" فائق نے اسے پھر چھیڑا تھا۔

"آپ بھی نا بس۔" فائق کے چہرے پر ناچتی شریر سی مسکراہٹ دیکھ کر وہ جھینپ سی گئی تھی۔

☆☆☆

"نزہت کی تیاری تو عید پر سب سے زیادہ ہوتی ہے، اس جیسا لباس اور چیزیں تو کوئی نہ خرید سکتا ہے نہ پہن سکتا ہے۔" رملہ اور آصفہ افطاری پر اس کے گھر آئی ہوئی تھیں اور اب باتوں ہی باتوں میں اسے چڑھا رہی تھیں کہ وہ اپنی شاپنگ انہیں دکھا دے۔

نزہت اتنی بھی بچی نہیں تھی کہ ان کی باتوں میں آ جاتی اور اپنی خریدی ہوئی ساری چیزیں انہیں دکھا دیتی اور وہ اس کی چیزوں کی کاپی کر لیتیں اور پھر جب کلب میں عید ملن پارٹی ہوتی تو نزہت کو کوئی پوچھتا بھی نہ، ہر عید کی طرح اس عید پر بھی وہ سب سے جدا اور سب سے منفرد و حسین نظر آنا چاہتی تھی، بے شک عید ملن پارٹی ایک دن رہتی تھی مگر اس کے چرچے مہینوں سنائی دیتے رہتے تھے۔

"اب ایسے تو نہ کہو تم لوگوں کی تیاری بھی کون سا کم ہوتی ہے۔" نزہت نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

"ہماری تیاری اپنی جگہ مگر تمہاری تو بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔"

"چھوڑو میری تعریفوں کو، آصفہ تم بتاؤ تم روزے کیوں نہیں رکھ رہی ہو۔" اس نے بات کا رخ بڑی مہارت سے بدلا تھا ورنہ رملہ سے کوئی بعید نہ تھا اس سے چیزیں دیکھ کر ہی رہتی۔

"یار تمہیں تو پتہ ہے مجھے کتنی ویکنیس ہے، اچانک ہی میرا بی پی لو ہو جاتا ہے، سارا دن فریش جوسز پیتی رہتی ہوں، ایسے میں پورے دن کا روزہ کیسے رکھ سکتی ہوں۔" آصفہ نے لہجے اور انداز میں بے چارگی اور ایک ان دیکھی بیماری سموتے ہوئے کہا تھا۔

"ایسے کہو سارا دن فریش جوسز اسی لئے پیتی ہو کہ تمہاری اسکن چمکتی رہے جس کی تمہیں بے حد فکر ہے، روزے سے بھی زیادہ۔" رملہ نے نزہت کو اصل بات پر نزہت قہقہہ لگا کر ہنس پڑی تھی اور آصفہ محض اسے گھور کر رہ گئی تھی آصفہ نے تو رملہ کی بات کی تردید کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا، وہ اور اس جیسے کی لوگ بلاوجہ روزہ چھوڑ دیتے ہیں اور جس پر انہیں ذرا بھی افسوس نہیں ہوتا۔

"نزہت بیٹا باہر وہی کل والی عورت آئی ہے جس کا بچہ بیمار ہے۔" بوا نے ڈرائینگ روم کا دروازہ کھول کر نزہت سے کہا تھا۔

"تو بوا میں کیا کروں پھر۔" نزہت کے ہنستے مسکراتے چہرے پر ایک دم بیزاری عود کر آئی تھی۔

"وہ کہہ رہی ہے کچھ مدد کر دیں، آپ نے فطرانہ بھی نکالنا ہے، فطرانہ ہی دے دیں وہ اپنے بچے کا علاج کروا لے گی، بے چاری کافی مجبور نظر آ رہی ہے۔" بوا اس عورت کی باتیں سن کر آئی تھی اور اسے اس پر کافی ترس بھی آیا تھا، اس نے اپنی طرف سے جو اس کے پاس تھا تھوڑا بہت دے دلا دیا تھا اور اب نزہت کو اس کا فرض یاد دلانے آئی تھی۔

"چھوڑو بوا ان لوگوں کی بہانے بازیاں، بس تم اسے ٹال دو اس وقت۔" نزہت نے بے زاری سے کہا تھا، بوا خود نزہت کی ملازمہ تھی وہ اسے کیا کہہ سکتی تھی بے چاری دکھی دل سے وہاں سے پلٹ آئی تھی۔

"ان غریب لوگوں کو تو لوٹنے کا بہانہ چاہیے کبھی زکوۃ کے نام پر، کبھی فطرانے کے نام پر بندہ پوچھے سارا سال کچھ نہ کچھ تو ہم دیتے رہتے ہیں اب اور کیا کریں۔" نزہت نے کہا تھا اور رملہ اور آصفہ نے سر ہلا کر اس کی بات کی تائید کی تھی۔

امین وطن

مبشرہ ناز

☆☆☆

عید کا دن پوری آب و تاب سے طلوع ہوا تھا، نزہت صبح سے ہی اٹھ گئی تھی اور چھوٹے موٹے کاموں سے فارغ ہو کر اب اپنے کمرے میں تیار ہونے چل دی تھی، افراح کو اس نے پہلے ہی تیار کر دیا تھا، وہ پری کی طرح اپنی خوبصورت اور جھلملاتی فراک میں پورے گھر میں اڑی پھر رہی تھی، بس کچھ دیر میں ہی مہمانوں گی آمد شروع ہونے والی تھی، ان کے زیادہ عزیز چونکہ شہر میں ہی رہتے تھے اس لئے عید کا سارا دن ملنے ملانے میں ہی گزر جاتا تھا، وہ لباس بدل کر جلدی جلدی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی میک اپ کر رہی تھی جب اچانک افراح کی چیخوں سے سارا گھر گونج اٹھا تھا۔

لپ اسٹک اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے جا گری تھی، وہ دیوانہ وار باہر کی طرف بھاگی تھی اور باہر کا منظر اس کا دل دہلانے کو کافی تھا سیڑھیوں کے قریب افراح اوندھی پڑی تھی اور اس کے سر سے خون نکل کر زمین پر گر رہا تھا، افراح کے سر سے اس طرح خون نکلتے دیکھ کر اس کے منہ سے بے ساختہ چیخیں نکل گئی تھیں۔

فائق بھی بھاگتے ہوئے اس تک پہنچا تھا اور پھر اس نے لمحوں کی دیر کئے بغیر افراح کو گاڑی میں ڈالا تھا اور گاڑی ہاسپٹل کی طرف دوڑا دی تھی۔

عید کی وجہ سے سب پرائیویٹ ہاسپٹل بند تھے ناچارا سے ایک سرکاری ہسپتال میں افراح کو لے جانا پڑا تھا جہاں ایمرجنسی پر موجود ڈاکٹر بھی بڑی مشکل سے ملا تھا، تب تک نزہت کا رو رو کر برا حال تھا، اس کی اکلوتی بیٹی اس حالت میں تھی اس کا دل کر رہا تھا چیخ چیخ کر ساری دنیا کو ہلا دے، پھر اسے بے ساختہ ہی خدا یاد آیا تھا، اس نے دل ہی دل میں کتنی دعائیں مانگ ڈالی تھیں اور کتنی آیتیں پڑھ پڑھ کر افراح پر پھونکی تھیں، افراح کے سر کا زخم گہرا تھا مگر شام تک اسے ہوش آ گیا تھا اور اس کی حالت خطرے سے باہر تھی، مگر تب تک فائق اور نزہت کی جان بھی سوکھ کر آدھی رہ گئی تھی، عید کا سارا دن روتے دھوتے اور دعائیں مانگتے گزر گیا تھا، افراح کی تکلیف ہی ایسی تھی کہ نہ عید یاد رہی تھی اور نہ ہی عید کی خوشیاں، ایسے میں نزہت کو احساس ہوا تھا کہ خود پر بے جا اسراف کرنا ہی اصل خوشی نہیں ہے بلکہ اس دن کسی دکھی کسی غریب کی مدد کرنا اور خدا کے بخشے ہوئے روپے پیسے سے صدقہ و خیرات نکالنا ہی بھلائی ہے، تاکہ جو خوشی انہیں حاصل ہے دوسرے لوگ بھی اس کا مزہ چکھ سکیں اسی لئے خدا نے فطرانہ نکالنے کا حکم دیا ہے تاکہ ان پیسوں سے بہت سوں کا بھلا ہو سکے اور ان پیسوں کے صدقے آپ پر آئی مصیبتیں بھی ٹل سکیں۔

☆☆☆

''بوا آپ اس عورت کو جانتی ہیں وہ کہاں رہتی ہے جو اس دن اپنے بیمار بچے کے لئے پیسے مانگنے آئی تھی۔'' افراح کو ہوش آتے ہی نزہت کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔

''ہاں یہیں قریب ہی رہتی ہے۔''

''پھر آپ یہ اسے دے آئیں پتہ نہیں بے چاری کو کتنی ضرورت ہو۔'' نزہت نے ہزار ہزار کے کئی نوٹ بوا کے ہاتھ میں تھمائے تھے اور نم آنکھوں سے افراح کا منہ چومنے لگی تھی۔

☆☆☆

احسن نے بڑا سا برگر کا لقمہ لیا، ٹانگیں صوفے پہ دراز کیں اور پھولے ہوئے منہ سے اٹک اٹک کر کہنے لگا۔

''کس...... کس پاکستان کی بات کر رہی ہیں دادی آپ، کیا خاص بات ہے جو ہم اس کی فکر میں دبلے ہوتے رہیں کیوں فکر یا پرواہ کریں اس کی ہوں، پتا نہیں آپ ہمیں یہ ایک لفظ ''پاکستان'' شاید گھول کر پلانا چاہتی ہیں یا پھر ہماری برین واشنگ کر کے ہمیں خبطی بنانا چاہتی ہیں جو سر پہ جھنڈا باندھ کر ''میرا پاکستان، میرا پاکستان'' کی گردان کرتے نہیں تھکتے۔'' چودہ سالہ احسن نے اپنے ذہن کی تلخی لفظوں میں گھول کر دادی کے سپرد کی جو آج ایک بار پھر پاکستان کی محبت میں اس کا ذکر چھیڑ بیٹھیں تھیں، رحیمہ بی بی نے افسوس ناک تاثرات سے اپنے پوتے کو دیکھا اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولیں۔

''کاش بیٹا کاش تم نے اصل پاکستان دیکھا ہوتا، کاش!''

''دادی! اب بس بھی کریں ناں ایک آپ اور ایک آپ کا یہ پاکستان!'' احسن نے تیز لہجے میں کہتے ہوئے نخوت سے سر جھٹکا۔

''دیکھا ہے میں نے بہت اچھی طرح دیکھا ہے آپ کا پاکستان بہت ہی خوبصورت ہے ماشاء اللہ اس کے لوگ سبحان اللہ، انسانیت کا نمونہ ہیں سلام پیش کرتا ہوں اب خوش۔'' احسن نے باقاعدہ سلیوٹ مارتے ہوئے رحیمہ بی بی پہ طنز کی بوچھاڑ کر دی، رحیمہ بی بی کچھ دیر احسن کو یونہی دیکھتی رہی پھر پرنم آنکھوں سے کہنے لگیں۔

''احسن تم نے ابھی پاکستان دیکھا کہاں ہے تم نے...... تم نے تو میرا پاکستان دیکھا ہی نہیں۔'' آنسوؤں کا گولہ ان کے حلق میں اٹکنے لگا۔

''احسن کتنی غلط بات ہے شرم نہیں آتی بوڑھی دادی کو رلاتے ہوئے۔'' دروازے سے آتی رانیہ، رحیمہ بی بی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ چکی تھی جبھی اس نے احسن کو لتاڑا تھا، مگر احسن اس وقت ہر چیز سے بے نیاز ہو چکا جبھی اس نے بھنویں اچکا کر کہا۔

''اچھا آپ کا پاکستان تو آپ کسی اور پاکستان کو جانتی ہیں جہاں لوگ ایک دوسرے کے دشمن نہیں جہاں لوگ ملک کے دشمن نہیں جہاں محبت ہی محبت ہے، ایثار ہی ایثار ہے حب الوطنی سے بھرا ہوا پاکستان۔'' احسن نے طنزیہ انداز میں پوچھا اور پھر سے برگر کا نوالہ لے کر اسے چبانے میں مصروف ہو گیا۔

''احسن!'' رانیہ نے اسے پھر سرزش کی تو رحیمہ بی بی نے اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کے اسے خاموش کروا دیا۔

''ہاں میں جانتی ہوں ایسے پاکستان کو۔'' رحیمہ بی بی نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔

''ہوں...... تو کبھی دکھائیں ناں مجھے بھی۔'' برگر کا نوالہ نگل کر احسن نے لاپروائی سے کہا۔

''بلکہ آج ہی دکھائیں اپنا وہ پاکستان آج تو ہے بھی 14 اگست تو آج مجھے اپنا پاکستان بھی دکھا دیں جسے سن سن کر میرے کان پک گئے ہیں۔'' احسن نے دادی کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''چلو۔'' رحیمہ بی بی نے مختصر سا جواب دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی احسن نے حیرت سے منہ کھول دیا جبکہ رانیہ اپنی جگہ حیران کھڑی تھی وہ تو اس پاکستان کے ذکر کو محض بحث سمجھ رہا تھا تو کیا واقعی دادی آج بھی کسی ایسے پاکستان سے واقف ہیں، اس نے ایک لمحے سامنے کھڑی رانیہ کو دیکھا، ایک چیز جو ان دونوں کے چہرے پہ یکساں تھی وہ تھا سکون جو ان کے چہروں پہ چاند کی ٹھنڈی روشنی کی طرح پھیلا ہوا تھا، احسن بے اختیار اٹھا اور دادی جان کے پیچھے پیچھے چل دیا، وہ اوپر کے پورشن کی سیڑھیاں اتر کر نیچے کی طرف جا رہی تھیں اور احسن کی سمجھ سے یہ بات بالاتر تھی کہ وہ نیچے اسے کون سا پاکستان دکھانے لے جا رہی ہیں لیکن وہ خاموش رہا، دادی جان نے نیچے کے پورشن میں پہنچ کر اپنے دوپٹے کے پلو سے بندھی گرہ کھولی اور قیمتی متاع کی طرح بندھی ہوئی چابی باہر نکالی تھی احسن ان کے عمل پہ حیران رہ گیا کیونکہ وہ آج تک دوپٹے کے پلو میں بندھی گرہ سے نہ صرف انجان تھا بلکہ اس میں بندھی چابی تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی، دادی نے دروازے سے منسلک کھڑکی سے جھانکا تو اندرونی حصہ ہنوز شکستہ حالت میں تھا، وہ اندر بڑھ گئیں احسن بھی خاموشی سے اندر آ گیا اس کے پیچھے رانیہ بھی آ گئی تھی، پورشن کا اندرونی حصہ گرد سے اٹا ہوا تھا شیشے ٹوٹ چکے تھے بس کھڑکیوں کے ساتھ چند کرچیاں جڑی رہ گئی تھیں دروازہ لکڑی کا تھا جسے آدھے سے زیادہ دیمک چاٹ چکی تھی، دادی جان کچھ دیر بورڈ کو گھورتی رہیں پھر اداس مسکراہٹ چہرے پہ لئے دروازے کو دھکیلتے ہوئے اندر داخل ہو گئیں، پیچھے احسن اور رانیہ جیسے خواب میں چل رہے تھے، رحیمہ بی بی آگے بڑھیں اور ایک ٹوٹی پھوٹی کرسی کی پشت پہ ہاتھ پھیر کر آہستہ سے کہنے لگیں۔

''یہ...... یہ ہے میرا پاکستان۔'' احسن نے پہلے دادی کو حیرت سے دیکھا پھر پورشن کے بوسیدہ ساز و سامان پہ نظر دوڑائی، دادی ابھی تک کرسی کی پشت پہ ہاتھ پھیر رہی تھیں جیسے وہ ان کا کوئی پالتو جانور ہو۔

''پتا ہے بیٹا جب میں پہلی بار یہاں آئی تھیں تقریباً 65 سال پہلے جب بھی یہاں کی یہی حالت تھی بالکل ایسی ہی۔'' دادی جیسے پھر سے 65 سال پہلے کے زمانے میں پہنچ گئی تھیں۔

☆☆☆

''جولائی کا مہینہ اپنے اختتام پر تھا، ضلع گورداسپور کے ہر فرد کا چہرہ آزاد وطن کے تصور سے ٹمٹما رہا تھا، لے کے رہیں گے پاکستان، بن کے رہے گا پاکستان کے نعرے نے حقیقت کا روپ دھار لیا تھا، ہمارے آنکھوں میں خوشیوں کے بسیرے تھے، اپنے وطن اور اپنے گھر کی خوشی ہر چہرے سے چمک رہی تھی، لیکن آنکھوں میں ہندو اور سکھوں کا خوف بھی چھپا تھا، رمضان کا آخری عشرہ شروع ہو چکا تھا، ہماری بے چینیوں اور مشکلات میں اضافہ ہونے لگا، ایک رات جب شدید آندھی چل رہی تھی، بادل زور سے گرج برس رہے تھے اچانک ہندو اور سکھوں نے کیل کانٹوں سے لیس ہو کر ہمارے گاؤں پہ دھاوا بول دیا موسم کی سختی ایک طرف ہندوؤں کا حملہ ہم پر دوہری آزمائش ثابت ہوا، میری رخصتی کو ابھی چھ دن ہوئے تھے، ابھی میں میکے واپس بھی نہیں گئی تھی، حملہ کے وقت ہر کوئی بھاگ گیا کوئی چھپ گیا، ہم نے بھی چھپ چھپ کر جان بچائی جان تو بچ گئی مگر میرا دل انجانے خدشوں اور وسوسوں کا شکار رہنے لگا آنسو ہر وقت بہنے کو تیار رہتے مجھے خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میری ایسی کیفیت کیوں ہے، یہ مجھے بعد میں پتا چلا کہ پٹیالہ میں جہاں میرا میکہ تھا ہم سے پہلے وہاں حملہ ہوا تھا اور میرے والد، بہن بھائیوں کے ساتھ چچا کے خاندان کے بائیس افراد کو ہندوؤں نے شہید کر دیا تھا جس کی وجہ سے میرا دل انہونی کا شکار رہنے لگا تھا، جس وقت حملہ زیادہ شدید ہو

گیا تو سب کہنے لگے آج نہیں بچیں گے لیکن قدرت کو ہماری آزمائش اور زندگیاں مقصود تھیں جبھی شب قدر میں ہم آنسوؤں سے وضو کر کے کچی زمین پہ ہی سجدہ ریز ہو جاتے، ہندوؤں نے بہت سے لوگوں کو تو شہید کر دیا تھا اور بہت سے لوگوں کو یرغمال بنا لیا تھا، ہمیں بھی ہندوؤں نے اسلحے کے زور سے بٹھایا ہوا تھا اور ہمارے ایمان سے متاثر ہونے کے باوجود ہر روز ہمیں کہتے کہ ہندو بن جاؤ، ہم نے کہا ہم ہندو نہیں بنیں گے ہندو کہنے لگے ہم تمہیں مار ڈالیں گے تمہیں موت سے خوف نہیں آتا ہم نے کہا مارنا ہے تو مار دو ہم ہندو نہیں بنیں گے دین کے لئے مریں گے تو شہید ہو جائیں گے جب ہندوؤں نے دیکھا کہ مسلمان تو موت سے ڈرتے نہیں تو انہوں نے اپنا سازشی حربہ استعمال کرنا شروع کیا ایک ہندو نے ہمیں اپنے حملہ کرنے والے ساتھیوں سے چھڑایا اور میرے سسر اور شوہر کو ہم دونوں یعنی مجھے اور میری نند کو مجھے بھاگ جانے کا مشورہ دیا لیکن ہم بھاگ کر جاتے کہاں نہ زمین اپنی تھی اور نہ آسماں اس پر مستزاد زمینی آفت کے ساتھ ہم آسمان سے برستے ابر رحمت کے تھمنے کا منتظر رہتے، اس ہندو نے ہم تمام عورتوں کو ایک کمرے کے گھر میں لے جا کر بند کر دیا اور مردوں کو باہر ہی چھوڑ دیا اب ایک خوف یہ بھی لاحق تھا کہ کہیں یہ ہمارے مردوں کو نہ جان سے مار دیں کیونکہ تمام زمینی راستوں پہ ہندو اور سکھ دھرنا مار کے بیٹھے ہوئے تھے، ٹرینوں کے علاوہ انہوں نے چٹیل میدانوں کو بھی قتل گاہ بنا دیا تھا، جا بجا لاشیں بکھری ہوئی تھیں، دو دن بھوکے پیاسے رہنے کے بعد اس ہندو نے نہ صرف ہمیں رہا کر دیا بلکہ ان محفوظ راستوں کا پتا بھی دے دیا جہاں اسے ہندو اور سکھوں کی غیر موجودگی کا یقین تھا، ہم پچاس افراد پر مشتمل یہ قافلہ اس کے بتائے ہوئے راستے پہ چل پڑا دل ان راستوں پہ چلتے ہوئے وسوسوں کا شکار تھا کیونکہ ہمیں اس بات پر زیادہ یقین تھا کہ ہندو ہمیشہ چھپ کر وار کرتا ہے اور اس نے ہمیں کہیں ان راستوں کا پتا نہ دے دیا ہو جو اس کے ساتھیوں کی شکار گاہ تھا لیکن جس طرح سب مسلمان نیک نہیں ہوتے اسی طرح سب ہندو بھی برے نہیں ہوتے وہ ہمارے ساتھ مخلص تھا جبھی اس نے چلتے وقت ہمارے سروں پہ ہاتھ رکھ کر ہمیں حفاظت کی دعا دی تھی، یہی اس کی سچائی کی سب سے بڑی دلیل تھی جو ہم سمجھ نہ سکے تھے، پھر ہم شہر در شہر سفر کر کے ایک کچے علاقے میں جا پہنچے وہ علاقہ کم ایک میدان زیادہ تھا میرے سسر اور شوہر نے دیگر مردوں کے ساتھ مل کر تھوڑے فاصلے پر بنی مسجد کے امام صاحب سے جا کر راستہ اور دیگر معلومات حاصل کیں واپسی پر ان لوگوں کے ساتھ ایک اجنبی شخص کو دیکھ کر ہم سب ٹھٹک گئے جب وہ شخص قریب آیا تب معلوم ہوا کہ وہ شخص جسے ہم سب اجنبی سمجھ رہے تھے وہ میرا بھائی تھا، خاندان کے بائیس افراد کی شہادت کے بعد ایک بھائی کو زندہ دیکھ کر مجھ پر سکتہ طاری ہونے لگا مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میرا ماں جایا میرے سامنے ہے، میرے شوہر نے اسے میرے قریب لا کر کھڑا کر دیا میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے چھوا اور پھر میں خود پہ قابو نہ رکھ سکی تھی ہم دونوں ایک دوسرے سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے، وہ سارے آنسو جو اندر ہی کہیں جم گئے تھے بھائی کو سامنے پا کر نکلتے چلے گئے، یہاں ہمیں جو بھی امداد ملی تھی وہ بہت تھوڑی تھی لیکن سرحد تک پہنچنے کے لئے ہمیں اسی پہ گزارا کرنا تھا، یہاں پانی کی بھی بہت شدید قلت تھی لیکن ہم نے ٹین کے

چھوٹے چھوٹے ڈبے میں پانی رکھ لیا، عورتوں اور بچوں کو بیل گاڑی پہ سوار کر دیا تھا اور مرد خود پیدل چلنے لگے، آٹھ دن کا سفر ہم نے پانی کے چند گھونٹ سے اور مکئی کے چند دانے پھانک کر گزارا کیوں کہ راستے میں کہیں پانی نہ تھا جو کنوئیں، دریا اور جوہڑ وغیرہ ملے ہندو اور سکھوں نے اس میں زہر ملا دیا تھا، آٹھ دن بعد جب ہم سرحد کے قریب بنے ایک کیمپ میں پہنچے تو میرے سسر بے تحاشا کمزوری و بھوک اور نڈھال ہونے کے باعث خالق حقیقی سے جا ملے آٹھ دن کا یہ سفر نڈھال، کمزور اور بے بس لوگوں کو ایک نئی طاقت دے گیا جب ہم پاکستان کے بارڈر پہ پہنچے بارڈر کیا تھا بس ایک لکیر تھی جس کے ایک طرف پاکستان تھا اور دوسری طرف ہندوستان، لوگوں نے نعرے لگانے شروع کر دیئے پاکستان زندہ باد، آ گیا ہمارا پاکستان، اب ہمیں اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ اب ہماری جان کو کوئی خطرہ نہیں ورنہ سفر میں ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا کہ نجانے کب قتل کر دیئے جائیں گے، جس وقت ہم بارڈر پہ پہنچے ہم تمام عورتیں خدا کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گئیں کہ خدا نے بحفاظت عزت و آبرو کے وطن عزیز عطا کر دیا، چند دن بارڈر پہ بنے کیمپ میں گزارنے کے بعد مردوں نے تلاش معاش اور سر چھپانے کے لئے گھر تلاش کرنے شروع کر دیئے، چند دنوں بعد ہی ہمیں کیمپ سے میلوں دور سر چھپانے کو جگہ مل گئی تھی، بھاری سامان کے ساتھ میلوں تمہارے دادا یوسف علی اور اپنے بھائی کے ساتھ میں چلتے چلتے ہانپ چکی تھی، ٹانگیں شل ہو چکی تھیں جبھی میرے بھائی محمد علی نے کہا۔"

"وہ سامنے جو عمارت ہے وہی ہے ہمارا موجودہ آشیانہ...... دروازہ کھلا ہے آ جاؤ۔" خوشی سے بے قابو ہوتے محمد علی نے تیز قدموں سے چلنا شروع کر دیا، ہم لوگ چلتے ہوئے عمارت کے اندر داخل ہو گئے، اندر کوئی نہیں تھا مگر سامان دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے کوئی سرکاری دفتر ہو۔

"شکر ہے سر چھپانے کو جگہ تو مل گئی۔" محمد علی نے میری طرف دیکھتے ہوئے خوشی سے بے قابو ہوتے کہا۔

"اب تو یہ آسمان بھی اپنا ہے اور زمین بھی سر چھپانے کی ضرورت نہیں۔" ہم تینوں نے یک بیک کہا کیونکہ ہجرت کی جو مشقتیں ہم نے جھیلی تھیں اور جن اپنوں کو ہم نے کھویا تھا ان کی یاد نے آنکھیں نم کر دیں تھیں ہم تینوں تھوڑی دیر ایک دوسرے کو تسلی دینے کے بعد سامان ترتیب دینے لگے تھے۔

وہ 11 اکتوبر 1947 کی صبح تھی جب ہم لوگ کیمپ سے ملحق میدان میں پہنچے لاکھوں کا مجمع تھا، سورج آہستہ آہستہ بیچ آسمان پہ آ گیا ہم تمام عورتیں ایک احاطے میں اور تمام ملازمین زمین پر بیٹھے تھے، مگر مجال نہ تھی کہ توجہ بھٹک جائے سامنے ہمارے وہ محسن تھے جن کی جرأت و بہادری کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، سورج کی روشنی کو آنکھوں میں چبھنے سے بچانے کے لئے لوگوں نے ماتھے پہ ہاتھوں سے چھجے بنا لیے تھے محمد علی جناح کا ایک ایک لفظ ہمارے دل میں اتر رہا تھا۔

"ہمارے لئے یہ ایک چیلنج ہے کہ اگر ہمیں ایک قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے تو ہمیں مضبوط ہاتھوں سے مشکلات کا مقابلہ کرنا ہو گا، مشکلات نے انہیں الجھایا ہوا ہے ہمیں انہیں مایوسی کے چکر سے نکالنا ہو گا اور ان کی حوصلہ افزائی کرنی ہے اس وقت عوام رہنمائی کے لئے انتظامیہ کی جانب دیکھ رہے ہیں۔"

محمد علی جناح کے الفاظ تھے یا جادو جو بچوں، بوڑھوں اور عورتوں میں ایک نئی روح پھونک گئے تھے ہم تینوں نے خود میں نیا جوش، نیا ولولہ محسوس کیا، انڈیا میں تمہارے دادا ایک کلرک کی حیثیت سے نوکری کرتے تھے، ہم نے یہاں واپس کر اس عمارت کو جسے ہم اپنا گھر بنا چکے تھے، دفتر بنانے کا ارادہ کر لیا لیکن پھر جب رہائش کا مسئلہ کھڑا ہوا تو متفقہ رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ دن میں اس کو آفس کے طور پر استعمال کیا جائے گا اور روات کو گھر کے استعمال میں تا کہ ملک کی ترقی میں ان کا بھی حصہ شامل ہو تمہارے دادا کرسیاں اور میز خریدنے بازار گئے مگر دام پہنچ سے باہر تھے، فقط ایک کرسی اور کاغذوں کا ایک دستہ خریدنے میں ہی روپے ختم ہو گئے تھے مگر ہم نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور اس دفتر کی بنیاد محض ایک کرسی سے رکھ دی، دادی جان کی آنکھیں نمی سے بھر چکی تھیں اب وہ اس ٹوٹی کرسی سے ٹیک لگا کر فرش پہ بیٹھ گئیں، احسن یہ سب کچھ پہلی مرتبہ سن رہا تھا اسے بھی اس پاکستان سے دلچسپی محسوس ہوئی جس نے کتنے گوہر و لعل اپنے سینے میں چھپا لئے تھے کافروں سے اپنے حق کے لئے نبرد آزمائی پر، وہ دادی جان کے ساتھ وہیں زمین پہ بیٹھ گیا دادی جان نے پھر سے کہنا شروع کیا۔

''ہم نے دفتر کے کام کے لئے اردگرد سے چند منتخب لوگ بھی اکٹھے کر لئے وہ بھی بغیر معاوضے کے لئے کام کرنے کو تیار تھے، عورتیں ہر کام میں پیش ہونے کے لئے ہمہ وقت تیار تھیں ایک خواب تھا، سہانا خواب، روشن پاکستان کا خواب جس کی تکمیل کے لئے ہم سب اپنا تن من دھن لٹا رہے تھے۔''

دادی اس دیوار کے کونے کے قریب بیٹھی تھیں دادی نے اس کالے کونے پہ ہاتھ پھیرا اور سختی سے آنکھیں بند کر لیں مگر آنکھوں کے کنارے پھر بھی گیلے ہو گئے۔

''یہ...... یہ ہے میرا پاکستان بیٹا...... اب جب کبھی بھی پاکستان کے حالات دیکھتی ہوں، ماؤں کے لعل اجڑتے دیکھتی ہوں تو یہاں اپنے پاکستان کے پاس آ جاتی ہوں پھر ایک امید بندھتی ہے کہ اتنی مشکلوں، اتنی امیدوں اتنی مشکلات سے بنا پاکستان، اتنی تکلیفوں سے سینچا پاکستان اسے کوئی کس طرح نظر انداز کر سکتا ہے، کوئی کس طرح اسے لوٹ سکتا ہے نہیں بیٹا نہیں یہ یونہی تو نہیں مٹ سکتا جتنی محبت سے ہم نے اسے سنوارا ہے یہ یونہی کیسے ڈوب سکتا ہے، بیٹا، یہ تھا پاکستان۔'' دادی نے اسی کالے کونے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''یہ ہے میرا پاکستان۔'' دادی جان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، احسن کے ساتھ رانیہ کی آنکھوں میں بھی نمی تھی۔

''دادی جان ایک بات پوچھوں۔'' احسن نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''ہاں بیٹا کیوں نہیں۔'' انہوں نے آنسو صاف کر کے احسن کی پیشانی چومی۔

''آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں جب آپ کے ساتھ دادا جان نے بھی ہجرت کی اتنی صعوبتیں اٹھائیں اور وطن کی ترقی میں حصہ ڈالنے کی کوشش کی تھی تو پھر اب وہ کہاں ہیں اور ملک میں کون سا ایسا شعبہ ہے جس دادا جان نے بنیادی حصہ ڈالا تھا۔'' احسن کے سوال پہ رانیہ حیران رہ گئی تھی جبکہ دادی جان اس کو صرف مسکرا کے دیکھتی رہیں گویا انہیں پوتے کی ذہانت اور اس سوال کے کیے جانے کا یقین تھا۔

''چلو بیٹی رانیہ اوپر چلتے ہیں میں تھک گئی ہوں۔'' انہوں نے سہارے کے لئے رانیہ کے

شانے پہ ہاتھ رکھا اور احسن کے سوال کو نظر انداز کر دیا۔

''دادی جان یہ ٹھیک نہیں ہے It is not fair۔'' کمرے تک پہنچتے پہنچتے اس کا ضبط جواب دے گیا تو وہ پھٹ پڑا۔

''لڑکے بے صبرا نہ بن، رانیہ بیٹی تم کہہ رہی تھی کھانا تیار ہے۔'' انہوں نے ایک بار پھر احسن کو نظر انداز کیا، تو وہ غصے میں پاؤں پٹخ کے وہاں سے نکل گیا، اس کے جانے کے بعد رانیہ دادی جان کے پاس آ کر بولی۔

''دادی جان آپ نے احسن کی بات کا جواب نہیں دیا کیا دادا جان بھی......'' رانیہ نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑا۔

''نہیں بیٹا اللہ انہیں سلامت اور خوش وخرم رکھے۔''

''تو پھر آپ نے بتایا کیوں نہیں کہ دادا جان کہاں ہیں۔''

''کیا سارے سوال آج ہی پوچھ لو گی بیٹا۔'' انہوں نے تھک کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائی اور آنکھیں بند کر لیں، جھریوں زدہ چہرے پہ ایک بے نام آنسو آ ٹھہرا تھا، رانیہ نے خاموشی سے ان کی پیشانی چومی اور ان کے اوپر کمبل درست کر کے لائٹ آف کی اور دروازہ بند کر کے باہر آ گئی کیونکہ وہ جانتی تھی اب دنیا کی کوئی طاقت بھی رحیمہ بی بی سے اس سوال کا جواب دینے پر نہیں اکسا سکتی، اس نے لاؤنج میں بیٹھے احسن کو ایک نظر دیکھا اور خاموشی سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

کمرہ نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا جبھی کسی نے کھڑچ کی آواز سے الماری کا لاک کھولا، آواز پیدا ہوتے ہی رانیہ کی بھی آنکھ کھل گئی لیکن نو وارد اس بات سے انجان تھا چونکہ رانیہ، رحیمہ بی بی کے ساتھ ان کی طبیعت خرابی کی وجہ سے ان کے کمرے میں سوتی تھی، اس لئے الماری کے قریب بیڈ پہ لیٹی رانیہ کی آنکھ یکدم کھل گئی تھی، نیم اندھیرے میں الماری میں جھکے ہیولے نے ایک چھوٹا سا بکس نکالا اور سیدھا ہو کر دروازہ واپس بند کر دیا اس کے سیدھا ہوتے ہی رانیہ اسے پہچان گئی وہ احسن تھا مگر وہ اس وقت دادی جان کے کمرے میں ان کی الماری سے کیا لینے آیا تھا، اس بات سے وہ انجان تھی، تجسس کے ہاتھوں مجبور ہر کر پہلے احسن کو اس نے آواز دینی چاہی پھر خود ہی ارادہ ترک کر کے وہ خاموشی سے بیڈ سے اتر کر اس کے پیچھے ہو لی، پورے گھر میں اندھیرا تھا لاؤنج میں بھی صرف نائٹ بلب کی روشنی پھیلی ہوئی تھی احسن نے اپنے کمرے میں پہنچ کر دروازہ بند کرنا چاہا لیکن رانیہ نے ٹانگ اڑا کر اس کی کوشش ناکام بنا دی۔

''مجھے بھی دکھاؤ تم دادی جان کی الماری سے کیا نکال کر لائے ہو ورنہ میں دادی جان کو بتا دوں گی۔'' رانیہ نے دھونس بھرے انداز میں دھمکی دیتے ہوئے اسے اندر دھکیلا اور خود بیڈ پہ جا کر بیٹھ گئی۔

''تم تو ازل سے میری دشمن ہو اور اسی دشمنی میں مجھ سے چار سال پہلے ہی اس دنیا میں وارد ہو گئی تھیں تا کہ مجھ پر اپنی دشمنی اور بڑے پن کی دھاک بٹھا سکو۔'' احسن نے دانت کچکچاتے ہوئے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

گویا دانتوں کے درمیان رانیہ کو پیس کر رکھ دے گا۔

''غصہ تھوک دو احسن کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ تمہیں پتا ہے کہ باکس دیکھے بغیر تو میں جاؤں گی نہیں۔'' رانیہ اسے چڑاتے ہوئے مزید نیم دراز ہو گئی تو احسن کو مرتا کیا نہ کرتا کہ مصداق احسن کو بیڈ پہ آنا پڑا، رانیہ نے تھوڑا سا کھسک کر اس کے لئے جگہ بنائی، بیڈ پہ بیٹھ کر اس نے ماسٹر کی سے بکس میں لگا چھوٹا سا تالا کھولا، تالا کھلتے ہی ان کی پہلی نظر جس چیز پر گئی وہ پاکستان کا جھنڈا تھا، ہاتھ سے سلا وہ پاکستان کا چھوٹا سا جھنڈا تھا جسے قیمتی متاع کی طرح تہہ کر کے رکھا ہوا تھا، احسن نے جھنڈا ہٹا کے نیچے دیکھا تو اس کے نیچے چند تصویریں رکھی ہوئی تھیں، ایک تصویر میں دادی جان دو مردوں کے ساتھ کھڑی تھیں جن میں سے ایک یوسف علی تھے اور دوسرے یقیناً رحیمہ بی بی کے بھائی محمد علی تھے، ایک تصویر صرف دو مردوں کی تھی اس کے علاوہ اخبار کا ایک چھوٹا سا تراشا رکھا ہوا تھا، احسن نے اخبار کا تراشہ کھولا تو اندر لکھی ہوئی تحریر پہ ان دونوں کی نظر ساتھ گئی تھی۔

''پروفیسر یوسف علی وائس چانسلر آف کراچی یونیورسٹی۔'' دونوں نے حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر دوبارہ تصویر کی طرف متوجہ ہو گئے، کنپٹی پہ سے ہوتے گرے بال، روشن بڑی بڑی آنکھیں جن میں پا لینے کا عزم اور ذہانت صاف نظر آ رہی تھی، وہ روسٹرم پہ کھڑے کسی پروگرام کی بریفنگ دے رہے تھے، احسن نے دوبارہ تفصیل پہ نظر ڈالی، کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر یوسف علی انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر اور قیمتی حصہ علم کے دریا سے پاکستانی قوم کو سیراب کرتے ہوئے گزارا وہ ملک وقوم کا بیش بہا سرمایہ ہیں جن پر ہمیں آج بھی فخر ہے مگر افسوس اس بات کا ہے کہ علم کی روشنی کا یہ مینار آہستہ آہستہ موت کے اندھیروں کی طرف بڑھ رہا ہے، پروفیسر یوسف علی دل کے مریض انہیں دو مرتبہ ہارٹ اٹیک ہو

چکا ہے اور...... احسن نے پڑھتے پڑھتے یکدم سب کچھ ادھورا چھوڑ دیا، رانیہ احسن نے بیڈ سے اتر کر اضطراری انداز میں پہلو بدل کر اسے پکارا گویا وہ بتانا بھی چاہ رہا ہو اور نہ بھی بتانا چاہ رہا ہو۔

''رانیہ دادی جان نے ہمیں پالا بوسا، پڑھایا لکھایا اور ہماری ہر خواہش کو پورا کیا تو آج ہمیں بھی ان کی اس بے نام خواہش کو پورا کرنا چاہیے جو نہ جانے کب سے ان کے دل میں ہے اور وہ پوری نہ کر پا رہی ہوں ہم دونوں اس عید تک دادا جان کو ضرور ڈھونڈیں گے تم وعدہ کرو کہ دادا جان تک پہنچنے میں میری مدد کرو گی اور مدد نہ بھی کر سکیں تو کم از کم دادی جان کو کچھ نہیں بتاؤ گی۔'' احسن کی آواز بھیگنے لگی، رانیہ نے حیرانی سے اپنے اس لاابالی کزن کو دیکھا جو اس سے چار سال چھوٹا تھا مگر اس وقت اس سے چار سال بڑا لگ رہا تھا رانیہ نے نرمی سے ہاتھ دبا کر اسے اپنی مدد کا یقین دلایا اور اس کے بہتے آنسو صاف کر ڈالے، احسن نے بھی رانیہ کے گال پہ بہتے خاموش آنسو کو اپنی انگلی سے صاف کر دیا تھا، وہ دونوں اس وقت ہر قسم کے احساسات سے بے پرواہ اپنی اس بوڑھی دادی کے لئے غم زدہ تھے جنہوں نے آج تک شریک سفر کی جدائی کا دکھ اپنے اندر چھپا رکھا تھا۔

☆☆☆

رمضان کا آخری عشرہ چل رہا تھا، احسن کی ضد پر اپنے اور پاکستان کی کہانی سنانے کے بعد رحیمہ بی بی کو یہ رمضان آزمائش لگنے لگا تھا وہ سارا دن اور ساری رات مصلے پہ بیٹھی رہتیں مگر ان کے دل کو قرار نہ تھا، رانیہ اور احسن کی سرگرمیاں آج کل پراسرار ہوتی جا رہی تھیں، احسن سارا دن گھر سے باہر رہتا اور صرف افطار کے وقت گھر آتا تھا، عشاء کی نماز اور تراویح کے بعد وہ دوستوں کے ساتھ کمبائن اسٹڈی کے لئے چلا جاتا وہاں سے آ کر وہ رانیہ کے ساتھ نجانے کون سے راز و نیاز میں مگن ہو جاتا۔

وہ ستائیسویں شب قدر تھی ان کی حالت آج بہت زیادہ خراب ہو رہی تھی 14 اگست جا چکی تھی مگر انہیں 65 سال پہلے کی وہ ستائیسویں شب قدر کی رات اور 14 اگست یاد آ رہی تھی جس میں انہوں نے آنسوؤں کی تسبیح پروئی تھی اور پاؤں میں پڑے چھالے جگہ جگہ سے پھٹ گئے تھے لیکن ملتے لبوں سے مانگی دعائیں اس رات انہیں قبولیت اور آزادی کا تحفہ دے گئی تھی، ستائیسویں شب وہ ساری رات روتی رہی تھیں لبوں پہ ایک ہی دعا تھی کہ خدا مرنے سے پہلے ایک بار انہیں ان کے شریک سفر یوسف علی سے ملا دے، ستائیسویں شب جاتے جاتے ان کے دامن میں قبولیت کے پھول ڈال گئی لیکن وہ اس بات سے انجان تھیں، اگلے دن ساری رات کی گریہ وزاری سے ان کی طبیعت خراب ہو گئی، ان کی طبیعت خراب ہونے سے احسن اور رانیہ کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے، ایک وہی تو سہارا تھیں ان کا اگر انہیں کچھ ہو جاتا تو اور اس اگر کے بعد دونوں کے لب ملنے لگتے تھے، احسن نے فیملی ڈاکٹر کو فون کر کے بلوالیا تھا، بروقت ٹریٹمنٹ سے ان کی حالت سنبھل گئی تھی، احسن نے رانیہ کی ہدایت کے پیش نظر اپنی سرگرمیوں سے پردہ ہٹانے کا ارادہ فی الحال ترک کر دیا تھا۔

آج چاندرات تھی رانیہ شام سے کچن میں گھسی ہوئی تھی، دادی جان کے پوچھنے پہ اس نے صرف یہی بتایا کہ احسن کے کوئی پروفیسر صاحب آ رہے ہیں جو رات کا کھانا یہیں کھائیں گے، دادی جان اپنے کمرے میں واپس چلی گئی تھیں، تھوڑی دیر میں عشاء کی اذان ہوئی تو کام بروقت مکمل ہو جانے پر رانیہ شکر کا کلمہ پڑھتی عشاء کی نماز ادا کرنے دادی جان کے کمرے میں چلی آئی جہاں حسب عادت دادی جان نماز شروع کر چکی تھیں، نماز مکمل کر کے اس نے جائے نماز تہہ کی اور باہر آ گئی، تھوڑی دیر بعد احسن جس شخصیت کو لے کر گھر میں داخل ہوا انہیں دیکھ کر وہ جہاں حیران ہوئی وہیں اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے وہ اس تصویر کے بالکل برعکس تھے جو احسن نے اسے دکھائی تھی، حد سے زیادہ کمزور ہو جانے کی وجہ سے وہ ایک ہاتھ سے لاٹھی تھامے دوسرے سے احسن کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، احسن نے گھر میں داخل ہوتے ہی اسے دادی جان کو بلانے کا اشارہ کیا اس کے اشارہ کرنے پہ رانیہ جونہی مڑی وہیں ساکت ہو گئی، دادی جان دروازے میں کھڑی تھیں، ان کے ہاتھ سے کرسٹل کے دانوں کی تسبیح چھوٹ گئی، دانے زمین پہ گرتے ہی ٹوٹ کے بکھر گئے تھے ان کے لبوں سے صرف ایک ہی نام نکل رہا تھا۔

''یوسف علی آپ۔'' انہوں نے کلمہ شکر کے لئے بے ساختہ آسمان کی طرف دیکھا جہاں 60 سال کی مانگی دعائیں آج مشرف قبولیت حاصل کر پائی تھیں رانیہ نے آگے بڑھ کے دادی جان کو تھام کے قریبی صوفے پہ بٹھایا احسن نے بھی یوسف علی کو بھی ان کے قریبی صوفے پہ بٹھا دیا، ایک دوسرے کے قریب بیٹھتے ہی ضبط کے بندھن ٹوٹ گے اور نہ جانے کب کے آنسو باہر نکلنے کے لئے بے تاب قطار در قطار نکلتے چلے گئے کافی دیر رونے کے بعد جب ان کا غبار نکل گیا تو پھر یوسف علی نے انہیں بتایا کہ کس طرح احسن سے ملا اور اس نے ان کو رحیمہ بی بی کے بارے میں بتایا انہیں اس چھوٹے سے لڑکے کی بات کا بالکل یقین نہیں تھا لیکن جب احسن نے ان کی محمد علی کے ساتھ کھنچی تصویریں دکھائیں تو انہیں یقین آ گیا کہ یہ سب سچ ہے اور سامنے کھڑا لڑکا انہی کا پوتا ہے، فضا کی سوگواریت ختم کرنے کے لئے تھوڑی دیر بعد احسن اور رانیہ نے انہیں نیچے کا وہ پورشن دکھایا تھا جہاں ان کی یادیں تھیں جالوں سے اٹا وہ کوئلوں کے نشانوں سے سجا اور ٹوٹی ہوئی کرسی کو اپنے سینے پہ سجائے اس کمرے کو دیکھ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے، انہوں نے ملک کے تعمیر و ترقی میں تو حصہ ڈال دیا تھا لیکن گھر کی تعمیر میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا، اس پل شریک حیات کی عظمت اور وفا کا انہوں نے کھلے دل سے اعتراف کیا تھا ان تینوں کے نیچے آ جانے کے بعد رحیمہ بی بی بھی نیچے آ گئی تھیں یوسف علی نے بھیگی آنکھوں سے ان کو دیکھا جو ان کی دو نسلوں کی امین تھیں اور اپنے قول میں کتنی صادق تھیں، آنسو ایک بار پھر چھلک پڑے تو رحیمہ بی بی نے آگے بڑھ کر ان کے کاندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے ان سے کہا۔

''میں کامیاب تو ہوں ناں یوسف علی آپ بتایئے میں نے آپ سے وفا نبھائی ہے ناں، آپ کے بیٹوں کی امانت دار بن کے پرورش کی اور پھر خدا کے سپرد کر دیا ان دونوں کی بھی امانت دار بن کے پرورش کی اور رب کا شکر ہے کہ میں سرخرو ہوں، آپ کے آگے بھی اور رب کے آگے بھی۔'' سرخروئی کی یہ خوشی ان کی آنکھوں میں ستاروں کی طرح چمک رہی تھی، رانیہ اور احسن بھی آگے بڑھ کر ان سے لپٹ گئے۔

☆☆☆

دل، آنگن، عید اور تم

فوزیہ سلیم

''عدیل! میں نے فیصلہ کرلیا ہے اس دفعہ عید امی کے ہاں کرنی ہے چاہے کچھ بھی ہو جائے آپ کو میری بات ماننی ہوگی۔'' سعدیہ نے اپنا مخصوص فقرہ کہا جو وہ پچھلے کئی دن سے دہرا رہی تھی، تاکہ عدیل سن سن کر اس کے پختہ ارادے سے واقف ہو جائے۔

''یار! تم چلی جاؤ گی تو میں کیسے رہوں گا تمہارے بغیر۔'' عدیل نے بصد شوق دیکھا تھا۔

''جیسے شادی سے پہلے رہتے تھے۔'' وہ اٹھلا کر بولی۔

''تب اور بات تھی تم سے ملا نہ تھا تمہیں دیکھا نہ تھا اب تمہیں پا کر تمہارے دور ہونے کا سوچنے پہ ہی سانس رکنے لگتی ہے۔'' عدیل نے اسے نزدیک کیا تھا۔

''بس رہنے دیں جانتی ہوں بہانے ہیں سب گھر سے نہ نکلنے دینے کے۔'' وہ منہ پھلا کے پرے ہوئی۔

''یہ کیا بات ہوئی اپنی سوچ کو فوراً منفی رخ پر لے جاتی ہو تم سے تو جذبات کا اظہار کرنا بھی غلطی بن جاتا ہے۔''

''جذبات صرف آپ کے نہیں، میں بھی انسان ہوں میری بھی اک سوچ ہے اک دماغ ہے ذہن ہے جو دیکھتا سوچتا سمجھتا اور فیصلے کرتا ہے۔''

''شادی شدہ عورت کی سوچ بس اپنے شوہر تک ہونی چاہیے، اسے اپنے شوہر کی خوشی اور رضا کو مقدم جاننا چاہیے۔'' عدیل نے پرزور انداز میں کہا۔

''بس نکلے نہ وہی روایتی مرد، عورت کے ذہن کو محدود کر دینے والے اسے گھر شوہر اور بچوں تک محدود دیکھنے والے۔'' وہ چمک کر بولی۔

''تو اچھی عورت کی پہچان ہی یہی ہے کہ وہ گھر اور چادر کا خیال رکھتی ہے۔''

''پلیز عدیل! مجھے یہ بے کار کے فلسفے میں نہ الجھائیں، بس میں نے آپ سے کہہ دیا ہے یہ عید مجھے میکے میں کرنی ہے تو بس وہیں کرنی ہے۔''

''اور میں اکیلا تمہارے بغیر بچوں کے بغیر وہ بھی عید کے دن اچھا لگوں گا۔''

''تو کہا تو ہے کہ آپ بھی ساتھ چلیں۔''

''اچھا امی کو ہم گھر میں اس مذہبی تہوار کے موقع پر تنہا چھوڑ جائیں جبکہ ایسے مواقع پر سو ملنے والے آتے رہتے ہیں کیا کہیں گے ہماری عقل کے متعلق اور خود امی وہ کیا سوچیں گی اکلوتا بیٹا وہ بھی بیوی کے پیچھے عید کے موقع پر ماں کو چھوڑ کر سسرال چلا گیا۔''

''بس سب سوچتے ہیں، سب کی فکر ہے ایک میں ہی نہیں سوچتی، میرا کسی کو فکر نہیں۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''کم آن سعدیہ موڈ خراب مت کرو، تمہارا فکر کرنے کو میں جو موجود ہوں۔''

''اسی لئے اتنا خیال ہے میری خوشی کا۔'' وہ روہانسی ہو کر آنکھوں میں آنسو بھر لائی اور اسی ہتھیار کے آگے عدیل مات کھا جاتا تھا اس کے آنسوؤں سے ہمیشہ وہ گھبراتا تھا اور سعدیہ سے محبت بھی بہت کرتا تھا اسی محبت کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہ کرسکتا تھا۔

''پریشان کیوں ہوتی ہو جانا ہے نا تمہیں اپنی امی کے ہاں تو میں خود چھوڑ کر آؤں گا، بس اب مسکرا دو اور سنو آئندہ ان خوبصورت آنکھوں

پہ اتنا ظلم مت ڈھانا یہ پیاری آنکھیں تو بس محبت کے جگنوؤں سے چمکتی اچھی لگتی ہیں۔'' وہ توجہ و محبت کے موتی لٹانے لگا تو سعدیہ کا وجود ہلکا پھلکا ہو کر ہوا میں اڑنے لگا۔

☆☆☆

پتہ نہیں میکہ جانے کا شوق ایسا وافر تھا کہ عدیل کے اتنی آسانی سے مان جانے کا خیال خوش کن وہ بہت اڑی اڑی پھر رہی تھی اپنے

بچوں کے کپڑے، جوتے، بھتیجے، بھتیجیوں کے لئے تحائف کتنے کھلے دل سے پیسہ خرچ کیا تھا اور جب ان گنت بھرے ہوئے شاپنگ بیگز کے ساتھ وہ گھر میں داخل ہوئی تو ریشہ خاتون نے کچھ حیرت سے دیکھا تھا۔

''ابھی تو ایک دو روزہ گزرا ہے ابھی سے عید کی اتنی شاپنگ اور عید تک تو جانے کتنا نیا مال آنا ہے نزدیک جا کر لے آتیں۔''

''عید پہ تو مجھے امی کے ہاں جانا ہے تو عید سے پہلے سلائی وغیرہ بھی تو کرنی ہے، گھر کے کام کاج میں تھوڑا تھوڑا ٹائم نکلتے بھی سلنے میں کافی دن لگ جائیں گے۔''

''تم میکے جا کر عید کرو گی۔''

''جی امی ہر دفعہ اصرار کرتی ہیں پھر میرا اپنا جی بھی بہت چاہتا ہے۔''

''ہر دفعہ چار سال تو تمہاری شادی کو ہوئے ہیں اور پہلی دونوں عیدیں تم نے وہیں کی ہیں صرف پچھلے سال تم نے عید یہاں کی تھی وہ بھی اس لئے کہ پاؤں میں موچ آ جانے کی وجہ سے تم سفر نہ کر سکتی تھیں۔'' وہ ایک تلخ سا سچ بول گئیں جو سعدیہ کا موڈ خراب کر گیا۔

''اتنا کچھ لائی تھیں تو حنا (نوبیاہتا نند) کے لئے بھی کپڑے لے آتیں تمہیں پتا تو ہے شادی کے بعد اس کی پہلی عید جائے گی میکہ سے، اس کی تیاری بھی تو کرنا ہے۔''

''جل گئیں بڑھیا! میرے کپڑے دیکھتے ہی فوراً بیٹی یاد آ گئی۔'' سعدیہ دل میں کلسی۔

''شام کو عدیل آئے تو اسے ذرا میرے کمرے میں بھیجنا۔'' ساس بیگم سنجیدگی سے حکم صادر کر کے پھر سے تسبیح پہ دانے پھیرنے لگیں۔

''بس اب بڑھیا بیٹے کو میرے خلاف پٹی پڑھائے گی خیر میرا کیا بگاڑ سکتی ہے رہی بات عدیل کی تو وہ پہلے ہی میری مان چکے ہیں۔'' وہ مطمئن سی ہو کر اپنا خریدا سامان رکھنے لگی مگر اس اطمینان کے باوجود جیسے ہی عدیل آیا وہ جلے پیر کی بلی کی طرح چکر کاٹنے لگی ایک برتن دھوتی اور کچن سے نکل کر ساس کے کمرے کی طرف دیکھنے لگتی کبھی جی چاہتا جا کر سنے تو بڑھیا کیا سکھا پڑھا رہی ہے پھر یہ سوچ کر کچن میں چلی جاتی کہ عدیل نے بتا تو سب کچھ دینا تھا وہ کون سا اس سے کچھ چھپا پاتا تھا۔

ماں کے کمرے سے نکل کر عدیل سیدھا مسجد چلا گیا کیونکہ عشاء کا ٹائم ہو رہا تھا، نماز و تراویح سے فارغ ہو کر وہ گھر آیا تو سعدیہ کچن کا کام سمیٹ کر صبح کے لئے آٹا گوندھ کر فریج میں رکھ کر خود بھی نماز و تراویح سے فارغ ہو کر بچوں کو سلا رہی تھی جیسے ہی بچوں کو سلا کے وہ سیدھی ہوئی تو عدیل اسی کو دیکھ رہا تھا۔

''بہت دیر کر دی آج آپ نے۔''

''سپارہ پورا پڑھانا ہوتا ہے حافظ صاحب کو تراویح میں، دیر تو لگتی ہے، تم کہو کر آئیں شاپنگ۔''

''ارے ہاں میں آپ کو دکھاتی ہوں، اف عدیل اتنی مہنگائی ابھی تو ماہ صیام کا آغاز ہے اور قیمتیں آسمانوں تک پہنچ چکی ہیں عید کے نزدیک جا کر کیا حال ہو گا مہنگائی کا۔'' وہ شاپنگ بیگز الٹتے ہوئے بولی۔

''یہ تینوں سوٹ میں نے اپنے لئے ہیں اور یہ ساتھ کے میچنگ شوز، پرس اور جیولری چوڑیاں، چار چار سوٹ دونوں بچوں کے لئے اور نئے جوتے بھی، ایک ایک سوٹ بھابھی کے بچوں کا اور امی کے لئے گرم شال چھوٹی بہن ندیا کے لئے سوٹ، آپ کے خیال سے میں نے بہت کم شاپنگ کی ہے اور بڑا ہاتھ روک روک کے ورنہ تو اتنا کچھ پسند آیا تھا۔''

''امی اور حنا کے لئے کچھ نہیں لائیں۔'' عدیل نے اس کے کھلے کھلے چہرے کو دیکھا تھا۔

''لے آؤں گی ابھی تو اتنے دن پڑے ہیں

عید میں، پھر امی کے پاس نئے کپڑے پڑے تو ہیں البتہ حنا کے لئے لانے پڑیں گے دیکھوں گی اگر گھر میں رکھے ہوئے آئے گئے کپڑوں سے کام چل گیا تو ٹھیک ورنہ خرچہ تو ہو گا۔''

''سعدیہ! میری ایک ہی بہن ہے پھر میکے سے اس کی پہلی عید جائے گی جو کچھ بھی جائے معیاری اور بہترین ہو۔'' عدیل کچھ جتانے والے انداز میں بولا۔

''او کے، غصہ نہ کریں میرا کیا ہے جتنے پیسے دیں گے اتنی معیاری عید آپ کی بہنا کے سسرال پہنچ جائے گی۔'' وہ اسے رام کرنے لگی۔

''میری بہن اتفاق سے تمہاری بھی کچھ لگتی ہے۔''

''ہاں یہ کچھ لگنے کا تو سارا رولا ہے۔'' وہ بڑبڑائی پھر یکسر ٹون بدلی اور بولی۔

''تو پھر کچھ اور رقم دے دیجئے گا حنا کے لئے کپڑے لے آؤں گی پہلی عید ہے اس کے شوہر اور ساس کے کپڑے بھی چاہئیں ساتھ گھر کے کسی چھوٹے بچے کے۔''

''اندازاً کتنے میں کام چل جائے گا۔'' عدیل نے پوچھا۔

''دے دیں دس ہزار کافی ہوں گے باقی مہندی شیرینی سویاں وغیرہ سب کے دن کے دن لے لیں گے۔''

''اور جو صبح پندرہ ہزار لئے تھے ان سے کیا بچایا؟''

''کیا بچایا، یہ پوچھیں کیسے پورا کیا، مہنگائی پتا ہے کتنی ہے اتنی مشکل سے میں نے تو بچوں کے تحائف پورے کیے آپ کی اسی مین میخ والی عادت مجھے کچھ خریدنے نہیں دیتی اتنا دل مار مار کے یہ سستے سے تین سوٹ لے لئے اور آپ ہیں حساب کتاب لینے بیٹھ گئے۔'' وہ اچھا خاصا تپ کر بولی۔

''مہینے بھر کا خرچہ ایک دن میں پورا کر لیا اور سستے سوٹ سعدیہ تمہیں بخوبی علم ہے سترہ ہزار تنخواہ ہے، دو ہزار کٹوتی کے بعد پندرہ ہزار ملتے ہیں پورے کے پورے لا کر تمہیں دیے اور تم نے محض چند گھنٹوں میں اڑا دیے پھر مستزاد کہ امی اور حنا کے لئے بھی اتنے پیسوں سے کچھ نہ لیا اوپر سے رمضان کا مہینہ سحر و افطاری کا خصوصی اہتمام الگ عید کا خرچ مزید پھر تم میکے جانے کو تیار بیٹھی ہو تمہیں جانے کے لئے الگ خرچہ چاہیے۔''

''سارا رولا ہی میرے جانے کا ہے میرا جانا ہی تو چبھ رہا ہے بڑی بی یہی پٹیاں پڑھا رہی تھیں گھنٹے بھر سے بہو کے خلاف بیٹے کے کان بھرتی رہتی ہیں۔''

''بکواس جانتی ہوں میں، دیکھنا یہ جو میسنی اماں ہیں ناں تمہاری سیدھی دوزخ میں جائیں گی۔'' وہ تنتنا کر بولی۔

''تڑاخ۔'' عدیل کا ہاتھ بلند ہوا اور ایک بھرپور طمانچہ اس کے رخسار پر پڑا۔

''تمہاری ہر بات میں برداشت کر سکتا ہوں مگر اپنی ماں کے متعلق گستاخی یا بدزبانی بالکل برداشت نہیں کر سکتا، آئندہ سوچ سمجھ کر بولنا۔'' وہ سخت اور تحکم آمیز لہجہ میں کہتا کروٹ بدل کر لیٹ گیا تھا اور وہ اپنے سلگتے رخسار پہ ہاتھ رکھے سن سی بیٹھی تھی۔

پھر عدیل نے اس سے پوچھا تھا نہ بتایا وہ خود جا کر حنا کے لئے عید کے لوازمات لے آیا تھا اور سب چیزیں ریشہ خاتون کو پسند بھی آ گئیں۔

''دیکھو بیٹا برا نہ ماننا پہلی عید ہے چاہیے تو یہ تھا کہ ہم حنا کو اپنے گھر لے آتے اور وہ پہلی عید میکے میں گزارتی یا عید کے دن اس کی اور ماجد کی دعوت کر لیتے مگر اب یہ دونوں کام ممکن نہیں کیونکہ بہو تو ماشاءاللہ پہلے روزے سے میکے جا کر عید کرنے کا پروگرام بنائے بیٹھی ہیں، گھر والی گھر نہ ہو اور عید پر بیٹی داماد آ جائیں تو خاطر مدارت کون کرے گا پھر آئے گئے مہمانوں کا رش پچ

پوچھوتو مجھ بوڑھی سے اب اتنا کام ہوتا نہیں اور بہو سے گھر رہنے کا کہہ کر میں نیا فساد کھڑا کرنا نہیں چاہتی۔"

"امی آپ پریشان کیوں ہوتی ہیں آپ کی خواہش حنا کو عید یہ لانے کی ہے تو یہ حکم سر آنکھوں پر، میں سعدیہ کو میکے جانے سے منع کر دوں گا۔"

"نہ بیٹا! وہ اب شاپنگ کر آئی ہے مانو تیاری جی جان سے مکمل کیے ہے، ایسے میں منع کرنا نئے جھگڑے کو دعوت دینا ہے پھر اس کی زبان کے آگے تو خندق ہے پورا کون آئے گا، بس تم کل اسے ساتھ لے جا کر حنا کو عید کا سامان پہنچا دینا۔" رئیسہ خاتون نے سبھاؤ سے بات ختم کر کے بیٹے کو دیکھا جو کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

اور رئیسہ بیگم کے منع کرنے سعدیہ کے اکھڑے گریز پا رویے کے باوجود وہ اگلی شام کو یہ بات چھیڑ بیٹھا۔

"سعدیہ میرا خیال ہے تم عید میکے جا کر کرنے کا خیال دل سے نکال دو۔" کپڑے پریس کرتی سعدیہ نے پلٹ کر تیکھے تیوروں سے گھورا تھا۔

"دیکھو نا عید تہوار کا موقع ہے اور حسب دستور ملنے ملانے والے آئیں گے اگر حنا اور ماجد بھی آ گئے تو سوچو تمہارے نہ ملنے پر کیا سوچیں گے پھر خاندان والے الگ باتیں بنائیں گے کہ پہلی عید پر بجائے نند کو گھر لانے کے بہو بیگم خود میکہ جا بیٹھی آ گے تم خود سمجھ دار ہو اپنی اور اس گھر کی عزت کیسے بنانی ہے یہ تم پر ہے۔"

"جو سبق اپنی اماں سے سیکھ کر آئے ہیں، مجھے نہ ہی پڑھائیں تو بہتر ہے، کیونکہ میں نے جانے کا ارادہ کر لیا ہے تو آپ لوگوں کی تمام تر چالبازیوں کے باوجود جا کر رہونگی۔" وہ تڑ سے بولی تھی۔

"تو پھر میرا بھی فیصلہ ہے اپنی اماں سے کہو عید پہ ملنے اور بلانے کا اتنا شوق ہے تو خود آ کر لے جائیں میرے پاس اتنے فالتو روپے نہیں کہ لے کر بھی آؤں اور چھوڑنے بھی جاؤں (وہ بھی تحائف سے لدے پھندے)۔" آخری الفاظ وہ دانتوں سے کچکچا کر رہ گیا۔

"لے جائیں گی اتنی گری پڑی نہیں ہوں۔" وہ استری پٹخ کر بولی۔

دوسرے دن سعدیہ نے گھر کا فون نمبر کئی بار ٹرائی کیا اماں سے بات کرنے کو مگر شاید گھو یلو سیٹ خراب تھا کہ مسلسل انگیج ٹون جا رہی تھی جبکہ بھیا اور بھابھی کے نمبر نئے تھے دونوں اس کے پاس نہ تھے، پریشانی سے سوچتے ہوئے اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔

"یہاں لاہور سے شیخوپورہ تک امی کے گھر جانا آدھ گھنٹہ کا تو راستہ ہے کیوں نہ میں خود جا کر کہہ آؤں، ابھی تو بچوں کے سکول سے آنے میں بھی ڈھائی گھنٹے پڑے ہیں اتنے میں واپسی بھی ہو جائے گی اور کسی کو پتا بھی نہ چلے گا، مگر بہانہ کون سا کروں گھر سے نکلنے کو۔" وہ کچھ دیر چہل قدمی کے انداز میں پھرتی رہی پھر اپنا شولڈر بیگ اٹھایا کچھ رقم رکھی اور ساس سے کہا۔

"امی میں اپنے سوٹ پر ڈیزائن بنوانے ٹیلر کے پاس جا رہی ہوں ڈیڑھ دو گھنٹہ تک واپسی ہو جائے گی۔"

"شام کو چلی جانا عدیل کے ساتھ، یوں اکیلی مت جاؤ۔"

"میں اپنی دوست انعم کو ساتھ لے کر جاؤنگی اسے بھی اپنا سوٹ ٹیلر کو دینا ہے۔" اس نے سوچا ہوا بہانہ گھڑا اور رئیسہ خاتون مطمئن ہو کر پھر سے وظیفہ میں مشغول ہو گئیں کیونکہ انعم کے کردار و سیرت اور وضع دار گھرانے کی روایت سے وہ بخوبی واقف تھیں اس کا ساتھ ہونا سعدیہ کے لئے باعث تقویت تھا۔

ٹیکسی والے کو زائد کرایہ دے کر اس نے پون گھنٹہ کا راستہ آدھ گھنٹہ میں طے کیا اور بڑے

مسرور سے انداز میں اپنے گھر داخل ہوئی تو صاف ستھرا چم چم کرتا گھر خالی پڑا تھا، اماں کے کمرے میں جھانکا تو وہ بھی خالی، غسل خانے سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی شاید اماں نہا رہی تھیں۔

"اُف گرمیوں کے روزے آسان تھوڑے ہیں رکھنا، اماں بیچاری بھی کیا کریں نہا کر ہی خود کو پرسکون کرتی ہونگی۔"

"بھابھی کو دیکھتی ہوں کدھر غائب ہیں۔" وہ ان کے کمرے کی سمت بڑھی۔

"ارے بھئی اس سعدیہ کا تو مت پوچھو، اللہ نے ایک ہی نند دی ہے مگر دس کے برابر ہے، نزدیک بیاہنے کا سب سے بڑا نقصان ایک تو یہ ہی ہے کہ محترمہ آئے دن سفری بیگ گھسیٹے سر پر کھڑی ہوتی ہیں اور عید کا تو سارا مزا ہی یہی خراب کرتی ہیں ہر عید پہ میاں اور بوڑھی ساس کو چھوڑ کر ہمارے سینوں پر مونگ دلنے آ پہنچتی ہیں اب آئے دن کون انہیں کپڑے دے دے کر بھیجتا رہے، اپنا خرچ اتنی مہنگائی میں بمشکل نکلتا ہے۔" وہ بولتی ہوئی لمحہ بھر رکیں اور پھر شروع ہو گئیں۔

"سچ پوچھو تو اس بار میں نے پختہ ارادہ کیا تھا امی کے ہاں عید کرنے کا اور وسیم کو بھی منوا لیا تھا کیونکہ میر گمان تھا کہ نو بیاہتا نند کے گھر آنے کی بناء پر محترمہ اس بار تو یقیناً عید سسرال میں کرینگی مگر پھر ساس نے مژدہ سنایا کہ نند صاحبہ تو بوریا بستر سمیٹے کب سے تیار ہیں آنے کو، ہمارے بھی بچے ہیں وہ بھی نانی، خالاؤں، ماموؤں کے لئے بڑ کھتے ہیں اور عید تہوار کے دن جانا تو ویسے بہت اچھا لگتا ہے مگر یہ بلا نازل ہو کے سارا پروگرام چوپٹ کر دیتی ہے۔" وہ نہایت جلے کٹے انداز میں بولی تھیں۔

"بس میں نے تو وسیم سے کہہ دیا ہے کہ چاہے کچھ ہو جائے یہ عید تو میں نے ہر صورت اپنی امی کے ہاں کرنی ہے۔" بھابھی فیصلہ کن انداز میں بولیں۔

سعدیہ ساکت کھڑی ایک ہاتھ سے دیوار کا سہارا لئے بس ہوا سے ہلتے پردے کو دیکھ رہی تھی، کچھ ایسے الفاظ اس نے بھی تو کہے تھے عدیل سے۔

کیسا آئینہ تھا سامنے جس میں اپنا چہرہ نظر آ رہا تھا اور یہ چہرہ کتنا کریہہ تھا کہ جس نے آئینے کو بھی بھیانک کر دیا تھا۔

"دیکھو سعدیہ اپنا گھر اپنا ہی ہوتا ہے اور کسی بھی تہوار یا خوبصورت موقع پر انسان جو سکون اپنے گھر اپنے ساتھی کی قربت میں پاتا ہے وہ کہیں اور تھوڑا ملتا ہے اگر شادی کے بعد بھی تم نے عید وہیں کرنی ہے تو مجھے اس تعلق کا فائدہ؟" عدیل کا لہجہ اس کی سماعتوں میں گونجا تھا۔

اس نے صرف لمحہ بھر میں فیصلہ کیا تھا اپنی خوشیوں اپنے سکھ کو برقرار رکھنے کا اور فوراً سے پیشتر تیز قدموں سے چلتی وہاں سے نکل آئی سڑک پر آتے ہی اپنے روٹ کی ویگن میں بیٹھی اور اگلے گھنٹہ میں وہ گھر تھی آتے ہوئے بچوں کو بھی سکول سے لے لیا تھا۔

☆☆☆

افطاری کے اہتمام کے دوران وہ بہت مسرور سی بڑے دل سے ہر چیز پکا رہی تھی روزہ کھلنے سے پانچ منٹ پہلے اس نے دستر خوان پر کھانا لگا دیا تھا اور تازہ ملک شیک کا بھرا جگ میز سے اٹھا کر وہ گلاس بھرنے لگی کہ افطاری کا سائرن بجنے لگا اس نے مسکراتے ہوئے کھجوریں طاق تعداد میں اٹھا کر ساس اور شوہر کو دیں۔

"میکہ جانے کی خوشی میں بہو کے ہونٹوں سے مسکراہٹ جدا نہیں ہو رہی ہے۔" رئیسہ خاتون نے سوچا تھا۔

"اسے صرف اپنی خوشی، اپنی مرضی عزیز ہے کسی اور کے جذبات سے کوئی سروکار نہیں۔"

عدیل کا دل شکوہ کناں ہوا۔

''ماما صبح انتیسواں روزہ ہے ناں اور ہم صبح نانو کے گھر جائیں گے ناں۔'' اس کے بڑے بچے نے پوچھا تھا۔

''نہیں ہم نانو کے گھر نہیں جائیں گے کیونکہ ہم صبح آپ کی پھپھو کے گھر جائیں گے پھپھو کو لینے کے لئے اور ہم سب یہ عید اپنے گھر منائیں گے آپ کی پھپھو اور انکل ماجد کے ساتھ۔'' وہ ہلکی مسکراہٹ لئے بولی تو عدیل اور رئیسہ بیگم نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا۔

''سچ ماما پھپھو یہ عید ہمارے گھر کریں گی۔'' احسن نے بے یقینی سے کہا۔

''بالکل، آپ کی پھپھو کو میں نے بتا دیا ہے کہ کل ہم انہیں لینے آئیں گے۔''

''ہرا ماما زندہ باد۔'' احسن چونکہ حنا سے بے حد اٹیچ تھا سو خوشی سے اچھل پڑا۔

''اور وہ شاپنگ، تیاری، تمہاری امی کا اصرار۔'' عدیل بولا۔

''امی کو میں نے کہہ دیا ہے کہ عید اپنے گھر پہ اپنوں کے ساتھ کریں گے ہاں عید کے بعد ہم سب دن بھر کے لئے وہاں جائیں گے شام کو پھر اپنے گھر کیوں امی جان میں نے ٹھیک کہا نا۔'' اس نے ساس کو دیکھا۔

''بالکل ٹھیک، اللہ خوش رکھے سدا سہاگن رہو اور اولاد کی خوشیاں سمیٹو، اپنے گھر سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔'' انہوں نے بہو کو گلے لگا کر بھرائے لہجے میں دعاؤں سے نوازا اور نماز کی ادائیگی کے لئے چلی گئیں۔

''سچ پوچھو تو تم نے مجھے خرید لیا، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی جوش و خروش سے تیاری کرنے کے بعد تم یوں فیصلہ بدلو گی کیونکہ ضدی تو تم بہت ہو۔'' عدیل نے اس کے خوبصورت مطمئن چہرے کو دیکھا۔

''آپ کی خوشی اور آپ کی عزت سے بڑھ کر میرے لئے کچھ نہیں، مجھے اپنا سکھ عزیز ہے، فیصلے کا دکھ نہیں۔'' وہ نرمی سے بولی۔

''اور یقین رکھو جاتے لمحے، آتا وقت تمہارے لئے بس خوشیاں لئے ہوئے ہے وہ خوشیاں جن میں اپنائیت بھی ہے سکون بھی اپنے گھر اپنے ساتھی کا بہت سارا پیار بھی۔'' عدیل نے اس کے رخسار پہ جھولتی ریشمی لٹ کو چھوا تھا۔

''اس پیار نے ہی تو مجھے روک دیا اور شکر ہے میں صحیح وقت پر پلٹ آئی دیر نہیں ہوئی تھی وگرنہ یہ ڈھیروں مان یقین اور سکون کہاں تلاشتی یا اللہ تیرا شکر ہے تو نے میری عید کو سچی خوشی عطا کر کے واقعی مجھے عید کرنے کا اہل بنا دیا اور آسمان و زمین کے مالک یہ خوشیاں یونہی مجھے عطا کرتے جانا کہ تیرے سوا کوئی سننے جاننے والا اور دلوں کے بھید سے واقف نہیں تو نیتوں سے باخبر ہے بس مجھے میرے اندر کے شر سے بچا۔'' اس نے پلکیں موندتے ہوئے عدیل کے شانے پر سر ٹکایا اور دل کی گہرائیوں سے اپنی خوشیوں کے لئے دعا کی۔

وہ خوشیاں جواب اس کے گھر در پن اور دل آنگن میں عید کا چاند لے کر اترنے والی تھیں۔

تارے اترے جب پھیلایا دامن کو
عید کے چاند میں دیکھا میں نے ساجن کو
چاند رات کی مہندی مجھ سے کہتی ہے
تم بھی اک پیغام لکھو ناں ساجن کو

یہ کون لوگ ہیں

یمی کرن

دل دہلا دینے والی نیوز تھی، لاہور میں ایک اور خودکش دھما کہ تیس ہلاک دوسو سے زائد افراد زخمی ہوئے تھے، اس نے بے چینی سے چینل بدلا، ہر نیوز چینل پر یہی خبر مختلف شہ سرخیوں کے ساتھ چل رہی تھی، تفصیلات بیان کی جا رہی تھیں، واقعے کو مختلف انداز سے ہر چینل پیش کرنے کی کوشش کر رہا تھا، تجزیات پیش کیے جا رہے تھے حکومت اور اپوزیشن کے رہنماؤں کے حسب سابق ''پرزور مذمت کی بیان'' دیے جا رہے تھے، ہر طرف خون بکھرا تھا آہیں تھیں دکھ، غصہ اور نفرت تھی، منافقانہ رویے تھے، کچھ دیر خاموشی سے دیکھتے رہنے کے بعد اک عجیب سی بے چینی اور اکتاہٹ نے لے لی، دماغی نسوں پر کچھ ایسے بوجھ محسوس ہوا کہ یوں لگا مزید کچھ دیر یہی کچھ چلتا رہا تو کوئی نس دباؤ نہ برداشت کرتے ہوئے پھٹ جائے گی، اس نے نہایت غصے کے ساتھ ٹی وی کا بٹن آف کیا، ریموٹ کنٹرول پٹخا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

شام تک وہ دوستوں کے ساتھ اِدھر اُدھر گھومتا رہا، وقتی ہلے گلے نے اس کے مزاج پر کافی بہتر اثرات چھوڑے۔

رات کا وقت تھا، جب وہ گھر میں داخل ہوا کافی بہتر موڈ کے ساتھ وہ کھانے کی میز پر آیا تھا کہ اس کی بڑی بہن بھی آئی ہوئی تھیں اور گھر میں کافی گہما گہمی اور رونق دیکھائی دے رہی تھی کھانے پر بھی کافی اہتمام نظر آ رہا تھا کہیں بھی دھماکے کے اثرات دور دور تک نظر نہیں آ رہے تھے، زندگی اسی طرح رواں دواں تھی، یہ بے حسی تھی یا مجبوری کیا کہا جا سکتا ہے، یہ دہشت گردی، یہ لہو کی ارزانی، یہ قتل و غارت بھی جیسے آپ زندگی کے معمولات کا حصہ بن چکی تھی اور معمول کی باتوں پر افسردگی یا غم، خوشی یا دکھ کا اظہار بھی معمول کے مطابق ہی کیا جاتا ہے، قوم نے جیسے اس معمول کو بھی زندگی کا حصہ سمجھ کر قبول کر لیا تھا کہ جو زندہ تھے انہیں تو آخر زندہ رہنا تھا اور جب زندہ رہنا تھا تو پھر زندگی کے سب دھندے چلتے رہتے ہیں، یہ بے حسی نہیں تھی تو اور کیا تھا؟

وہ بھی انہی میں سے تھا ان جیسا ہی تھا ہاں کہیں کبھی کبھار قنوطیت کا دورہ پڑ جاتا اور زندگی کے رویوں اور بدصورتیوں پر رک کر غور کرنے لگتا مگر پھر جھٹک کر آگے بڑھ جاتا، آپ بھی وہ یوں ہی سب کچھ جھٹک کر میز پر آیا تھا، کھانا پلیٹ میں ڈالتے ہوئے یونہی ٹی وی پر نگاہ پڑی تو، جیسے دل اچاٹ سا ہو گیا، حالانکہ کوئی اشتہار چل رہا تھا مگر آنکھوں کے سامنے صبح کے مناظر گھوم گئے وہ لہو، قتل و غارت یوں لگا کہ نوالہ حلق میں پھنس سا گیا ہے، پھر ٹی وی پر خبر میں دی جانے لگیں، صبح ہونے والے واقعے کی تفصیلات کو دہرایا گیا، اس کے بعد خودکش حملہ آور کے بارے میں بتایا گیا، مرنے والوں کی فہرست اور تصاویر دی جا رہی تھیں۔

وہ یونہی بے توجہی اور بے دلی سے دیکھ رہا تھا، کہ اچانک سامنے نظر آنے والی تصویر نے اسے چکرا کر رکھ دیا، یوں محسوس ہوا کہ زمین و آسمان یکجا ہو کر گردش کر رہے ہیں اس کے وجود میں دھماکے ہونے لگے، اردگرد جیسے زلزلہ سا آ گیا، جس کی لپیٹ میں جیسے سب کچھ آ گیا تھا، وہ دیوانہ وار ٹی وی سکرین کی طرف لپکا اور اسے قریب سے تھام کر غور سے دیکھنے لگا جیسے اسے کوئی غلط فہمی ہو گئی ہو مگر نہیں سامنے وہی ہستی تھی، وہ خاتون وہ مشفق عورت جسے اس نے اپنی ماں کے بعد سب سے زیادہ چاہا تھا، جس کی عزت کی تھی جو اسے صورت مریم لگا کرتی تھی، وہ اس حادثے کی نظر ہو گئی تھی اور پھر وہ پھوٹ

پھوٹ کر رو پڑا، کسی میں حوصلہ نہیں رہا تھا کہ اسے خاموش کرواتے کیونکہ اس کی دیوانگی و جنون سے ہر فرد واقف و آگاہ تھا مگر آخر کار حوصلہ تو دنیا ہی تھا، بمشکل تمام اسے اس کے کمرے میں پہنچایا گیا حسب سابق تسلی و تشفی دینے کی کوشش کی گئی مگر وہ خاموشی سے سب سنتا رہا، آخر اس کی بہن نے اس کی ماں کو اشارہ کیا کہ فی الحال اسے آرام کرنے دیا جائے۔

اور اب جاوید تھا اور خیالات کا اک جم غفیر، یادوں کی یلغار تھی، عجب سی بے چینی و بے ترتیبی تھی جن میں کبھی کوئی یاد سر اٹھاتی تو لب مسکرانے لگتے اور کبھی کوئی یاد سسکتی تو آنکھیں سمندروں سے ڈوب جاتیں۔

☆☆☆

اس گھر سے اس کا تعلق و رابطہ جڑنے کا واقعہ بھی اپنی نوعیت میں بڑا ہی عجیب تھا، اس کے لب ان لمحات کو سوچتے ہوئے پھیل گئے اور وہ ان لمحات کی جزیات میں ڈوب گیا۔

وہ سکول کے بعد ماسٹر صاحب کے گھر ٹیوشن پڑھنے جس راستے سے جاتا تھا وہاں بھینسیں بندھی ہوئی تھیں ایک دن جب وہ تین چار چھٹیاں کرنے کے بعد وہاں سے گزرنے لگا تو ایک نیا چھوٹا سا کٹا وہاں بندھا تھا، بمشکل ایک دو دن کا وہ کٹا اسے اتنا پیارا لگا، اس کی چمکیلی سیاہ رنگت، چہرے اور آنکھوں کی معصومیت کہ وہ اسے ٹھٹھک کر دیکھنے لگا، شاید بچپن نے بچپن کو کھینچا تھا اپنی طرف یا پھر بچپن ہوتا ہی اتنی معصومیت کا دور، کہ زندگی کا ہر رنگ اچھا پیارا اور پیارا لگتا ہے، زندگی کا وہ دور آنکھ کی وہ سادگی کہ جانوروں میں بھی حسن ڈھونڈ لیتی ہے کیا بچپن اتنی خوبصورت چیز ہے، وہ آگے بڑھا اور پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا معصوم جانور نے بھی گویا پیار کی زبان سمجھ کر ممنونیت اور جوابی کارروائی کے طور پر اس کے ہاتھ کو چاٹا اور سر اِدھر اُدھر ہلایا، رکھوالا اسے دیکھ کر ہنسا اور بولا۔

''ول سوہنا اے پتر ہے نہ۔'' وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا، پھر اس کا روز کا یہ معمول بن گیا وہ جب وہاں سے گزرتا تو اس کٹے کے سر پر ہاتھ ضرور پھیرتا وہ جانور بھی جیسے اس کا منتظر ہوتا جونہی وہ قریب آتا وہ فوراً آگے بڑھتا اور اپنی مانوسیت اور واقفیت کا اظہار کرتا، جاوید کچھ دیر وہاں ٹھہر کر آگے بڑھ جاتا، ایک دن جب وہ گلی کے اس موڑ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک اسی کا ہم عمر بچہ اس کٹے کو پیار کر رہا تھا، وہ کچھ دیر دیکھتا رہا وہ بچہ اسے بڑا اچھا اور معصوم سا لگا وہاں اس محلے میں یوں بھی اس کے دوست ساتھی نہ ہونے کے برابر تھے، اس کے محویت سے دیکھنے پر وہ بچہ اس کی جانب متوجہ ہوا اور جھینپ کر مسکرانے لگا، اسے یہ ادا اتنی اچھی لگی وہ فوراً آگے بڑھا بولا۔

''میں جاوید ہوں اور یہ میرا بھی دوست ہے۔'' وہ بولا۔

''اور میرا نام عاصم ہے۔'' یہ لمحہ تھا جہاں سے اس لازوال دوستی کا آغاز ہوا اور وہ عاصم کے گھر میں ایک فرد کی طرح داخل ہو گیا، جہاں اسے عاصم کی ماں ملی جب پہلی بار اس کی ملاقات ہوئی تو وہ دوپٹے کے ہالے میں لپٹی غالباً نماز سے فارغ ہوئی تھیں اس نے آہستہ سے سلام کیا، عاصم نے بتایا کہ یہ میرا نیا دوست ہے جاوید، انہوں نے بڑھ کر اسے پیار کیا وہ اسے اتنی خوبصورت اور مقدس لگیں کہ جیسے واقعی جنت سے نیچے زمین پر آ گئی ہوں اس جیسے بچے کو اس طرح پیار کرنا، جیسے پری نے جادو کی چھڑی سے چھو کر ہمیشہ کے لئے اپنا اسیر کر لیا، اس گھر میں جانے کی وجہ ہمیشہ اسے عاصم کی امی ہی لگا کرتی تھیں، وہ

پہلی ملاقات ہمیشہ کے لئے اس کے ذہن پر نقش ہو گئی اور آج ٹی وی میں حادثے کی نظر ہونے والی خاتون اس کو اپنا اسیر کر لینے والی پری فنا کے پردوں میں گم ہو گئی تھی، فنا تو مقدر ہے انسان کا مگر آپ کا کوئی پیارا آپ سے یوں چھین لیا جائے تو۔

اس کی سوچیں آوارہ بھٹکتی پھرتی تھی دل کو کسی پل قرار نہیں آ رہا تھا، اس کا کمرہ اور باقی ماندہ گھر اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے، اک وہی تھا جو جاگ رہا تھا سلگ رہا تھا، یادوں کے بوجھ سے چیخ رہا تھا، اک آگ سی تھی ان دیکھی جس نے اسے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا کیا ہو رہا ہے اس ملک میں، اس کا ذہن کسی طرح یکسو نہیں ہو پا رہا تھا، سوچیں، خیالات امڈے چلے آ رہے تھے۔

☆☆☆

اس پہلے دن کی ملاقات کو یاد کر کے جانے کیوں غیر متوقع طور پر اسے وہ کتا بڑا یاد آیا، اسے یاد آیا کہ عاصم سے ملنے کی خوشی اور جوش میں وہ اسے پیار کرنا بھول گیا تھا اور اگلے دن بھی وہ عاصم کے ساتھ وہاں سے گزرا تو اس نے اسے نظر انداز کر دیا اپنی باتوں میں اس نے توجہ ہی نہ دی، دو دن نظر انداز کیے جانے، کے بعد جب تیسرے دن اس نے اسے پیار کرنا چاہا تو کتے نے اسے دیکھ کر منہ پھیر لیا نہ وہ آگے آیا نہ اسے دیکھ کر دم ہلائی نہ اس کے ہاتھ کو سونگھ کر چاٹنے کی کوشش کی اسے محسوس ہوا جیسے وہ معصوم جانور اپنے نظر انداز کیے جانے پر اپنا احتجاج جتا رہا ہے، وہ ازالے کے طور پر کافی دیر اس کے پاس کھڑا معذرتی جملے ادا کرتا رہا اور اسے پیار کرتا رہا اور پھر اسے یوں لگا کہ کتے نے اسے معاف کر دیا ہے، اس تجدید دوستی کے ساتھ عاصم کے ساتھ اس کی دوستی بھی گہری ہوتی چلی گئی، لیکن اس جانور کی معصوم سی محبت نے اس کے دل کو بڑا متاثر کیا تھا اور پھر وہ رستے میں آتے جاتے اسے پیار کرنا نہیں بھولتا تھا، ایک دو دفعہ تو ایسا ہوا کہ وہ اس کتے سے پیار کر رہا تھا کہ عاصم کی امی جنہیں سب کی دیکھا دیکھی وہ بھی بی جان کہتا تھا گزریں اس پیار کے مظاہرے کو دیکھ کر بڑی پیاری چنچل سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر پھیل گئی وہ مسکراہٹ یاد کر کے دل پھیل کر سکڑا تھا جیسے۔

☆☆☆

وہ دو تین دن سے موسمی بخار کی زد میں تھا اس لئے نہ ہی ٹیوشن جا سکا نہ عاصم کے گھر، عاصم اسے گھر دیکھنے آیا تھا اسے دیکھ کر اس کا دل بی جان سے ملنے کو مچل اٹھا، وہ چپکے سے اس کے ساتھ گھر سے نکل آیا، یوں بھی اس کے گھر میں بچوں کے اتنے ناز نہیں اٹھائے جاتے تھے، وہ دونوں گھر سے نکلے جب گلی کے موڑ پر بھینسوں کے باڑے کے پاس پہنچے تو اس نے دیکھا کہ اس کا پیارا سا دوست وہ کتا اسے دیکھ کر بے قراری سے آگے بڑھا اسے بڑی بے چینی سے اسے سونگھنے لگا، اپنا سر اس کے ساتھ رگڑنے لگا، وہ کچھ اس طرح سے اپنی بے چینی و تکلیف کا اظہار کر رہا تھا کہ جاوید کو لگا کہ بس زبان سے ابھی کہہ دے گا کہ "اے دوست کہاں تھے تم، میں اداس تھا تمہارے بغیر۔" یا شاید اس بے زباں کو اپنے محسوسات کو عیاں کرنے کے لئے زباں درکار ہی نہ تھی وہ جو بتانا چاہتا تھا وہ جاوید سمجھ گیا تھا، جاوید کے دل پر اس کی پہلے کی خفگی اور پھر اس انسیت کے مظاہرے نے بڑا گہرا اثر ڈالا تھا۔

اب جو وہ ان یادوں کے البم کو کھولے بیٹھا تھا، جو سمجھ رہا تھا کہ وہ یادیں گرد آلود دھندلی ہو چکی ہیں، مگر ہوا یہ کہ گرد ہٹاتے ہی وہ قیمتی پتھر کی

طرح چمکنے لگی تھیں، مہک رہی تھیں ان سے وابستہ ہر احساس ہر کیفیت کو دوبارہ اس نے اپنے دل پر دستک دیتے محسوس کیا ان لمحوں کو گویا دوبارہ جیا اور یوں لگا کہ وہ تو بے خبری و بے شعوری کا زمانہ تھا اور اب اس نے خود پر نئے در وا ہوتے محسوس کیے۔

گو کہ بظاہر کوئی ربط نہ تھا، مگر آج اسے اپنے دونوں بچھڑے دوست ہمدرد مونس بی جان اور وہ بے زبان جانور بے طرح یاد آئے، پھر اس کی ذہنی رو جیسے بھٹک کر موجودہ حالات پر آ ٹھہری، وہ سوچنے لگا کہ آخر یہ کون لوگ ہیں، اپنے ہیں؟ کیا کوئی اپنا اتنا سنگدل ہو سکتا ہے؟ سنگدل اور بے حسی میں مثال تو جانوروں کی دی جاتی ہے تو کیا یہ جانور بن چکے ہیں؟ اگر یہ جانور بن چکے ہیں تو یہ کس نوع کے جانور ہیں؟ وہ معصوم بے زباں کتا بھی تو جانور ہی تھا؟ اس نے اپنی ناراضگی بھی جتائی اس کے غلط رویے پر اپنے احتجاج کا اظہار بھی کیا؟ اور اس کی غیر موجودگی و اس کی تکلیف کو محسوس کر کے اپنی محبت اور بے چینی بھی۔

تو کیا یہ ان مویشیوں سے بھی گئے گزرے ہو گئے ہیں کیا ان کے منہ کو خون لگ گیا ہے، یہ اپنے تھے بھی تو اب اپنے نہیں رہے مگر کیا کوئی اپنا اس حد تک بھی بیگانہ ہو سکتا ہے؟ کیا ان کو ہماری آہیں، سسکیاں نہیں سنائی دیتیں؟ یہ کوئی بیگانے ہیں؟ یا یہ اپنے اور بیگانوں کے بیچ بھید بھرے نقاب لگا کر وار کر رہے ہیں، یہ کون ہیں؟ وہ زور زور سے چیخا یہ کون ہیں؟ یہ اپنے تھے تو جانوروں سے بھی بدتر کیوں ہو گئے ہیں، اگر اور اگر غیر ہیں تو پھر اپنے کہاں چلے گئے؟ وہ ان کے ساتھ کیوں کھڑے ہیں وہ تو حق کے لئے اٹھے تھے، اتنا لہو دیکھ کر وہ کیوں خاموش ہیں، میں تو غیر تھا میرے غیر ہوں مگر یہ تو اپنوں کے لہو سے ہاتھ بھگو رہے ہیں مگر نہیں انہوں نے مجھے بھی کہاں چھوڑا انہوں نے میری ماں مریم میری پری مجھ سے چھین لی، انہوں نے کسی کو نہیں چھوڑا، مجھے مارتے تو میں سمجھتا کہ میں ان میں سے نہیں مگر یہ تو اپنوں کو مار رہے ہیں، کیا انہیں اپنا نہیں سمجھتے؟ کیا خود کو اپنے آپ کو اتنا برتر سمجھتے ہیں کہ معصوم انسانوں کو حشرات الارض کی طرح مسل رہے ہیں؟ اگر کوئی ان جیسا نہیں تو کیا اس کو جینے کا حق نہیں؟ یا وہ ان جیسا ہو جائے یا پھر مر جائے یا مار دیا جائے؟ اوہ خدایا یہ کون لوگ ہیں؟ جاوید ہذیانی انداز میں چیخنے لگا، چیختے چیختے اس کی آواز بیٹھ گئی اور گلے کی نسیں پھول گئی ان کا کوئی دین کوئی مذہب نہیں، نفرت کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، یہ جن کو مار رہے ہیں انہوں نے ان کا کچھ نہیں بگاڑا، ان پر ظلم ہم نے نہیں کیا، یہ جنتوں کی تلاش میں نکلے تھے اور غیروں کا آلہ کار بن گئے اور وہ غیر وہ عفریت سب کچھ کھا جائیں گے ہر شے نگل جائیں گے ان کو بھی نگل جائیں گے، اس کی چیخ و پکار پر سارا گھر اکٹھا ہو گیا، بالآخر اسے سکون آور انجکشن لگا کر لٹا دیا گیا، آہستہ آہستہ سب اس کے کمرے سے چلے گئے۔

اس نے بی جان سے مل جانے کے بعد جیسے زندگی کے نئے سبق سیکھے تھے، ذہن کو دوسرے زاویے ملے تھے، جہاں سے زندگی کو اس نے ہر رخ سے دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی تھی، بی جان سے مل کر اس کی بہت سے محرومیوں اور احساس کمتری کا ازالہ ہو گیا تھا، جیسے پارس کسی خاک کو بھی چھو لے تو سونا کر دے کچھ ایسا ہی ہوا تھا اس کے ساتھ۔

کہاں وہ؟ کیا تھا وہ؟ اقلیتی کمیونٹی سے تعلق رکھنے والا لوئر مڈل کلاس کی عیسائی فیملی جو اپنے

سیاہ رنگ و روپ اور مخصوص نقوش سے دور سے پہچانے جاتے ہیں، عزت دار مگر غریب گھرانہ باپ اس کا کلرک تھا اور ماں ایک سکول ٹیچر کی بیٹی، پانچ بہن بھائی تھے وہ، دو بھائی اور ایک بہن اس سے بڑے تھے اور ایک بہن اس سے چھوٹی، اس کی ماں مختصر آمدنی کے ساتھ گھر چلانے میں نڈھال ہو جاتی گھر کے ہر کونے سے غربت ڈیرے ڈالے نظر آتی، اس پر مستزاد یہ کہ ان کا گھر جس علاقے میں تھا یہاں ان کی اپنی کمیونٹی نہ ہونے کے برابر تھی ہاں بڑی سڑک اور لمبی گلی عبور کر کے عیسائیوں کا محلّہ تھا، جہاں وہ رہتا تھا وہ مسلمانوں کا تھا اس محلے میں کوئی ان کو زیادہ منہ نہ لگاتا تھا بلکہ والدین اپنے بچوں کو ان بہن بھائیوں سے کھیلنے سے منع کرتے تھے ان کے گھر کسی غمی خوشی پر پڑوس کی خواتین ان کے گھر کھانے پینے سے پرہیز کرتیں، بلکہ اگر کبھی وہ کسے بچے کے ساتھ اس کے گھر چلا جاتا تو اسے ایک مخصوص گلاس میں ہی پانی دیا جاتا اور کسی کے ہاں کہاں ایک دوست ککو ہی تھا جس کے گھر وہ کبھی کبھار چلا جاتا تو اس کی بدمزاج دادی فوراً کہتی۔

''ارے میرے دیوان پر نہ بٹھائیو نماز پڑھنی ہے ناپاک ہو جائے گا۔'' وہ گھبرا کر باہر نکل آتا اور بار بار دیکھتا کہ اسے ایسا کیا لگا ہے؟ حالانکہ وہ ایک غریب مگر غرت دار عیسائی خاندان سے تعلق رکھتا تھا شاید غربت ہی اس کا سب سے بڑا جرم تھا، ایسے میں اسے لگتا کہ وہ کسی پرائے دیس میں رہتا ہے اور جب کبھی سڑک اور لمبی گلی پار کر کے اپنے نانا اور چچا کے گھر جاتا تو اسے لگتا کہ وہ واقعی کسی اپنی دنیا میں آ گیا ہے مگر ایسا کبھی کبھار ہی ہوتا گھر کے حالات اجازت ہی نہ دیتے تھے۔

ان حالات میں اس کا احساس کمتری اور محرومی کا شکار ہو جانا کوئی اچنبھے کی بات تو نہ تھی، اپنی ان محرومیوں میں گھرا ہوا تھا وہ جب اس کی دوستی عاصم سے ہوئی اور وہ بی جان سے ملا، اسے لگا کہ بی جان کو اس بات سے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا کہ وہ عیسائی ہے نہ ہی اس گھر میں اس کا کوئی گلاس پلیٹ مخصوص کیا گیا، بلکہ عاصم اور وہ بعض اوقات ایک ہی پلیٹ میں بھی کھا لیتے تو وہ کنکھیوں سے دیکھتا کہ کہیں بی جان کے ماتھے پر کوئی تیوری تو نہیں کہیں وہ عاصم کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ تو نہیں کر رہیں کہ وہ ایسا نہ کرے مگر ایسا کبھی نہیں ہوا اور وہ جو اس کے دل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت جنم لے رہی تھی احساس محرومی بڑھ رہا تھا اور نفرت سے ضرب کھا رہا تھا، جب وہ لوگ اسے خود سے ہر لحاظ سے بہتر و برتر نظر آتے عالی و معاشی لحاظ سے حتیٰ کہ اکثریت شکل و صورت میں بھی تو کبھی اسے اپنی سیاہ رنگت پر غصہ آتا اور کبھی اپنی غریبی پر اور کبھی وہ ان سے شدید نفرت محسوس کرتا لیکن ان [illegible] سلگتے جذبات پر تب چھینٹے پڑ گئے جب وہ بی جان سے ملا، انہوں نے منہ سے تو کچھ [illegible] بس اپنے عمل و رویے سے اسے بتایا کہ وہ بالکل ان جیسا ہے...... جاوید نے بڑی تلخی سے سوچا، [illegible]، ہم منافق ویسے منافق لیڈر ڈھونڈ لیتے ہیں جو تمام عمر صرف باتیں کرتے ہیں، ان کے بیان سنو تو لگے ان سے زیادہ تو ہمارا ہمدرد کوئی ہو نہیں سکتا، لیکن ان کا قبلہ و کعبہ صرف ان کے مفادات ہیں، ان کے رویے صرف محروم پیدا کرتے ہیں اور محروم کبھی کبھار دہشت گرد بن جاتے ہیں بنا دیے جاتے ہیں اور بنا لئے جاتے ہیں۔

یہ سوچتے سوچتے جاوید کے دل میں ایک خیال زہریلے ناگ کی طرح لہرایا میں بھی تو محروم و مجبور تھا نہ نفرت کا شیطان مجھ پر بھی غلبہ پا لیا کرتا تھا مگر اتنی نفرت کہ آپ کسی کو ایسے مار دیں، نہیں نہیں اس نے سینے پر کراس بنایا میرے یسوع باپ نے تو کہا کوئی ایک تھپڑ مارے تو دوسرا گال آگے کر دو، نفرت کے باوجود یہ میرے اپنے ہیں، ہاں یہ لوگ میرے اپنے نہیں ہو سکتے جنہوں نے میری بی جان کو مار دیا اس بی جان کو جس نے اس کالے سیاہ بد صورت بچے کو محرومیوں کے دھوئیں میں مزید سیاہ ہونے سے بچایا۔

اور بی جان کی میٹھی نرم یادوں میں وہ ایک بار پھر سسکنے لگا، انہی ٹھنڈی میٹھی یادوں میں سسکتے سسکتے آخر نیند آ ہی گئی۔

☆☆☆

صبح اٹھتے ہی اس نے فون پر عاصم سے رابطہ کیا اور وہ دونوں بے آواز سسکتے رہے جاوید نے اسے پہلی فرصت میں اپنے پہنچنے کی اطلاع دی، عاصم نے بتایا کہ لاش کی حالت کے باعث تدفین رات ہی کر دی گئی تھی تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔

جب جاوید اور عاصم میٹرک میں آئے تو عاصم اپنے خاندان کے ساتھ لاہور شفٹ ہو گیا، رابطہ بس فون پر یا کبھی آنے جانے تک محدود ہو کر رہ گیا، جاوید کے دونوں بڑے بھائی دسویں کر کے لیبر کے طور پر کینیڈا چلے گئے وہاں سے جب بھاری رقوم آنے لگیں تو گھر کے حالات بدل گئے، معاشرے میں پوزیشن بدلی تو لوگوں کے رویوں کی بدصورتی میں بھی کمی آ گئی، انہوں نے اچھے علاقے میں گھر خرید لیا، جہاں کچھ کرسچین خاندان بھی آباد تھے بی جان کا دیا اعتماد و تربیت اور حالات کی تبدیلی نے جاوید کے مزاج میں بہت بہتری پیدا کی اور اب وہ پہلے جیسا کرخت و تلخ خو نہ رہا، وہ جو پہلے رویہ تھا محبت کی چاہ رکھتے ہوئے نفرت کی انتہا کر دینا بی جان نے اسے ایک نارمل انسان کے طور پر جینے کا سلیقہ سکھایا، حیرت انگیز طور پر مسلمان کا تصور وا میج ہی اس کے ذہن میں بدل دیا جب کبھی سوچنے بیٹھتا تو مسلم لفظ ذہن میں آتے ہی بی جان کے پیکر میں ڈھل جاتا، وہ بی جان جو لمبی لمبی تسبیحوں کی نمائش نہیں کرتیں تھیں نمازوں نفلوں کو بڑھا چڑھا کر بیان نہیں کرتی تھیں گن گن کر اپنی کتاب قرآن نہیں پڑھتیں تھیں مگر پھر بھی مسلم اور اسلام کو جتنا سمجھا ان سے سمجھا باتوں باتوں میں بڑے طریقے سلیقے سے کہ بچے کو بوجھ بھی نہ لگے اور اپنے رسول کی باتیں و واقعات سمجھا کر عمل کی ترغیب دینا، اس کی بائیں ہاتھ سے کھانے کی عادت انہوں نے ہی چھڑوائی تھی اور بڑے پیارے طریقے سے اس کی حکمت بھی بتا دی، جاوید کو صاف ستھرا رہنے کی تلقین کرتے ہوئے بتایا کہ دیکھنا روز نہانے سے تم پیارے اور گورے لگو گے، نہا کر گردن پر پاؤڈر لگانے پر آئینے نے کہا وہ اتنا ہی کالا ہے تو جاوید نے بڑی دلگرفتگی سے بی جان سے پوچھا تھا کہ وہ انہیں برا کیوں نہیں لگتا وہ عیسائی ہے تو آپ مجھ سے نفرت کیوں نہیں کرتیں تو انہوں نے جواب میں پوچھا بائبل پڑھتے ہو، اس نے نفی میں سر ہلایا تو بی جان نے اپنی کتاب میں سے ماں مریم، یسوع باپ کا قصہ سنایا اور اپنے نبیؐ کے کتنے واقعات بتا کر سمجھایا کہ وہ کیسے نفرت کر سکتیں ہیں اس سے اور آج وہ بی جان اتنے علموں والی عقلوں مرتبوں والی، وہ جو تقابلی ادیان کی پروفیسر تھیں وہ بی جان اپنے کسی مسلمان بھائی کے ہاتھوں...... مگر کون بتائے گا کہ وہ مرنے مارنے والا واقعی مسلمان ہی تھا مگر گمراہ کر دیا گیا تھا اپنی نفرت محرومیوں کے

شیطان کے ہاتھوں یا پھر وہ کوئی غیر تھا کسی غیر نے نقب لگائی ہے، پھر سلگتا چیختا سوال اس کے ذہن میں جاگا آخر یہ کون لوگ ہیں؟

☆☆☆

اگلے دن جاوید لاہور عاصم کے گھر پہنچ گیا، وہ گھر بی جان کے بغیر کتنا سونا اور ویران لگ رہا تھا مگر ہر شے میں ان کی خوشبو بسی تھی، ان کے سر سراتے ملبوس کی، ان کی مسکراہٹ کی، گھر کی سوگواری چیخ چیخ کر کہتی تھی کہ جانے والا جا چکا۔

بی جان کے کالج سے اور دیگر عزیز و اقارب تعزیت کے لئے آتے رہے اور پھر رات کو وہ اور عاصم تھے اور گزرے روز و شب کی باتیں تھی، چھوٹے چھوٹے واقعات ننھی منی یادیں جیسے تسبیح کے دانوں کی طرح گرتی اڈتی چلی آتی تھی جنہیں دہرا کر وہ دونوں کبھی روئے اور کبھی مسکرائے، جاوید سوگواری سے بولا۔

''عاصم مجھے لگتا ہے کہ تمہاری میری دوستی کے درمیان جو زنجیر تھی ہمیں کرتی تھی آج وہ ٹوٹ گئی ہے کہیں تم مجھ کو دھتکار تو نہ دو گے۔'' تو عاصم نے بے اختیار اسے اپنے سینے سے بھینچ لیا۔

''کیا کہتے ہو پگلے ایسی باتیں کر کے میری ماں کی محنت اکارت نہ کرو وہ اعتماد و اعتبار کا پودا جو انہوں نے لگایا تھا اسے مت اکھاڑو، جو تسلیم کو خو تمہیں ڈالی تھی جو رب کی وحدت و حقانیت پر بھروسہ کر کے عمل کرنا سکھایا تھا بی جان جیسا عاقل فاضل نہ سہی مگر ان کا بیٹا تو ہوں ان کی خوشبو مجھ میں ڈھونڈ لیا کرنا۔'' اور دونوں یار گلے لگے پھر سے اشکبار ہو گئے۔

باتیں ہوتی رہیں رات ڈھلتی رہی دونوں نے یہی باتیں کرتے کرتے عاصم نے جاوید سے پوچھا۔

''یار تجھے وہ کتا یاد ہے پرسوں جب تیرا فون آیا تو جانے کیوں وہ مجھے بڑا یاد آیا بڑا پیارا جانور تھا۔'' جاوید روتے روتے پھر ہنس پڑا بی جان کی یادوں کے ساتھ وہ مجھے بھی بڑا یاد آیا اور تجھے وہ پپی یاد ہیں جو تیرے گھر کے باہر اپنی ماں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے اور غوں غاں کی آوازیں نکالتے ہم آتے جاتے بس ذرا ٹھٹھک کر انہیں دیکھا ہی تو کرتے تھے یا شاید ایک دو دفعہ بلایا ہو مگر ہوا یہ کہ جونہی ہم آئے یا دروازہ کھلا وہ بھاگ کر ہماری طرف آ جایا کرتے پیروں میں لوٹنے کی کوشش کرتے اور بی جان نے ہنس کر کہا تم لوگوں کے دوستوں میں اضافہ ہو گیا ہے خیریت تو ہے جانور تم لوگوں کو اتنا پسند کریں کرتے ہیں کچھ اپنائیت کا معاملہ لگتا ہے اور ہم دونوں بیک وقت شرمندہ بھی ہوئے اور خوب ہنسے بھی۔

اس کے بعد اک چپ کا طویل وقفہ آیا اور عاصم بولا۔

''یار میں سوچتا ہوں کہ اگر جانور میں محبت کا جذبہ اتنا گہرا اور اسے سمجھنے کا احساس اتنا شدید ہے وہ اپنے پرائے کے فرق سے آشنا ہے محبت کرتا ہے ناراض بھی ہو تو مالک پر غراتا ہے مگر کاٹتا نہیں تو تو یہ کون لوگ ہیں جو جو یہ کہہ کر عاصم کی آواز کپکپا گئی اور جاوید وہ سوچ رہا تھا انسان کا انسان ہونا شرط ہے وہ چاہے عیسائی ہو یا مسلم ہندو ہو یا سکھ بس انسان ضرور ہو اس قتل بے گناہ پر سوچتا ضرور ہے کہ یہ لوگ آخر کون ہیں، مجبور مغلوب ہو شوریدہ جذبات سے اک بار قتل ناحق کا سوچ کر لرز اٹھتا ہے وہی دل جو نفرت سے سیاہ بھی ہو اپنوں کی محبت میں جوش مارتا ہے تڑپ اٹھتا ہے تو پھر یہ خون ناحق جو بکھرا ہے در و دیوار پر کیا یہ لوگ انسان ہیں، انسان ہیں تو کس قبیلے کے؟ کیا لائق ہیں انسان کہلانے کے، غیر ہیں اپنے ہیں کون ہیں؟ آخر یہ لوگ کون ہیں؟''

☆☆☆

ستاروں کے آئینے میں

دُرِ شجر

LEO

برج اسد

سیارہ شمس

24 جولائی تا 23 اگست

نام کے پہلے حروف

م

نام کے پہلا حرف ....م

نشان ....شیر

عنصر ....آگ

خوش بختی کا ہندسہ............ 1

دوسرے بروج سے تعلقات

بہترین ....حمل عقرب

بہتر ......سرطان، جوزا، سنبلہ، میزان

غیر یقینی..................ثور اور دلو

غیر جانب دار............حوت

اسد افراد پورے دائرۃ الروج میں سب سے زیادہ کشش رکھتے ہیں، اکثر اداکار برج اسد سے تعلق رکھتے ہیں یا ان کے زائچہ میں برج اسد کے اثرات قوی ہوتے ہیں، برج اسد کے اثرات ان افراد میں مقناطیسی کشش پیدا کرنے کا موجب ہوتے ہیں۔

تمام بروج جذبات کی شدت میں اضافہ کرتے ہیں، لیکن برج اسد واحد ایسا برج ہے جو محبت کی شدت میں اضافہ کرتا ہے، محبت کے نشیب و فراز سے ان کی زندگی کا تانا بانا بنتا ہے، وہ پوری زندگی محبت کے مفہوم اور نوعیت کو سمجھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، وہ بہت جلد یہ محسوس کر لیتے ہیں کہ محبت تخلیق کا سرچشمہ ہے۔

وہ کبھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے اور اپنے جذبات کے بارے میں نپی تلی رائے رکھتے ہیں، وہ جب تک کسی ایک سے زندگی بھر کے لئے وابستہ نہیں ہو جاتے، اس وقت تک وہ کسی بھنورے یا تتلی کی مانند ایک پھول سے دوسرے پھول تک منڈلاتے رہتے ہیں۔

رومانوی:۔

اسد افراد رومانیت سے بھرپور ہوتے ہیں، وہ اپنی ہر ملاقات میں محبت کے حصار کو مضبوط سے مضبوط تر کرتے چلے جاتے ہیں، وہ بھرپور زندگی گزارنا چاہتے ہیں لیکن اپنے دل کو قابو میں رکھنے کا فن بھی جانتے ہیں اور اگر ان کی انا

آڑے آجائے تو ان کا جوش و جذبہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے، ان کے جذبات انہیں تصورات کی پرواز کی انتہا پر لے جاتے ہیں۔

شاہی انداز سٹائلش:۔

اسد افراد شاہانہ سٹائل کے مالک ہوتے ہیں، ان میں کوئی ایسی خاص بات ہوتی ہے کہ لوگ ان کی شخصیت کا نوٹس لئے بغیر نہیں رہتے وہ ہمیشہ اپنے قد سے زیادہ اونچے نظر آنے کی کوشش کرتے ہیں اور لوگوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے میں کامیاب رہتے ہیں۔

وہ عموماً اپنی شخصیت سے اثبات ذات، ڈرامائی کیفیت اور شان و شوکت منعکس کرتے ہیں، وہ آتشی اور گلابی رنگ پسند کرتے ہیں لیکن انہیں زمینی اور آسمانی رنگ بھی پہننے چاہئیں جو کہ ان کی شخصیت میں چار چاند لگا دیں گے۔

روایتی، گومجوش:۔

اسد افراد خواہ عوام سے تعلق رکھتے ہوں یا خواص سے، بہر صورت ان کا انداز شاہانہ ہوتا ہے اور بڑے آدمیوں کی طرح لئے دیئے سے رہتے ہیں، وہ پہلی ملاقات میں ہمیشہ Reserve رہتے ہیں، وہ یہ پسند کرتے ہیں کہ ان کا لوگوں سے تعارف روایتی انداز سے ہوتا کہ بعد میں وہ ان کے بارے میں تسلی سے غور و فکر کر کے آئندہ تعلقات کی نوعیت کا لائحہ عمل تیار کرسکیں۔

وہ گرمجوشی شخصیت کے مالک ہوتے ہیں لیکن یہ گرمجوشی وہ پہلی ملاقات میں ظاہر نہیں کرتے بلکہ ان کا روایتی انداز بعد کی ملاقاتوں میں ان کی فطری گرمجوشی کے لئے بتدریج راہ ہموار کرتا ہے، وہ محفل کے اچھے ساتھی ثابت ہوتے ہیں۔

عزت نفس کا احساس:۔

اسد افراد تصور کرتے ہیں کہ روئے زمین پر کوئی ایسا کام نہیں ہے جسے وہ سر انجام دینے سے قاصر ہوں، وہ عموماً ایک اچھے منتظم اور ایک ذمہ دار سربراہ ثابت ہوتے ہیں، وہ لوگوں کو صلاح و مشورہ دے کر خوشی محسوس کرتے ہیں۔

اسد افراد کا عزت نفس کا احساس بالخصوص ان کے دور شباب میں، ذاتی معاملات میں ان کی خود انحصاری کے احساس سے زیادہ ٹھوس ہوتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ عدم تحفظ کے احساس کا بھی شکار ہوتے ہیں۔

اسد افراد انتظام و انصرام پسند کرتے ہیں، ان کی خواہشات کے راستے میں خوف و خدشات کے جو اژدھے پھنکارتے ہوئے رکاوٹ ڈالتے ہیں، وہ ان سے بخوبی آگاہ ہوتے ہیں، اسد افراد کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا شخص جو اپنے بارے میں مضبوط شعور رکھتا ہو اور اپنی ذات کو پسند بھی کرتا ہو، اسے کسی بیرونی فرد کی طرف سے شناخت کی ضرورت نہیں ہوتی خواہ یہ شخص ان کے کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو۔

تخلیقی صلاحیتیں، ذاتی نمو:۔

اسد افراد تخلیقی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔

اسد افراد خود ہی اپنا قیمتی اثاثہ ہوتے ہیں، وہ کسی بھی قسم کی خدمات یا پیداوار کو ہاتھ میں لیتے ہی اس پر اپنی قابلیت کی مہر ثبت کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں کامیابی ان کے قدم چومتی ہے، فیشن میں نت نئی ترمیم کر کے اس کے حسن میں اضافہ کرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ ہے، اگر وہ آرٹسٹ

ہوں تو رنگوں کا ایک ایسا خوبصورت اور پرکشش امتزاج کرتے ہیں کہ ہر ایک کی توجہ کا باعث بنتے ہیں۔

ملنسار، فرمائشی:۔

اسد افراد تعلقات میں پیچیدگی اختیار نہیں کرتے بلکہ وہ بہت سادہ اور ملنسار طبیعت کے حامل ہوتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ وہ لوگوں کے ساتھ فیاضانہ برتاؤ کرنا پسند کرتے ہیں، یہ سب کچھ وہ کسی لالچ یا توقع کے بغیر کرتے ہیں، تاہم لاشعوری طور پر وہ یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی ان کے ساتھ محبت اور شفقت کے ساتھ پیش آئیں۔

وہ اپنے لئے بہت اعلیٰ وارفع مقاصد متعین کرنے کا رحجان رکھتے ہیں، وہ اپنی بہترین صلاحیتوں سے کم نظر آنا پسند کرتے ہیں، خال خال ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ کم تر درجہ کی اشیاء اور افراد میں گھرے نظر آئیں۔

وہ اپنے محبت کرنے والوں کے ساتھ دریا دلی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور جواب میں ان سے کم و بیش اسی قسم کے ردعمل کی توقع رکھتے ہیں، وہ اکثر خصوصی توجہ کے طلبگار رہتے ہیں بالخصوص جبکہ وہ پریشانی کا شکار ہوں، اگر ان کے اہمیت ذات کے جذبہ کو اخراج کی راہ نہ ملے تو وہ بدترین قسم کے آمر ثابت ہوتے ہیں۔

شوقیہ نفسیاتی معالج:۔

اسد افراد اس بات کے لئے مشہور ہیں کہ وہ جو چاہتے ہیں، وہی بات کرتے ہیں یعنی ان کے دل کی بات ان کے لبوں پر ہوتی ہے سوائے اس وقت کے جب وہ کسی وجہ سے کوئی سیاسی چال چل رہے ہوں، وہ مطلب کی بات کرنا پسند کرتے ہیں، وہ منافقت پسند نہیں کرتے، وہ لوگوں کو صلاح و مشورہ دینا پسند کرتے ہیں، کیونکہ اس سے ان میں اپنی اہمیت کا احساس اجاگر ہوتا ہے۔

اسد افراد کو چاہیے کہ دوسروں کو مشورے دینے کا شوق اسی صورت میں پورا کریں جب ان سے مشورہ مانگا جائے، اس طرح ان کی زیادہ تعریف و توصیف کی جائے گی۔

جذبات ابھارنے والے:۔

اسد افراد اکثر لیڈر ثابت ہوتے ہیں، وہ اپنے حمل اور قوس بھائیوں کی نسبت کم گو ہو سکتے ہیں لیکن وہ اپنی تقلید کرنے والوں کے لئے ایک مخصوص کشش رکھتے ہیں اور اعلیٰ کارکردگی کا ریکارڈ رکھتے ہیں، ان کی زیادہ تر توجہ اپنی انتظامی صلاحیت اور حکمرانی کی خواہش کے ساتھ ذاتی سٹائل کو مربوط کرنے پر ہوتی ہے، جو ان کی زندگی بالخصوص محنت کی زندگی کو مستحکم کرتی ہے، ایک میدان میں کام آنے والی صلاحیت دوسرے میدان میں کام آنے والی صلاحیت سے مختلف ہو سکتی ہے اور اسد افراد کو یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

تحکمانہ، مغرور:۔

اسد افراد کے رویوں کی بناء پر ان کے کیریئر اور نجی زندگی میں مسائل اٹھ کھڑے ہو سکتے ہیں بالخصوص اس وقت جب وہ کسی کی مدد پر کمربستہ ہوتے ہیں، وہ ہر معاملہ میں بلا سوچے سمجھے کود پڑتے ہیں اور دوسروں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ معاملہ سے پوری طرح باخبر ہیں۔

اسد افراد عاجزی و انکساری سے کوسوں دور

ہوتے ہیں، وہ کیشیئر بننے کی بجائے خود سٹور چلانا پسند کرتے ہیں، وہ کمپنی کے صدر تک کو یہ کہہ دیتے ہیں کہ بزنس کس طرح کیا جاتا ہے، دوسروں کے پھڈے میں ٹانگ اڑانا ان کا دل پسند مشغلہ ہے، ان کا فطری تحکمانہ انداز ان کی کامیابی کا راز ہوتا ہے اور ان کا فخر اعتماد اور قوت کا ذریعہ ثابت ہوسکتا ہے، ان کی یہ خصوصیات انہیں مسابقت کی دوڑ میں شامل ہونے اور فتح حاصل کرنے کے لئے اکساتی ہیں۔

معصومانہ، مزاحیہ:۔

اسد افراد کی مقبولیت کا اہم ترین راز یہ ہے کہ وہ اپنے اندر کے خوبصورت اور معصوم بچے کو مرنے نہیں دیتے، وہ بچوں کی طرح تصورات کی دنیا آباد رکھتے ہیں، جب ان کا بچہ اپنے کسی پالتو جانور کے سامنے اپنی مہمات انگلیوں پر گنوا رہا ہو تو وہ مسکراتے ہوئے سر ہلاتے رہتے ہیں، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ اسد افراد علامتی دنیا سے مسحور ہوتے ہیں، دوسرے یہ کہ وہ پیسے کے بارے میں لاپرواہ ہوتے ہیں اور اس لئے پیسے کو اپنے تصورات کی تکمیل کے لئے استعمال کر کے خوش ہوتے ہیں۔

بھروسہ کرنے والے:۔

اپنی بچگانہ فطرت کی بناء پر وہ لوگوں پر بہت جلد اعتماد کرنے کا رجحان رکھتے ہیں، وہ ان بچوں میں سے ہوتے ہیں جو بڑوں کی اس نصیحت ''اجنبیوں سے ٹافی مت لو'' پر کان نہیں دھرتے، وہ بہت کم افراد اور طریق کار کے ڈبل چیک کی کوشش کرتے ہیں، سادگی اور سستی کا امتزاج ان کے لئے بڑے نقصانات کا شاخسانہ بھی بن سکتا ہے۔

مضبوط:۔

آتشی برج ہونے کے ناطے اسد افراد زندگی کے ہر معاملہ میں جواء کھیلنے کے عادی ہوتے ہیں لیکن خطرات مول لینے کے عادی ہونے کی بناء پر وہ بعض اوقات اپنی تصوراتی پروازوں کو حقیقت کا نام دے بیٹھتے ہیں، تاہم اگر وہ چاہیں تو ہمت سے کم لے کر اپنے خوابوں کو حقیقت کا روپ دے سکتے ہیں، وہ اندرونی طور پر بہت مضبوط ہوتے ہیں بالخصوص تیزی سے بدلتی ہوئی اقدار کے ادوار میں ان کے اعصاب مضبوط رہتے ہیں۔

ڈرامائی، نمائشی اداکار:۔

اسد افراد ڈرامائی کیفیت پیدا کرنے کا رجحان رکھتے ہیں، وہ ہر انداز واطوار یا واقعہ میں مضمر ڈرامہ کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں اور اسے دوسروں کے سامنے لانے میں کامیاب رہتے ہیں، اگر وہ اپنے جیون ساتھی سے لڑ بیٹھیں تو عارضی طور پر ہی سہی وہ یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ دنیا ان کی نظروں کے سامنے اندھیر ہوگئی ہے، غیر معمولی کردار اور انداز زندگی کو دوسروں کے سامنے بطور نمونہ پیش کرتے ہیں، شوبز کا مادہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔

خود آگاہ:۔

اسد افراد چونکہ پیدائشی اداکارہ ہوتے ہیں، اس لئے وہ اپنے انداز واطوار اور چہرے کے تاثرات سے دوسروں کی نسبت بخوبی آگاہ ہوتے ہیں، وہ اکثر آئینے کے سامنے یہ سیکھنے کے لئے مشق کرتے رہتے ہیں کہ اپنے مطلوبہ اثرات مرتب کرنے کے لئے بھنویں کس طرح اٹھائی

جاتی ہیں یا مسکراہٹ کیسے دی جاتی ہے، وہ کسی بھی قسم کا کردار ادا کرنے کے لئے مستعد رہتے ہیں۔

ناپختہ، غیر حساس:۔

اسد افراد دنیا کے بارے میں ایک بچے کا سا تصور و تخیل برقرار رکھتے ہیں اور دلکش نظر آتے ہیں لیکن یہ ان کی پختگی کی راہ میں رکاوٹ کا باعث بھی بن سکتا ہے۔

ان کی خواہشات اس قدر قوی ہوتی ہیں کہ وہ انہیں دوسروں پر ٹھونس بھی سکتے ہیں یا وہ اس قدر کامیاب ہوتے ہیں کہ وہ متفرق اور متضاد ضروریات اور تصورات کے بارے میں حساسیت کی نمو نہیں کر سکتے، جب ایک بار ان کا ذہن کسی بات پر اڑ جائے تو پھر اسے بدلنا بہت مشکل ہوتا ہے اور وہ کسی اچھے اداکار کی طرح خود کو باور کرانے میں کامیاب رہتے ہیں کہ ان کی رائے ہمیشہ درست ہوتی ہے۔

☆☆☆

اسد عورت

اپنی بہترین شکل میں اسد عورت نسوانیت کی معراج ہے اور حسن وعشق کو خوبصورت دیوی کہلائی جا سکتی ہے، اسے روئے زمین کی خوبصورت ترین ہستی بننے کے لئے اپنی انا اور غرور کی زنجیروں کو توڑنا ہوگا، اس طرح وہ ایک محبت کی دیوی ہوگی۔

اسد عورت کا تعلقات میں سب سے بڑا چیلنج اپنی خود غرضی پر قابو پانا اور تعلقات میں اپنے آپ کو ایک فعال کردار کی حیثیت سے پیش کرنا ہے۔

اسد عورت اپنی پسند وناپسند کے بارے میں کسی الجھن کا شکار نہیں ہوتی، وہ جس شے کو چاہتی ہے، اس کو پسند بھی کرتی ہے اور اس شے کے حصول میں بے شمار، تکالیف کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کرتی ہے، وہ پختہ عزم، مغرور، آمریت، اکھڑ پن، تواضع اور شیخی بگھارنے کی خصوصیات رکھتی ہے، وہ ایک اچھی اداکارہ ہے اور اپنے کمزور پہلو کو تحکمانہ انداز سے چھپانے کی کوشش کرتی ہے، اسد عورت سربراہی کے لئے ان تھک خواہش اور قابلیت رکھتی ہے، اس کے باوجود وہ ایک اچھی دوست اور ذمہ دار ساتھی ہوتی ہے اور ایک اچھی زندگی کی شراکت میں شاذ و نادر ہی برا مناتی ہے، اپنے محبوب کے لئے دیدۂ و دل فرش راہ کر دیتی ہے، محبت اس کی آنکھوں میں ستاروں کی طرح جھلملاتی نظر ہے، وہ دنیا کو ایک خوبصورت گھر سے تعبیر کرتی ہے جہاں وہ ایسی خطرے کو بھی خاطر میں نہیں لاتی۔

اسد عورت ایسے محبوب کی متمنی ہوتی ہے جو اس کے اندر کی فطری اداکارہ کو شناخت کرنے کے ساتھ ساتھ اسے اظہار کا موقع بھی دے۔

اسد عورت ایسے مرد کو پسند کرتی ہے جو فہم و فراست کا مالک ہو اور اس کی نسبت زیادہ منظم اور مربوط فکر و عمل کا حامل ہو نیز اپنے پسندیدہ میدان میں تخلیقی صلاحیتوں سے مالا مال ہو، وہ اپنے محبوب کی صلاحیتوں پر گہری نظر رکھتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ ایسا آئیڈیل چاہتی ہے جو فیاض او عیش پسند ہونے کے علاوہ اسے یقین دلائے کہ وہ اس کا پہلا اور آخری پرستار ہے۔

☆☆☆

حاصل مطالعہ

تحریم محمود

القرآن

○ ''اگر ہم تم پر کاغذوں پر لکھی کتاب نازل کرتے اور یہ اسے اپنے ہاتھوں سے بھی ٹٹول لیتے تو جو کافر ہیں، وہ یہی کہہ دیتے کہ یہ جادو ہے۔'' (سورہ انعام)

○ ''وہی تو ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر (مرنے کا) ایک وقت مقرر کر دیا اور ایک مدت اس کے ہاں مقرر ہے پھر بھی تم اے کافرو (خدا کے بارے میں) شک کرتے ہو۔'' (سورہ انعام)

○ ''اے محمدؐ! تم سے پہلے بھی پیغمبروں کے ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں، سو جو لوگ ان میں سے تمسخر کرتے تھے ان کو تمسخر کی سزا نے آگھیرا۔'' (سورہ انعام)

○ ''اور دنیا کی زندگی تو کھیل ہے اور تماشا ہے اور سب سے اچھا گھر تو آخرت کا گھر ہے، یعنی ان کے لئے جو (خدا سے) ڈرتے ہیں، کیا تم سمجھتے نہیں۔'' (سورہ انعام)

○ ''اور کاش تم اس وقت (کی کیفیت) دیکھو جب فرشتے کافروں کی جانیں نکالتے ہیں، ان کے کندھوں اور پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے) مارتے ہیں، (اور کہتے ہیں کہ اب عذاب آتش کا مزہ چکھو۔''

علینہ طارق، لاہور

حدیث نبوی ﷺ

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ وہ تیری حفاظت کرے گا، جب تجھ کو مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مانگ اور یقین کرلے کہ اگر تمام گروہ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ تجھ کو کسی بات کا نفع پہنچا دیں ہرگز تم کو نفع نہیں پہنچا سکتے، بجز ایسی چیز کے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دی ہے، اگر وہ سب اس پر متفق ہو جائیں کہ تجھ کو کسی بات سے ضرور پہنچا دیں تو تجھ کو ہرگز ضرر نہیں پہنچا سکتے بجز ایسی چیز کے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دی ہے۔'' (ترمذی شریف)

معکنون شاہ، لاہور

رویت ہلال کی تحقیق اور شہادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ جب تک رویت ہلال کا ثبوت نہ مل جائے یا کوئی عینی گواہ نہ مل جائے آپ روزے شروع نہ کرتے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت قبول کر کے روزہ رکھا۔ (زادالمعباد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑ دو اور اگر (۲۹ تاریخ کو) چاند دکھائی نہ دے تو رمضان کی تیس کی گنتی پوری کرو۔'' (صحیح بخاری ومسلم، معارف الحدیث)

فوزیہ زل، شیخوپورہ

خوفناک بلا

ایک شخص نے رات خواب میں ایک خوفناک بلا دیکھی، اس نے پوچھا۔

''تو کون ہے؟''

دعا نے جواب دیا۔

''میں تیرے برے عمل ہوں۔''

پوچھا۔

''تجھ سے چھٹکارا پانے کی کیا صورت ہے؟''

کہا۔

''کثرت درود! بلند آواز سے درود پڑھنے کی فضیلت! ایک گناہ گار شخص کو انتقال کے بعد ان کے پڑوسی نے خواب میں دیکھا وہ جنت کے اندر ہے۔''

پوچھا۔

''تجھے یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟''

اس نے بتایا۔

''میں ایک اجتماع میں شریک ہوا، وہاں ایک محدث صاحب نے دروان بیان ارشاد فرمایا، جو شخص نبی پاکؐ پر بلند آواز میں درود شریف پڑھے اس کے لئے جنت واجب ہے، میں نے بلند آواز سے درود پاک پڑھا، مجھے دیکھ کر حاضرین نے بھی اونچی آواز سے درود سلام پڑھا، اس عمل کے سبب اللہ نے مجھ سمیت تمام شرکائے اجتماع کی مغفرت فرمادی۔''

فریدہ خانم، لاہور

قدر پوچھو

☆ دین کی قدر عالم سے پوچھو۔
☆ آنکھ کی قدر بینا سے پوچھو۔
☆ دولت کی قدر غریب سے پوچھو۔
☆ روٹی کی قدر کسی بھوکے سے پوچھو۔
☆ ماں کی قدر کسی یتیم سے پوچھو۔
☆ علم کی قدر کسی ان پڑھ سے پوچھو۔
☆ باغی کی قدر کسی مال سے پوچھو۔
☆ صحت کی قدر کسی بیمار سے پوچھو۔

رضوان صدیق، چانوٹ پاکپتن

زندگی

زندگی ایک کھلونا ہے آخر اس کو ٹوٹ ہی جانا ہے کیوں نہ اچھا ہو کہ یہ کسی کے کام آکر ہی ٹوٹ جائے، اپنی زندگی کے ہر لمحے کو حسین و دلکش بنایئے، اس کے ہر لمحے کو انجوائے کریں مگر ہمیشہ یہ خیال رکھیں کہ اپنی زندگی کو حسین بناتے ہوئے کسی کی زندگی کو عذاب میں نہ ڈالیں، ناجائز بھی کسی کو تکلیف نہ دیں، ظاہری سی بات ہے انسان اپنی زندگی میں بہت کچھ کھوتا تب اس کو جا کر کچھ ملتا ہے، اس کھونے اور پانے کی حسین دلکش کشمکش کو زندگی کہتے ہیں، آپ کا کیا خیال ہے؟

فائزہ نعیم، حافظ آباد

زندگی

☆ زندگی کی تعریف کرنا بہت مشکل ہے اسے جاننا اور پہچاننا بھی مشکل ہے، یہ ایک راز ہے ایسا راز کہ جس نے راز جان لیا وہ مر گیا اور جو نہ جان سکا وہ مارا گیا۔

☆ زندگی سمندر ہے اپنے بادلوں کو نامعلوم سفر پر روانہ کرنے والا، انہیں الوداع کہنے والا اور پھر یہی سمندر اپنے مسافروں کو اپنے دریاؤں کو خوش آمدید کہنے والا بھی ہے۔

سارا حیدر، ملتان

میرے نفس کی نصیحت

میرے نفس نے مجھے نصیحت کی کہ میں اس سے خلوت برتوں جس سے لوگ بغض و کینہ رکھتے ہوں۔

میں اس حسن پر نگاہ رکھوں جو صورت رنگ اور جدل کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔

میں جاگوں جب بستی والے سو رہے ہوں

میں سوؤں جب بستی والے جاگ رہے ہوں۔
میں لبیک کہوں جب کوئی نا معلوم آواز پکارے، جب کوئی خطرہ آواز دے، میں اس سے محبت کروں جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں۔

فرحین ملک، دھوریہ

تاثیر میرے لہجے کی

- O آپ کی ذاتی کائنات میں آپ نے جتنا حصہ اللہ تعالیٰ کا رکھا ہے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی کائنات میں آپ کا حصہ ہے۔
- O تعلق، جذبے، محبت سب اتنی ہی شدت سے جواب چاہتے ہیں جتنی شدت سے وہ کسی کے لئے پیدا ہوتے ہیں، اگر انہیں ان کی طلب کے مطابق جواب نہ دیا جائے تو سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔
- O نقصان وہ نہیں جو آپ ذاتی دکھ سے ہمکنار کرے نقصان وہ ہے جو آپ کو کسی کی نظر میں گرا دے۔
- O پتا نہیں کیوں انسان اپنا غم سہہ لیتا ہے خود پر گزری برداشت کر لیتا ہے مگر جب کسی عزیز ہستی کو اس دکھ کی بھٹی میں جلتا پاتا ہے تو ضبط نہیں کر سکتا۔
- O بعض لوگوں کی زندگی میں اگر غم بڑھ جائیں تو قہقہوں میں شدت آ جاتی ہے کبھی شعوری طور پر اور کبھی لاشعوری طور پر۔
- O ڈھونڈنے میں ملنے کی شرط نہیں ہوتی بلکہ امید ہوتی ہے اور امید سے جھگڑا نہیں کرتے۔
- O بے وفائی کو مجبوری کا نام دے کر دنیا والوں کو بے وقوف بنایا جا سکتا ہے مگر ضمیر کو نہیں۔

فرح راؤ، کینٹ لاہور

قطرہ قطرہ قلزم

- ☆ ہمہ حال ایک ہی حال میں رہنے کا عمل اس لئے مشکل ہے کہ کائنات کی کوئی چیز ہمیشہ ایک حالت میں نہیں رہ سکتی۔
- ☆ صحت خراب ہو تو کوئی موسم بھی خوشگوار نہیں ہوتا اور صحت خوشگوار ہو تو کوئی موسم خراب نہیں ہوتا۔
- ☆ بے وفا، وفا کے بدلے میں ہی تو برائیاں کرتا ہے۔
- ☆ اہل دل حضرات ذرے ذرے سے دھڑکنیں محسوس کرتے ہیں اور پتھر دل انسانوں کو احساس کی دولت سے محروم ہونے کا بھی احساس نہیں ہوتا۔
- ☆ کل کے دعوے آج کی معذرت بن جاتے ہیں۔
- ☆ سیاست ہمیشہ میدان میں رہتی ہے اور حکومت ہمیشہ ایوان میں۔
- ☆ غریبوں کی حالت بدلنے والے خود فریبی کے ذائقے سے نا آشنا ہوتے ہیں۔
- ☆ موسم بدلنے کا وقت آ جائے تو خود وقت کا موسم بدل جاتا ہے۔
- ☆ لامحدود آرزوئیں محدود زندگی کو عذاب بنا دیتی ہیں۔
- ☆ مقدر اور انسان ہمیشہ اکٹھے رہتے ہیں اور ہمیشہ جھگڑا کرتے ہیں۔
- ☆ کبھی کبھی نیکی اس طرح آتی ہے جیسے بارش۔
- ☆ کبھی کبھی برائی ایک راستے کی طرح پاؤں کے نیچے آ جاتی ہے۔
- ☆ انسان جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہو سکتا اور انسان فطرتاً اپنے علاوہ کچھ اور ہونا چاہتا ہے۔

☆☆☆

بیاض

تسنیم طاہر

فوزیہ غزل ---- شیخوپورہ

عید آئی ہے دل دکھاتی ہے
یاد بچھڑے ہوؤں کی لاتی ہے
جن سے ملنے کا آسرا ہی نہیں
عید ان کا خیال لاتی ہے

....

عید اس پر خفا ہو گئی ہم سے
کہ ہم نے اسے منایا ہی نہیں
ہم اسے کیا بتائیں کہ عید کا دن
ہمارے آنگن میں کبھی آیا ہی نہیں

....

کتنے ترسے ہوئے ہیں خوشیوں کو
وہ جو عیدوں کی بات کرتے ہیں

فرحین ملک ---- دھوریہ

سنو الفاظ ہیں کم اور تمنائیں ہزار
مبارک ہوں میری جانب سے تمہیں عید کی خوشیاں

....

خوشیوں سے عید ہوتی ہے خوشیوں سے عید کرنا
اپنی اس خوشی میں سب کو شریک کرنا

....

آشیانۂ حیات عید کا دن
زندگی کا ثبات عید کا دن
صبر و عزم و تحمل کی تصویر
مظہر التفات عید کا دن

اسماء بدر ---- مظفر گڑھ

یہ دن بھی مبارک ہے ملو آ کے گلے سے
پھر ہم سے ذرا ہنس کے کہو عید مبارک

اس سمت چلے ہو تو اتنا اسے کہنا
باقی نہ سنیں صرف تنہا اسے کہنا
ہم نے ہلال عید کے ہاتھ بھجوایا یہ سندیسہ
کرتا ہے تمہیں کوئی یاد بہت بار بار اسے کہنا

....

جسے میں نہیں یاد اسے عید مبارک
جو اوروں میں ہے شاد اسے عید مبارک
معصوم سے ارمانوں کی معصوم سی دنیا
جو کر گیا برباد اسے عید مبارک

عابد محمود ---- ملکہ ہانس

ایسا نہیں کہ ترے بعد اہل کرم نہیں
تجھ سا نہیں ملا کوئی ورنہ لوگ کم نہیں
اک تیری جدائی کے درد کی بات اور ہے
جن کو نہ سہہ سکے یہ دل ایسے تو غم نہیں

....

تنہا اداس چاند کو سمجھو نہ بے خبر
ہر بات سن رہا ہے مگر بولتا نہیں

....

میں نے یہ سوچ کر بوئے نہیں خوابوں کے درخت
کون جنگل میں لگے درخت کو پانی دے گا

امان اللہ انجم ---- جناب نگر

عید آئی ہے بڑی دھوم سے اس بار مگر
کتنا ویران ہے اس بار بھی گھر تیرے سوا
تیری ہستی کے سوا مانگ کے کیا لینا ہے
ہم نہ مانگیں گے کوئی اور ثمر تیرے سوا

....

عید بھی تیری خوشیاں بھی تیری تو ہمیشہ آباد رہے
دیتا ہے تجھ کو دعا تجھے بھی میری طرح انتظار رہے

....

کبھی دوست بن کبھی دلدار بن کر
روپ بدل بدل کر ڈستے ہیں لوگ
درد دے کر جن کو سکون ملتا ہے
دنیا میں ایسے بھی بستے ہیں لوگ
فریحہ امید چوہدری ---- گوجرانوالہ

وہ اک بار بھی نہ آیا ملنے ہم سے
اور عید ہے کہ پھر آ گئی

....

ہم نے لیا ہونٹوں سے جو نام تیرا
دل ہونٹوں سے الجھ پڑا یہ ہے صرف میرا

....

میں نے چاہا تجھے یہ کچھ نذر کروں
جس میں احساس کے سب رنگ ہوں روشن روشن
جس میں آنکھوں کے تراشے ہوئے موتی لاکھوں
جس میں شامل ہو مرے قلب کی دھڑکن دھڑکن
خالدہ ناہید ---- لاہور

شاید تیری نوا سے ملے عید کا پیغام
اے دوست مسکرا کہ طبیعت اداس ہے

....

میرے نزدیک ہی رہتے ہیں مرے اک کرم فرما
وہ جب بھی ملتے ہیں اپنی روزہ داری بتاتے ہیں

....

سحر کے وقت کو ہم نے کبھی دیکھا نہیں
مگر ہر دعوت افطار پر وہ پائے جاتے ہیں
حنا ناز ---- پنڈدادنخان

سوچ نگر میں اک خیال آیا ہے
آج پھر دل کے دریچہ میں در آیا ہے
بھول جانے کی جسے قسم کھائی تھی
وہ آج پھر مجھے شدت سے یاد آیا ہے

....

چراغ کی لو دھیمی کر لو
محبت کی شدت کم کر لو
کل تو ایسا رہے نہ رہے
ابھی سے عادت ختم کر لو

....

اس مرحلے کو موت بھی کہتے ہیں دوستو!
اک پل کو ٹوٹ جائیں جہاں عمر بھر کا ساتھ
فریدہ خانم ---- لاہور

دل یہ کہتا ہے کہ ہر ایک کے آنسو پی لوں
اور کوئی خواب کسی کا نہ ہو ریزہ ریزہ

....

عمر بھر کو داغ دے جاتی ہے ادنیٰ بھول بھی
جرم ثابت ہو نہ ہو الزام پھر الزام ہے

....

وہ میرا ہے جو نگاہوں میں حیا رکھتا ہو
قدم ساتھ چلے عزم وفا رکھتا ہو
شگفتہ نعیم احمد ---- ملتان

ناز میں اس کے اٹھاؤں تو شکایت نہ کرے
ہر غم سہہ کر بھی ہنسنے کی ادا رکھتا ہو

....

جو ہو سکے تو توڑ دے اک نگاہ کی ضرب سے
میرے سومنات مزاج کو اس غزنوی کی تلاش ہے

....

مثال موج ہوا دربدر وہ ایسا تھا
بچھڑ کے پھر نہ ملا ہمسفر وہ ایسا تھا
خود اپنے سر لیا الزام بے وفائی تک
کہا نہ کچھ بھی اسے معتبر وہ ایسا تھا
اشعر اقبال ---- سوہاوہ

عشق سمجھے تھے جس کو وہ شاید
تھا بس اک نارسائی کا رشتہ
میرے اور اس کے درمیاں نکلا
عمر بھر کی جدائی کا رشتہ

....

یار ایک مسئلہ ہے یہ دنیا

یار ایک مسئلہ تو میں بھی ہوں

....

میں نہیں جانتا محبت کو
ہاں مگر مانتا تو میں بھی ہوں
عمارہ اعجاز ---- حافظ آباد

یہ دعا ہے میری آتش عشق میں تو بھی میری جلا کرے
نہ ہو ہنسنا نصیب تجھے تیرے دل میں بھی درد ہوا کرے
تیرے سامنے تیرا گھر جلے تیرا بس چلے نہ بجھا سکے
پھر تیرے منہ سے بھی یہ دعا نکلے نہ گھر کسی کا جلا کرے

....

دل میں پھر اک شور سا ہے برپا
کہ برس بعد دیکھا ہے چاند عید کا
دل میں ہے تیری یاد کا نشتر لگا ہوا
پھر کس طرح کریں ہم اہتمام عید کا

....

چاک دامن کو جو دیکھا تو ملا عید کا چاند
اپنی تصویر کو کہاں بھول گیا عید کا چاند
ان کی ابروئے خمیدہ کی طرح تیکھا ہے
اپنی آنکھوں میں بڑی دیر چھپا عید کا چاند
نبیلہ نعمان ---- گلبرگ لاہور

ان کو دیکھا تو پھر اترا نہ گیا
آسمان تک ہی رہا عید کا چاند

....

ملیں تجھے نہ دکھ زندگی میں
پھول کی طرح تو مہکے خدا کرے
زندہ رہے نام ابد تک تیرا
عید کی خوشیاں تجھے مبارک خدا کرے

....

بڑی یاس میں عید کا دن گزرا
خدا کی قسم تم بہت یاد آئے
شاہینہ یوسف ---- عمرکوٹ

خوشبو بادل پھول یہ کلیاں شبنم تیرے نام
دوست عید کی خوشیاں ہیں سب تیرے نام
جھلمل کرتا نیلا پانی جگمگ کرتے چاند اور تارے
رات کی رانی تارے کرنیں چندا پونم تیرے نام

....

وفا کا سندیس لے کر اترے تمہارے آنگن میں
گواہ رفاقتوں کا محبتوں کا بن کر ہلال عید
تمام روز و شب یونہی فروزاں رہیں ہر دم
ہر شب شب برات ہر روز روز عید

....

جو شخص کھو گیا ہم سے اندھیری راہوں میں
اسی کو ڈھونڈ کے لاؤ کے عید آئی ہے
افشاں زینب ---- شیخوپورہ

یہ دیکھیے اداس نگاہوں کو کیا ملے
ہر طرف پھول بانٹتی پھرتی ہے شام عید
عید کے دن نہ سہی عید کے بعد ہی سہی
عید تو ہم بھی منائیں گے تیری دید کے بعد

....

جشن طرب ہو تم کو مبارک مجھ کو یونہی رہنے دو
عید کا دن خوشیوں کا دن ہے شکوہ لب پر لائیں کیا
توڑ کے رشتے ناطے سارے غیر کی محفل کی آباد
بادصبا اب تو ہی بتا ہم رسم عید نبھائیں کیا

....

یہ بھی آداب ہمارے ہیں تمہیں کیا معلوم
ہم تمہیں جیت کے ہارے ہیں تمہیں کیا معلوم
اک تم ہو کہ سمجھتے نہیں ہو ہم کو
اک ہم ہیں کہ تمہارے ہیں تمہیں کیا معلوم
علینہ طارق ---- لاہور

مجھ کو اک خواب پریشان سا لگا عید کا چاند
میری نظروں میں ذرا بھی نہ جچا عید کا چاند
آنکھ نم کر گیا بچھڑے ہوئے لوگوں کا خیال
درد دل دے کر ہمیں ڈوب گیا عید کا چاند

....

عید آتی ہے مسرت کی پیامی بن کر
وہ مسرت جو تیری دید سے وابستہ ہے
کیوں نہ ہو عید کی آمد سے مسرت دل کو
جب تیری دید عید سے وابستہ ہے

....

خوشیاں لے کر آ رہا ہے یہ تہوار
یہ دن بھی آتا نہیں ہے بار بار
خوش رہو تم عید کے لمحات میں
سارے جہاں کا مل جائے تمہیں پیار
شمائل وہاب ---- کراچی

تمام عمر کی وابستگی کی خواہش تھی
یہ کب کہا تھا میرا شہر چھوڑ جائے وہ
میرے بھی من کے دریچوں میں عید ہو جائے
میرے افق پہ اگر چاند بن کر چھائے وہ

....

بھیگی پلکیں لرزاں سانسیں بکھری زلفیں
سنوریں گی اب ایک ہی پل میں عید کے دن
سونا سونا آنگن میرا رہتا ہے جو تم بن جاناں
اپنی خوشبوؤں سے مہکا جانا آ کر اس کو عید کے دن

....

عید کے دن بھی نہ ملے تو کیا ہوا
جذبوں میں ہو خلوص تو عیدیں ہزار ہیں
شازیہ نواب ---- علی پور

میں بھی ہوں اگر خاموش آج تو ہنستا تو بھی نہیں
مجھ سے بچھڑ کے کسی اور سے ملا تو بھی نہیں
خنک خنک سی مسکراہٹ کے ساتھ عید مبارک کہنے والے
مان لے مجھ سے زیادہ خود کو جانتا تو بھی نہیں

....

اے بھولنے والے تیری خوشبو کی قسم
مجھ کو اب کچھ بھی ترے غم کے سوا یاد نہیں
چاند دیکھا ہے تو یاد آئی صورت تیری
ہاتھ اٹھے ہیں مگر حرف دعا یاد نہیں

....

نہ چھیڑا نہیں اتنا اے وعدہ شب کی پشیمانی
کہ اب تو عید ملنے پہ بھی شرمائے جاتے ہیں
افشاں اشرف ---- عارف والا

بے کس کے ساتھ ہم ہیں کیا ہماری عید ہے
ایک ہم ہیں لاکھ غم ہیں کیا ہماری عید ہے
عید ہوتی ہے اس کی جس کا دلبر پاس ہو
ہم سے بچھڑے صنم ہیں کیا ہماری عید ہے

....

کچھ مسرت مزید ہو جائے
اس بہانے سے عید ہو جائے

....

عید ملنے جو آپ آ جائیں
میری بھی عید عید ہو جائے
سعدیہ وہاب ---- سرگودھا

وہ جنہیں ہم اپنا بنانے کا سوچ بھی نہ سکے
انہیں کے نام لکھا ہے ہم نے عید مبارک

....

دل ہی میں رہ جاتی ہے دل کی بات
چاند کو ہی دیکھتے گزر جاتی ہے عید کی رات

....

عید کا چاند دیکھنے والے
آ کہ میری عید بھی ہو جائے
ناصر حسن ---- خانیوال

عید کا چاند فلک پر نظر آیا جس دم
میری پلکوں پہ ستارے تھے تیری یادوں کے

....

کیسے ممکن تھا کسی شخص کو اپنا کرتے
آئینہ لوگ تھے کیا لوگوں سے دھوکا کرتے

☆☆☆

رنگ حنا

بلقیس بھٹی

رنگ حنا

ایک روز مرتضیٰ سے کسی نے یہ عرض کی
اے نائب رسول امین دام ظلکم!
ابوبکر اور عمر کے زمانے میں چین تھا
عثمان کے بھی عہد میں لبریز تھا یہ خم
کیوں آپ ہی کے عہد میں جھگڑے پڑ گئے
اپنی تو عقل ہو گئی اس مسئلے میں گم
کہنے لگے یہ بات کوئی پوچھنے کی ہے؟
ان کے مشیر ہم تھے ہمارے مشیر تم
اسماء بدر، مظفر گڑھ

تسلی

بھکاری نے ایک خاتون سے پانچ روپے مانگے تو وہ ناک چڑھاتے ہوئے بولیں۔
''تم کو شرم نہیں آتی ہمارے علاقے میں بھیک مانگتے ہو؟''
بھکاری تسلی دینے والے انداز میں بولا۔
''آپ کو اپنے علاقے کے بارے میں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں میں تو اس سے بھی بدتر علاقوں میں بھیک مانگ چکا ہوں۔''
میاں منیر احمد انجم، فیصل آباد

حنا

نام کی مہندی نے
ے ہاتھ جو مہکا دیئے تو
ر کے سب رنگ
نے لگے تھے
عمارہ اعجاز، حافظ آباد

شاعر

اک شاعر کے گھر چور گئے کچھ چرانے کو
مگر وہ غریب تو گئے تھے پچھتانے کو
شاعر سمجھا میرے قدر دان آ گئے
بیٹھ گیا انہیں غزل سنانے کو
عظمیٰ نعیم احمد، ملتان

قطعہ

مستورات سے ڈر لگتا ہے
تین سو سات سے ڈر لگتا ہے
اس کے شہر کو جانے والی
ہر برأت سے ڈر لگتا ہے

گولڈن ورڈز

☆ عبادت ایسے کرو کہ روح کو لطف دے جو عبادت دنیا میں مزہ نہ دے گی وہ عاقبت میں کیا جزا دے گی۔
☆ الفاظ کی تاثیر بدل جائیں تو معتقدین بھٹک جایا کرتے ہیں
☆ نفس کو مال و دولت کے لئے ذلیل مت کرو۔
☆ قسمت وہ مارکیٹ ہے جہاں جدوجہد چیزوں کی قیمت بڑھاتی ہے اور کاہلی ان کی قیمت گھٹاتی ہے۔
☆ بعض حقائق کو ماننے کے لئے ہمیں اپنی انتہائی قوت درکار ہوتی ہے۔
ارج گل، مظفر گڑھ

خوشبو

کل سپنے میں آیا تو
کمرے میں مرے اب بھی

پھیلی ہے کوئی خوشبو

دوری

جان لیوا ہے یہ دوری
دونوں ہی تڑپتے ہیں
کیسی ہے یہ مجبوری؟

امان اللہ انجم، چناب نگر آز

چاند

تجھے دیکھنے کے شوق میں
سر شام ہی میں نے
سارے شہر کی بتیاں بجھا دیں
اب تو آجا
سورج بھی ڈوب گیا
رات نے اپنا سیاہ آنچل پھیلا لیا
تیری راہ تکتے تکتے
آنکھیں بھی تھک گئیں
اب تو آجا
اب چاند
تجھے دیکھ کر
ہم عید منالیں

راحیلہ انور، سکھر

خدا کے خوف سے

ایک صوفی صاحب مذہبی امور کو بڑی لگن سے ادا کرتے لیکن وہ بے چارے ان پڑھ تھے اور حساب کتاب انہیں بالکل نہیں آتا تھا، چنانچہ جب بھی رمضان آتا تو وہ بھول جاتے کہ کتنے روزے رکھے ہیں اور کتنے باقی رہ گئے ہیں، کسی دوسرے سے پوچھنا وہ اپنی توہین خیال کرتے تھے، اب کی بار رمضان آیا تو انہوں نے ایک عمدہ ترکیب نکالی، روزانہ رات کو جب وہ روزہ افطار کرتے تو ایک گھڑے میں ایک پتھر ڈال دیتے، پھر پتھر گن لیتے، ان کا پوتا بڑا شریر تھا، وہ دو تین دن دادا کو یہ عمل کرتے دیکھتا رہا اور ایک دن ڈھیر سارے پتھر گھڑے میں ڈال دیئے، رمضان کے اختتام پر صوفی صاحب نے پتھر گنے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

صبح عید ملنے کے لئے آنے والوں میں سے صوفی صاحب کے ایک بے تکلف دوست نے مذاقاً پوچھا۔

''ہاں بھئی سناؤ کتنے روزے رکھے اب کی بار؟''

''باون۔'' صوفی صاحب نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''کیا کہا باون؟'' مگر روزے تو تیس ہوتے ہیں۔'' انہیں سنجیدہ دیکھ کر حیرت سے بولا۔

''خدا کا خوف کرو یار۔''

''میں نے خدا کے خوف سے باون بتائے ہی ورنہ روزے سو سے اوپر ہو چکے ہیں۔'' صوفی صاحب نے ہنوز سنجیدگی سے جواب دیا۔

فرحین ملک، دھوریہ

ذہانت

ایک عالم کا بڑا چرچا تھا کہ وہ روحوں سے بات کروا دیتے ہیں، ایک بچہ بھی اپنی ذہانت اور ہوشیاری کی وجہ سے محلے بھر میں مشہور تھا ان عامل کے پاس پہنچا اور نذرانہ پیش کرنے کے بعد کہا۔

''میں اپنے دادا کی روح سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

اسے ایک اندھیرے کمرے میں لے جایا گیا جہاں اگر بتیاں جل رہی تھیں، چند لمحوں بعد ایک بھاری آواز سنائی دی۔

''کیوں آئے ہو برخوردار؟'' قریب سے عالم صاحب کے چیلے نے بچے کو ٹہوکا دیا۔

''یہ تمہارے دادا کی روح بول رہی ہے پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

''دادا جان!'' بچے نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

''مجھے آپ سے صرف یہ پوچھنا ہے کہ آپ کی روح یہاں کیا کر رہی ہے؟ جبکہ آپ کا تو ابھی انتقال بھی نہیں ہوا۔''

علینہ طارق، لاہور

ایک پنتھ دو کاج

ایک آرٹسٹ کسی خوبصورت کاٹیج کی پینٹنگ بنا رہا تھا۔

''تم میرے کاٹیج کی تصویر بنانے کے بعد کیا کرو گے؟'' کاٹیج کے مالک نے پوچھا۔

''اس کو ایک نمائش میں بھیجوں گا۔'' آرٹسٹ نے جواب دیا۔

''وہاں تو اسے بہت سارے لوگ دیکھیں گے۔'' آرٹسٹ بولا۔

''یہ بات تو سچ ہے۔'' مالک مکان۔

''تو پھر ایسا کرو کہ تصویر میں ایک جملہ بھی لکھ دو، یہ مکان کرائے کے لئے خالی ہے۔''

شائل وہاب، کراچی

اپریل فول

ایک چھوٹا مگر ذہین بچہ اپنی ماں کے کمرے میں آ کر اپنے ملازموں کی شکایت کرنے لگا۔

''امی...... امی بشیر اور نوراں کچن میں ایک دوسرے کی کمر پر ہاتھ ڈالے پتا نہیں کیا باتیں کر رہے ہیں، میں اچانک اندر گیا تو دونوں جلدی سے الگ ہو گئے۔''

''کیا میں ابھی ان دونوں کو بتاتی ہوں بچے کے سامنے ایسی حرکتیں کرتے ہوئے شرم نہیں آتی دونوں کو، بشیر کو تو ابھی نوکری سے نکالتی ہوں اور نوراں کو۔''

بیگم صاحبہ زور زور سے بولتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ رہی تھیں، بچے کی تالیاں بجانے کی آواز پر رک گئیں۔

''اپریل فول...... اپریل فون، امی اپریل فول امی وہ بشیر تھوڑی تھا وہ تو ابو تھے۔''

شازیہ نواب، علی پور

ٹیڈی کہیں جسے

گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی، جنگ کے دوران جرمنی کے جہاز بمباری کے لئے لندن پر پرواز کرنے لگے تو ایک میاں بیوی کمرے سے پناہ گاہ کی طرف بھاگے اچانک بیوی راستے میں سے ہی مڑی اور کہنے لگی۔

''میں اپنے دانت تو اندر ہی بھول آئی۔'' میاں نے غصے سے جواب دیا۔

''ہاں ہاں جلدی سے اٹھا لاؤ جرمن جہاز ابھی ڈبل روٹیاں پھینکیں گے۔''

افشاں اشرف، عارف والا

دشمن

بیمار میاں اپنی تیز مزاج بیگم سے بولے۔

''بیگم میرے مرنے کے بعد تم دھرم سنگھ سے شادی کر لینا۔''

بیگم بولی۔

''کیا کہا، وہ تو تمہارا جانی دشمن ہے۔'' بیگم تیوری چڑھا کر بولی۔

میں نے کہا۔

''ہاں بیگم اگر میں اپنی زندگی میں اپنے دشمن سے بدلہ نہیں لے سکا تو مرنے کے بعد ہی سہی۔''

سعدیہ وہاب، سرگودھا

☆☆☆

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

وفاروف: کی ڈائری سے ایک غزل

بھول کر ذات تم کو یاد کیا
بات بے بات تم کو یاد کیا
نیند ناراض ہو گئی ہم سے
ہم نے جس رات تم کو یاد کیا
چاند کے ساتھ تھیں ملاقاتیں
ہر ملاقات تم کو یاد کیا
رات کی بیکراں اداسی کا
تھام کر ہاتھ تم کو یاد کیا
اپنی آنکھوں کے خشک صحرا میں
لے کے برسات تم کو یاد کیا

فریدہ جاوید فری: کی ڈائری سے غزل

یقین مجھ کواس کا کہاں رہ گیا ہے
فقط اب تو دل میں گماں رہ گیا ہے
کہا تھا کبھی اس نے آنے کا لیکن
نہ جانے وہ اب تک کہاں رہ گیا ہے
جہاں دیپ جلتے تھے اس کی چاہت کے
وہاں ان مزاروں کا دھواں رہ گیا ہے
محبت وفا دوستی خواب نکلی
بس اک حسرتوں کا جہاں رہ گیا ہے
کل جو آباد تھیں بستیاں ہر طرف
اب ان کی بربادیوں کا نشاں رہ گیا ہے

فوزیہ غزل: کی ڈائری سے ایک دلکش غزل

یہ پل یہ ساعت سعید مبارک
اے دوست تجھے عید مبارک
ہر رات گزرے مسکراتی گنگناتی
ہر روشن دن کی امید مبارک
جسے تو چاہے وہی آ کر ملے تجھ سے
جسے تو سنے وہی نوید مبارک
ہر شخص ہر منزل ہر خوشی ہر سفر
ہر خیال ہر آرزو ہر امید مبارک
وہ چہرہ جسے دیکھنے کو ترسیں آنکھیں
تاعمر اس رخ روشن کی دید مبارک
جہاں میں بکھری خوشبو مہکے تیرے گھر
سب لوگ کہیں ہنس کر عید مبارک

ام حبیبہ: کی ڈائری سے ایک غزل

نجانے کیوں ہم کو سب کچھ پرانا اچھا لگتا ہے
ہے وحشت ہم کو خوشیوں سے ویرانہ اچھا لگتا ہے
کسی کی بے وفائی نے بہت ہم کو رلا ڈالا
مگر اب تو رونے کا بہانہ اچھا لگتا ہے
یادوں کے سرہانے بیٹھ کر ہم رات بھر روئے
سکھایا جس نے رونا وہ شانہ اچھا لگتا ہے
صحرا کی اوٹ میں جب ڈوبتا سورج سرخی پھیلاتا ہے
تب شام کے ہارے پنچھی کا آشیانہ اچھا لگتا ہے
صبح کی وہ مست ہوا جب چھو کر گزرے شبنم کو
یہ منظر دیکھ کر کلیوں کا مسکانا اچھا لگتا ہے
یہ قول ہے داناؤں کا جنہیں بھولو وہ آتے ہیں یاد
جب ہی تو مجھ کو تیرا بھلانا اچھا لگتا ہے

نوید رضا: کی ڈائری سے ایک نظم

''عید مبارک''

اے باد صبا عید مبارک اسے کہنا
کہنا کوئی کرتا ہے تجھے یاد ابھی تک
اک دل تری یادوں سے ہے آباد ابھی تک
کہنا کہ تمہیں عید گذشتہ کی طرح سے

شدت سے خیال آ گے گا اس بات کا دن بھر
اک اور برس بیت گیا تجھ سے بچھڑ کر
کہنا یہ فقط ان کے لئے عید کا دن ہے
جن کے لئے محبوب کی یہ دید کا دن ہے
اے کاش کہ یہ عید بھی اپنے لئے ہوتی
مہندی سے ترا نام ترے ہاتھ پہ لکھتے
کچھ پھولوں کے گجرے ترے بالوں میں سجاتے
اے کاش اس سال تو ہم عید مناتے

بشریٰ رشید علوی: کی ڈائری سے ایک غزل

سوچ کی وادیوں میں گم ہو جائیں
درد کی چاہتوں میں گم ہو جائیں
اجلا چہرہ بھی ہو گیا دھندلا
دھند ہے آئینوں میں گم ہو جائیں
دل کہ آبادیوں سے ڈرتا ہے
آؤ ویرانیوں میں گم ہو جائیں
اب تو چہرے سے غم نمایاں ہے
غم کی پرچھائیوں میں گم ہو جائیں
آج ڈوبا ہے آس کا سورج
غم کی تاریکیوں میں گم ہو جائیں
سکھ نہ آئے گا اپنے گھر بشریٰ
زیست کے فاصلوں میں گم ہو جائیں

اسماء بدر: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

''ہلال عید کی شب''

تیرے چمن میں
روز عید کی چاندنی جگمگائے
میری دعا ہے کہ
تیرے گھر کے آنگن میں
ستاروں کی مالا اترے
مسرت کے ان لمحوں میں
خوشیاں تیرے اردگرد جھلمائے
بہاروں سے تیرا دامن بھر جائے

خالدہ ناہید: کی ڈائری سے ایک نظم

''کیوں؟''

محبتوں کے شہد میں یہ زہر کیوں ملا دیا
ہنستی اور کھیلتی آنکھوں کو کیوں رلا دیا
کچھ ہاتھوں میں گلاب تھے کچھ آنکھوں میں خواب تھے
معصوم خواہشوں کو یوں مٹی میں کیوں ملا دیا
بہت سے اور کھیل تھے کہیں دلوں کے میل تھے
یہ کھیل خاک و خون کا تو نے کیوں رچا دیا
جو تو یقیں سے دور تھا تو ان کا کیا قصور تھا
ان کے یقیں کی منزلوں کو تو نے کیوں ہلا دیا
اسی پہ تو چلا پھرا اسی پہ تو پلا بڑھا
اس پاک سرزمین کو پھر ایسا کیوں بنا دیا

فرحین ملک: کی ڈائری سے دلکش نظم

میں نے چاہا
کہ ایسا تحفہ تیری نذر کروں
جسے تو عمر بھر یاد رکھے
پھر ایک لمحے کی سوچ نے
میرے ہاتھ بلند کیے
کچھ لفظوں کے پھول، دعاؤں کے پنچھی
دل کی گہرائیوں سے آزاد کیے
کہ آنے والے موسموں میں
غم کی گھٹائیں، کبھی تیری قریب نہ آئیں
تیری آنکھوں کے دیئے سدا چمکیں
خدا تیرا دامن حسرتوں سے ہمکنار کرے
کبھی جو تو زندگی کی کڑی دھوپ میں
ڈھلتی عمر کی شام میں
پلٹ کر دیکھے تو
بہت سی خوش رنگ یادیں
گلاب لمحوں کی دلفریب باتیں
بیتے لمحوں کی چاندی، تیرے دل کو بہلائے
تو گزرتے لمحوں سے پیار کرے
تو خدائے لم یزل تیری عمر دراز کرے

ارج گل: کی ڈائری سے ایک نظم

''صرف''

چاند تو کسی فلک کو
نصیب ہی سے ملتا ہے
میں نے کب
کسی ماہتاب کے لئے
کوئی بے چین آرزو کی تھی
میں نے تو صرف اپنے آسماں کے لئے
تارے مانگے تھے

افرا سعید: کی ڈائری سے ایک نظم

میں دعائیں نہیں مانگتی
بس اتنا کہتی ہوں
اے میرے خدا!
میری زندگی کے چاہے
سارے دیپ بجھا دے
اس کی آنکھوں کا ہر خواب
سلامت رکھنا

امان اللہ انجم: کی ڈائری سے ایک غزل

سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں
تو اس کے شہر میں کچھ دن ٹھہر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے ربط ہے اس کو خراب حالوں سے
تو اپنے آپ کو برباد کرکے دیکھتے ہیں
سنا ہے بولے تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں
یہ بات ہے تو چلو بات کرکے دیکھتے ہیں
سنا ہے دن کو اسے تتلیاں ستاتی ہیں
سنا ہے رات کو جگنو ٹھہر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے حشر ہیں اس کی غزال سی آنکھیں
سنا ہے ہرن اس کو دشت بھر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے اس کے بدن کی تراش ایسی ہے
کہ پھول اپنی قبائیں کتر کے دیکھتے ہیں
مبالغے ہی سہی، سب کہانیاں ہی سہی
اگر وہ خواب ہے تو تعبیر کرکے دیکھتے ہیں

حنا ناز: کی ڈائری سے دلکش نظم

''چوڑیوں کا موسم''

تو رکھ لے مری چوڑیاں
اب نہیں ضرورت ان کی
تو جو چلا جائے گا
راتوں کو تیری یاد رلائیں گیں
ساری رات جگائیں گیں
اس سے بہتر تو ساتھ لے جا اپنے
جب ملے گا کچھ عرصہ بعد
پہنا دینا اپنے ہاتھوں سے
مسکرا دینا اس کے ساز پر
بس میں انتظار کروں گی
تیرے جلد لوٹ آنے کا
عید پہ چوڑیوں کے موسم کا

سعدیہ عمر: کی ڈائری سے ایک نظم

''تم سے بچھڑ کر میں کیا ہوں؟''

ایک ادھوری نظم کا مصرعہ
یا کوئی بیمار پرندہ
کاپی میں اک زندہ تتلی
یا اک مردہ پیلا پتہ
آنکھ ہو کوئی خواب زدہ سی
یا آنکھوں میں ٹوٹا سپنا
پلکوں کی دیوار کے پیچھے
پاگل قیدی یا اک آنسو
دھوپ میں لپٹا لمبا صحرا
یا پھر خوف زدہ سا بچہ
ٹوٹی ہوئی چوڑی کا ٹکڑا
یا کوئی بھولا بسرا وعدہ
تم ہی بتاؤ
تم سے بچھڑ کر میں کیا ہوں
ایک پرانی قبر کا کتبہ
یا کوئی متروک دعا؟

☆☆☆

عین غین

سارا حیدر ---- ملتان

س: عرصے بعد اس محفل میں آئی ہوں کیسا لگ رہا ہے؟
ج: اگر کوئی صبح کا بھولا شام کو آ جائے اسے بھولا نہیں کہتے۔
س: ارے کیا کہا کہ بھول گئے؟
ج: ارے بھولا نہیں بہت یاد ہے۔
س: سب سے پہلے شادی کی مبارکباد تو دے دیں؟
ج: نہ بلایا نہ کھلایا اب بتایا، پھر بھی اس خبر سے دل ہوا شاد۔
س: اب حافظ آباد کے بجائے ملتان سے شامل ہوا کروں گی یاد رکھنا؟
ج: خوشی ہوئی کہ آپ حنا کو نہیں بھولیں۔
س: جی کسی مہربان نے آ کے میری زندگی......؟
ج: خدا اس مہربان کو ہمیشہ مہربان ہی رکھے۔

بشریٰ رشید ---- راولپنڈی

س: میں نے آپ کے لئے لاہور سے لے کر راولپنڈی تک پھول ہی پھول راہ میں بچھائے ہیں کب تشریف فرما ہوں گے؟
ج: لاہور تک بچھائے ہیں میرے گھر تک نہیں۔
س: میں زمانے میں وفا ڈھونڈتی ہوں مگر ملتی نہیں؟
ج: کہتے ہیں کہ ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔
س: محبت کیا ہے؟
ج: خلل ہے دماغ کا۔
س: میں عید پر آپ کا انتظار کروں گی آئیں گے نا؟
ج: چل جھوٹی نہ ہو۔
س: سنجیدگی سے کچھ سوچیں؟
ج: سوچ رہا ہوں اور بھی سنجیدگی سے۔
س: ہم اکٹھے مریں گے اور اکٹھے جئیں گے، کہا تھا نا، آپ نے بھول گئے؟
ج: ان ہونی باتیں بھول جاتی ہیں ہی۔

حنا ناز ---- پنڈ دادنخان

س: اس بار بھی روزے نہیں رکھے؟
ج: مجھے کیوں بتا رہی ہو۔
س: اچھا کتنے رکھے؟
ج: یہ تو تمہیں ہی معلوم ہوگا۔
س: سنا ہے بے روزے سب سے پہلے عید مناتے ہیں؟
ج: تجربے کی بات معلوم ہوتی ہے۔
س: آپ کی عید کب شروع ہوتی ہے؟
ج: جس دن عید ہوتی ہے۔
س: عیدی کتنی ملتی ہے؟
ج: کبھی حساب نہیں رکھا۔
س: کچھ خاص جو کھائیں گے بتائیں؟
ج: جو مل جائے صبر شکر کرکے کھا لیں گے۔

میاں منیر احمد انجم ---- فیصل آباد

س: عید کہاں پر منا رہے ہو گھر یا پھر؟
ج: اپنے گھر ہی منا لیں گے۔
س: کبھی عید مبارک بھی کہہ دیا کرو کنجوس؟
ج: عید کے دن عید مبارک کہہ دوں گا۔

س: عیدی لینے آؤں یا آپ بھیج دیں گے؟
ج: ہم تو اس بات کے حامی ہیں، ہمارے ہاں آؤ گے تو کیا لے کر آؤ گے۔
س: چلو بڑی عید پر ہی سہی خدا حافظ؟
ج: جان چھڑا ہی گئے نا۔

فائزہ نعیم ---- حافظ آباد

س: جب سے وہ ہمارے گھر آتا ہے تو سب کے چہرے کھل جاتے ہیں بتائیے کون؟
ج: وہی جس کے آنے پر تمہارے گھر والوں کے چہرے کھل جاتے ہیں۔
س: ہماری وجہ سے آپ کا نام ہے ہم سوال نہ بھیجیں تو آپ فارغ بیٹھیں رہیں؟
ج: اگر میں نہ جمدی تے تیرا بیاہ نہ ہوندا۔
س: لنڈے بازار میں، میں نے دیکھا آپ کو لگتا ہے عید کی شاپنگ ہو رہی تھی؟
ج: تم سے ملنے کا ایک بہانہ تھا۔
س: جب بھی ملتا ہے خفا خفا سا لگتا ہے؟
ج: عادت سے مجبور جو ہوا۔
س: دل میں تمہارے گھر لینا ہے، وہ بھی کرایہ پر لینا ہے؟
ج: میں نے دل میں گھر نہیں بنایا تا کہ پڑے نہ کرایہ داروں کا سایہ۔

رضا سلمٰی ---- سادھوکے

س: یہ کیا محبت کسی اور سے شادی کسی اور سے؟
ج: یہ خود سے پوچھئے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔
س: رات بھر رو رو کر آنکھیں سرخ ہو گئیں؟
ج: کس نے کہا تھا کہ آنکھوں پر اتنا میک اپ کریں۔
س: میں اس کی خاطر بہت تڑپی پر......؟
ج: لیکن آپ کے تو پر نہیں ہیں۔
س: بال لمبے کیسے کروں؟
ج: میں نے کل ہی بال کٹوا دیئے تھے۔
س: رات کو آسمان پر ستارے کیوں نکل آتے ہیں؟
ج: شرم آ رہی ہے مگر کیا کریں بتا ہی دیتے ہیں کہ آپ نے مجھے دیکھ ہی لیا۔

نبیلہ نعمان ---- گلبرگ، لاہور

س: زندگی کا سفر کیسے طے کرنا چاہیے؟
ج: جو سواری بھی مل جائے۔
س: ذرا یہ بتائیے کہ نئی زمانہ اپنے لوگ پرائے ہو جاتے ہیں اور پرائے اپنے بن جاتے ہیں؟
ج: دونوں سے ہی ہوشیار رہنا چاہیے۔
س: آج کل کے لڑکے کس بات سے ڈرتے ہیں؟
ج: کہیں محبوبہ سے سچ مچ محبت نہ ہو جائے۔

افشاں زینب ---- شیخوپورہ

س: پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ؟
ج: شادی ہو گئی ہے کیا۔
س: درد جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو؟
ج: آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔
س: آج کل لوگوں کے چہروں پہ دکھاوے کا تبسم کیوں ہوتا ہے؟
ج: ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے۔

علینہ طارق ---- لاہور

س: سنا ہے بلی کو خواب میں چھیچھڑے نظر آتے ہیں آپ کو خواب میں کیا نظر آتا ہے؟
ج: اگر میں کچھ کہہ دوں برا تو نہیں مناؤ گی۔
س: آج کے دور میں اپنوں کا خون سفید ہو گیا ہے وجہ؟
ج: انہیں اپنا تو نہ کہو۔

☆☆☆

خبر نامہ

عبداللہ

ناممکن کچھ بھی نہیں

نجی چینل "جیو" نے جہاں بہت سے کارنامے انجام دیئے وہاں اس کا ایک سب سے اہم کارنامہ شان کو پابندی وقت کرنا سکھایا ہے، شان جو کبھی بھی کہیں بھی وقت پر نہیں پہنچا، تو ذرا سوچیئے وہ کیسے صبح سویرے اٹھ کر مورننگ شو کر رہا ہے شان سے صبح سویرے کام لے کر جیو والوں نے ایک اور ریکارڈ بنا لیا ہے، کہنے والے کہتے ہیں کہ شان کو صبح سویرے اٹھانا، گھر سے نکالا، سیٹ پر لانا اور پھر موڈ بنانے اور ریکارڈنگ مکمل ہونے تک قابو میں رکھنے کے لئے کئی ایکسٹرا ہائر کئے گئے ہیں، فلموں میں تو سنگیتا آپی کی ایک دھاڑ ہی شان کو قابو میں رکھتی تھی مگر جیو والے جو جینے کی باتیں کرتے ہیں اور وہ بھی شان سے، تو اس کے لئے انہیں لاکھوں کا ایکسٹرا بجٹ برداشت کرنا پڑھ رہا ہے تب ہی تو کہیں جا کر شان بڑی شان سے کہتے نظر آتے ہیں، "جیو شان سے"

میں ہوں ایسی لیلیٰ

لیلیٰ کا سیاست میں آنا، ریشم کو سبق سکھانے کے لئے ہیں یا دولت کمانے کے لئے، یہ تو بعد کی بات ہے، لیکن لیلیٰ کے سیاسی بیانوں نے ریشم کو پرانے تعلقات کو پھر سے بحال کرنے پر مجبور کر دیا، سو وہ آج کل پرانے کونٹیکٹ نمبرز ڈھونڈ ڈھانڈ کر تجدید وفا کر رہی ہے جبکہ دوسری طرف لیلیٰ کا کہنا ہے کہ سیاست کے ذریعے ہی لوگوں کی خدمت کی جا سکتی ہے، اب فلمی اور گھریلو سیاست کرنے والی لیلیٰ کو ملکی سیاست کی کتنی خبر ہو گی، ویسے تو ہمارے ملک کی سیاست بھی آج کل گھریلو سیاست جیسی ہی ہو گی، (اگر یقین نہ آئے کوئی بھی ٹاک شو دیکھ لیں پتا چل جائے گا)، سو لیلیٰ کو جو آتا ہے وہ تو وہی کرے گی اس میں مشکل

کیسی، چونکہ الیکشن قریب قریب ہے تو لیلیٰ کے خواب میں تو الیکشن ٹکٹ ایک مجنوں کی صورت میں آنے لگا ہوگا اور ریشم سے لڑنے کے بعد الیکشن لڑتی ہوئی لیلیٰ کیسی لگے گی۔ (ذرا چشم تصور سے دیکھئے)

بن بلائے چلے آئے

امریکہ میں ریما کی شادی ہوئی تو میرا دوڑی دوڑی بنا بلائے سات سمندر جا پہنچی ایک دوسرے کے گلے لگ کر دلوں میں منافقت اور لبوں پر مسکراہٹ سجا کر دیسی اور بدیسی میڈیا کو یہ تاثر دیا کہ ہمارے درمیان اگر کوئی دشمنی تھی بھی تو وہ اب ختم ہو چکی ہے، لیکن حیرت کی بات یہ ہوئی کہ دور دیس جا کر شادی اٹینڈ کرنے والی میرا گھر کے پیچھے ہونے والے ریما کے ولیمے میں نہ پہنچی اور سننے میں آیا کہ ریما نے بلایا ہی نہیں جب تک ریما لاہور میں رہیں خاموش رہیں مگر پھر سسرال امریکہ جاتے ہوئے کہہ گئیں جس طرح وہ بن بلائے شادی میں امریکہ چلی آئیں تھیں اسی طرح ولیمے میں بھی شریک ہو جاتی اسے کوئی اعتراض نہ ہوتا تو یہ کہہ کر مسز طارق شہاب تو نکل لیں اور پیچھے رہ گئیں میرا تو وہ جتنا دل چاہے بولے، لیکن یہاں حیرانگی اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ بیس سال پہلے کی دشمنی پر ریما نے تیل کیوں ڈالا؟ ہم تو یہاں یہ کہیں گے کہ کچھ چیزیں سو سال بعد بھی ٹیڑھی رہتی ہیں۔

نائی ایٹ فورٹی

نرگس بہت منہ پھٹ ہے یہ تو سب جانتے ہیں ہمیں بتانے کی ضرورت نہیں، مگر جب سے وہ ایک نجی چینل پر شو کر رہی ہے تب سے نائی بھی ہو گئی ہے (اگرچہ وہ اباؤ فورٹی ہے مگر نائی حرکتیں کرتے ہوئے وہ سویٹ سولہ دیکھائی دینے کی کوشش کرتی ہے اسی لئے تو ہر ایک کو اس میں کشش نظر آتی ہے جیسے کہ ایک پروگرام میں ایک ڈی سی او صاحب آئے تو بیچارے کا کیا قصور کہ نرگس کی انہی اداؤں سے متاثر ہو کر نرگس کو اپنے ساتھ ڈنر کی آفر کر بیٹھے اور نرگس جی تو کچھ زیادہ ہی اونچی ہواؤں میں آج کل تو بس جی نرگ نے اس ڈی سی او کو صرف ''او'' کہہ کر خود سے دور رہنے کو کہا، یہ کہتے ہوئے نرگس بھول گئیں کہ ڈی سی اور صاحب بھی خاصے با اختیار ہیں، موصوف نے اپنے شہر میں نرگس کے ڈرامے کم ڈانس کو محدود کر دیا، نرگس کو غلطی کا احساس ہوا معافی تلافی کی بے حد کوشش کی گئی مگر ناکام، اب بیچاری نرگس نے صرف لاہور تک ہی خود کو محدود رکھنے کا فیصلہ کیا، لیکن نرگس جی اگر لاہور شہر میں ''وہ'' ڈی سی او یا کوئی اور اس جیسا آ گیا تو کیا وہ ڈرامہ کرنے چاند پر جائیں گی۔

☆☆☆

تحریم محمود

عید الفطر پر میٹھے کا مطلب ہے شیر خورمہ لیکن اس بار ہم آپ کو سویوں کی بھی کئی ایک تراکیب بتا رہے ہیں جو نہ صرف مہمانوں کو بھائیں گی بلکہ گھر والے بھی آپ کی تعریف کریں گے، یقین نہ آئے تو آزما لیں۔

شیر خورمہ

اشیاء

دودھ	دو لیٹر
سویاں	دو کھانے کے چمچے
چاول	ایک کھانے کا چمچہ
گھی	دو کھانے کے چمچے
شکر	ایک کپ
بادام	نصف کپ کٹے ہوئے
پستے	نصف کپ کٹے ہوئے
چھوہارے	چار عدد (ابال لیں)
کدوکش ناریل	نصف کپ
سبز الائچی	دس عدد کچلی ہوئی
زعفران اور کیوڑہ	حسب ضرورت

ترکیب

سویوں کو چورا کر کے ذرا سے گھی میں فرائی کر لیں، باداموں کو بھی کاٹ کر تل کر الگ رکھ لیں، پستے کو بھی کاٹ لیں، ناریل کو بھی تل لیں، نکال کر الگ کر لیں، بھیگے ہوئے چاولوں کو پانی سے نکال کر اچھی طرح باریک پیس لیں، دودھ کو اتنا ابالیں کہ وہ گاڑھا ہو جائے، چولہے سے دودھ ہٹا کر ذرا ٹھنڈا ہونے دیں، دودھ نیم گرم ہو تو اس میں سویاں اور چاولوں کا آٹا ڈال کر نصف گھنٹے تک پکائیں، اس میں ابلے شکر چھوہارے، سبز الائچی، تلا ناریل، بادام، پستہ اور شکر ڈال کر پکنے دیں، دس منٹ بعد زعفران اور کیوڑہ ملا لیں، چولہے سے ہٹا کر ٹھنڈا ہونے دیں، لذیز شیر خورمہ تیار ہے۔

اسپیشل سویاں

اشیاء

سویاں	آدھا کپ چورا
کنڈینسڈ ملک	ایک کلو
دودھ	تین کپ
تیل	دو کھانے کے چمچے
سبز الائچی	تین عدد کچلی ہوئی

ترکیب

تیل گرم کر کے اس میں سبز الائچی اور سویاں ڈال کر ایک منٹ تک فرائی کریں، تمام اقسام کے دودھ ڈال کر اتنا پکائیں کہ سویاں گاڑھی ہو جائیں، چولہے سے ہٹا کر ٹھنڈا کر لیں، اسپیشل سویاں تیار ہیں۔

سویوں کی پڈنگ

اشیاء

پھیکا مکھن	چار کھانے کے چمچے
سویاں	دو کپ چورا کر لیں
گرم دودھ	اٹھ کپ
سبز الائچی	آدھا چائے کا چمچہ

کشمش	دو چائے کے چمچے
بادام	چھلے ہوئے، تین چائے کے چمچے
شکر	ایک کپ
پستہ	دو چائے کے چمچے، (ہوائیاں)

ترکیب

دھیمی آنچ پر مکھن گرم کر کے چورا سویاں ڈال کر اتنا بھونیں کہ سنہری ہو جائیں، گرم دودھ ڈال کر ابال آنے دیں پھر بادام اور الائچی شامل کر دیں، آدھے گھنٹے تک پکنے دیں، اس دوران چمچہ مسلسل چلاتی رہیں، شکر بھی شامل کر دیں، مزید پانچ سے دس منٹ تک پکائیں، ڈش میں نکال کر ٹھنڈا کر لیں، کشمش اور پستہ چھڑک لیں، ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔

سویوں کا مزعفر

اشیاء

سویاں	۲۵۰ گرام
شکر	آدھا کلو
گھی	ایک کپ
دودھ	ایک کلو
سبز الائچی	دس دانے کچلے ہوئے
زعفران	آدھا چائے کا چمچہ
پیلا رنگ	آدھا چائے کا چمچہ
بادام، پستہ	حسب پسند
چاندی کے ورق	حسب خواہش

ترکیب

شکر میں ایک کپ پانی ملا کر شیرہ تیار کر لیں، اس میں پیلا رنگ ملا لیں، گھی میں سویاں ڈال دیں، سنہری ہو جائیں تو اس میں دودھ ملا کر دھیمی آنچ پر اتنا پکائیں کہ سارا دودھ سویوں میں جذب ہو جائے، اب سویوں میں پیلا شیرہ ڈال دیں، ساتھ ہی بادام اور پستہ ملا دیں، ورق لگا دیں، لذیذ مزعفر تیار ہے۔

بادامی سویاں

اشیاء

سویاں	۲۵۰ گرام
گھی	۲۵۰ گرام
بادام	۲۵۰ گرام
شکر	۷۵۰ گرام
کھویا	۲۵۰ گرام
دودھ	ایک کلو
پیلا رنگ	آدھا چائے کا چمچہ
بادام، پستہ	حسب پسند
زعفران	حسب ضرورت
کریم	نصف کپ
کیوڑہ	چند قطرے

ترکیب

گھی گرم کر کے چورا کی گئی سویاں دھیمی آنچ پر سنہری کر لیں، دس منٹ بعد خوشبو آنے لگے تو پہلے سے ابلا دودھ اس میں شامل کر کے پیلا رنگ (پانی میں گھول لیں) بھی ڈال دیں اور اتنا پکائیں کہ دودھ جذب ہو جائے اور سویاں گل جائیں، بادام پیس لیں، کھویا بھون کر سویوں میں ڈال کر بادام بھی ملا لیں، چینی میں ایک کپ پانی ملا کر شیرہ تیار کر لیں اور سویوں میں شامل کر کے پانچ منٹ کے لئے تیز اور پانچ منٹ کے لئے دھیمی آنچ میں سویاں پکائیں، کیوڑے میں زعفران گھول کر سویوں میں ڈال کر اتار لیں، لذیذ بادامی سویاں تیار ہیں۔

کچی چکن بریانی

اشیاء

چکن	ڈیڑھ کلو (۱۲ ٹکڑے کروا لیں)
دہی	ایک کپ
ادرک، لہسن، پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
سرخ مرچ پاؤڈر	حسب ضرورت
نمک	حسب ضرورت
پیاز	دو عدد سنہرے کر کے چورا کر لیں
تیل	ایک کپ
گرم مصالحہ	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
کٹا سبز دھنیا	چار چائے کے چمچے
کٹی سبز مرچیں	چھ عدد
چاول	آدھا کلو
دار چینی	ایک انچ کا ٹکڑا
سبز الائچی	چار عدد
سیاہ زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	تین چائے کے چمچے
زعفران	آدھا کپ دودھ میں ذرا سا بھیگی ہوئی
کیوڑہ	ذرا سا
آٹا (ذرا سا)	پانی ملا کر گوندھ لیں

ترکیب

دہی میں ادرک، لہسن، سرخ مرچ، نمک اور نصف مقدار میں سرخ پیاز، تیل گرم مصالحہ، دھنیا اور سبز مرچیں ملا کر چکن شامل کر کے دو سے تین گھنٹوں کے لئے رکھ چھوڑیں، دوسری طرف چاول میں دار چینی، سبز الائچی، سیاہ زیرہ اور نمک ملا کر ایک کنی پر ابال لیں، ایک بڑی دیگچی میں چکن کو اس کے دہی والے مرکب سمیت تہہ کی صورت بچھا لیں، اب اس پر چاول کی تہہ لگا لیں، اب ان چاولوں پر چورا کی ہوئی بقیہ پیاز ڈال کر، دیگچی کا ڈھکن بند کر کے دم پر رکھ دیں، ان چاولوں کو کافی دیر تک دم دینا ہے، تا کہ چکن گل جائے۔

لبنانی کباب

اشیاء

قیمہ	آدھا کلو
ابلے آلو	دو عدد
پیاز	دو عدد درمیانے
ابلی میکرونی	ایک کپ
بڑے ٹماٹر	دو عدد کٹے ہوئے
ابلے مٹر	تین سے چار کپ
سبز مرچیں	۶ سے ۸ عدد
نمک	حسب ذائقہ
تیل	تلنے کے لئے
ادرک لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
ڈبل روٹی کا چورا	ایک کپ
پھینٹے انڈے	دو عدد

ترکیب

دھیمی آنچ پر قیمے میں ادرک، لہسن اور ٹماٹر نمک ملا کر پکائیں، جب سارا پانی خشک ہو جائے تو مرکب کو ٹھنڈا ہونے دیں، پھر تمام اشیاء ملا کر یکجان کر لیں، لمبے کباب بنا لیں، پھینٹے انڈے میں ڈبو ڈبو کر ڈبل روٹی کے چورے میں لپیٹ کر گرم تیل میں فرائی کر لیں، خیال رہے آنچ دھیمی ہونا چاہیے، عید ٹرالی کے لئے بہترین انتخاب ہے۔

کبابی مٹن

اشیاء

مٹن	آدھا کلو
دہی	آدھا کپ
پسی ہوئی پیاز	نصف کپ
پسی ادرک	ایک چائے کا چمچہ
پسا لہسن	ایک چائے کا چمچہ

سرخ مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچہ
تیل	آدھا کپ

ترکیب

تیل کے علاوہ تمام اشیاء کو مٹن میں ملا کر آدھے گھنٹے کے لئے رکھ چھوڑیں پھر اسے ابال لیں، جب گوشت گل جائے تو گرم تیل میں مٹن فرائی کر لیں، جب سنہری ہو جائے تو نان کے ساتھ پیش کریں۔

دہی پھلکیاں

اشیاء

بیسن	ایک پاؤ
سرخ مرچ	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ
زیرہ سفید	ایک تولہ
لہسن	ایک بڑی پوتھی
پیاز	دو چھٹانک
دھنیا سبز	دو تولے
پودینہ	دو تولے
سیاہ مرچ	دو ماشے
انڈہ	ایک عدد
عمدہ دہی	ایک کلو

ترکیب

پیاز کو باریک تراش لیجئے اور تمام چیزوں کو باریک پیس کر بیسن میں ملا لیجئے اور پانی ڈال کر بیسن کو اس قدر پھینٹ لیجئے کہ سفید ہو جائے پھر پیاز بھی ڈال دیجئے اور گھی یا تیل میں پھلکیاں تل لیں، پانی میں تھوڑا سا نمک ڈال کر پہلے پاس رکھ لیجئے اور پھر پھلکیوں کو کڑھائی سے نکال کر پانی میں ڈالیے، جب سب پھلکیاں مل لیں تو پانی سے نکال کر انہیں نچوڑ کر دہی میں ڈال دیجئے، ضرورت ہو تو مزید نمک اور سرخ مرچیں پیس کر چھڑک لیجئے، عید کے موقع پر مہمانوں کو نوش فرمائیں۔

آلو کی کچوریاں

اشیاء

لو آدھا کلو ابال لیں اور چھلکا اتار کر بھرتہ بنا لیں

پیاز	ایک عدد درمیانہ سائز کٹی ہوئی
ادھنیا	ایک گھٹی باریک کٹا ہوا
ری مرچ	چار عدد
ال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
کالی مرچ، پسی ہوئی	آدھا چائے کا چمچہ
ہوں	چار عدد
مک	حسب ذائقہ
آٹا	آدھا کلو

ترکیب

آٹے میں گڑ کا شیرا، جوائن، سوڈا اور نمک ملا کر نرم گوندھ لیں، مزید پانی ملا کر آٹے کو نرم کریں، جتنا نرم ہو گا کچوریاں اتنی یہ خستہ بنیں گی، آلو کے بھرتے میں سارے مصالحے اور لیموں کا رس ملا دیں چولہے پر کڑاہی میں تیز آنچ پر تیل گرم کریں، جتنی دیر میں تیل گرم ہو، پوری کے پیڑے کے برابر آٹا لے کر پانی سے ہاتھ گیلا کر کے پیڑے کو ہاتھ پر پھیلائیں پھر اس میں مصالحہ ملے ہوئے تھوڑے سے آلو رکھ کر دوبارہ ہاتھ گیلا کر کے چاروں طرف سے اٹھا کر بند کر دیں، گیلے ہاتھ سے ذرا سا دبا کر دوبارہ پھیلا لیں، پھر ہلکی آنچ پر تلنا شروع کر دیں، جب اچھی طرح تل جائے تو نکال کر پلیٹ میں اخبار بچھا کر رکھ دیں تاکہ تیل اچھی طرح جذب ہو جائے اور عید کے موقع پر مہمانوں کو نوش فرمائیں۔

مہندی کے رنگ

ادارہ

بقیہ سروے

صفائی سے فراغت کے بعد تقریباً رات بارہ بجے ہم جھاڑو لے کر کام والی ماسی کا رول پلے کرتے ہوئے نیچے اوپر کے پورشن کی صفائی شروع کر دیتے ہیں۔

اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ ہماری اماں ہمیں عید کے دن کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانے دیتیں اس لئے ہر سال چاندرات بھی آدھی رات کو ہم ایڈوانس میں صبح کے لئے صفائی کر دیتے ہیں اس دوران انم گھر کے سب افراد کے عید کے تینوں دن پہنے جانے والے سوٹ پریس کر کے ہینگ کر دیتی ہیں۔

پھر چاندرات کو ایک ڈیڑھ بجے تمام کام کاج نمٹا کر ہم اپنے اور انم کے مشترکہ کمرے میں تشریف فرما ہو کر ایک دوسرے کے مہندی لگانے کا سلسلہ شروع کرتے ہیں اور ڈھیروں ڈھیر مزے مزے کی باتیں کرتے کرتے تھکان پور سے فریش نگر تک پہنچنے کے لئے نندیا ایکسپریس میں بہت سے خوش آئند خوابوں کے سنگ سوار ہو جاتے ہیں۔

عید پر وہی ہمیشہ والا پروگرام ہے کہ عید کی صبح سے گھر پر مہمانوں کی آمد و رفت شروع ہو جائے گی اور پھر ان کے ساتھ ہنستے بولتے عید کا لطف دوبالا ہو جائے گا اور یہی سلسلہ اگلے کئی روز تک جاری رہے گا۔

اس کے علاوہ امی ابو اور دو عدد بھائیوں سے عیدی وصول کرنی ہے اور ہمیشہ کی طرح اپنے سے دو عدد چھوٹے بہن و بھائی کو اپنی جانب عیدی اور سرپرائز گفٹ دینا ہے اور اپنی عزیز از جان دوست فائزہ صدیق کو عید وش کرنے میں پہل کرنی ہے۔

۲۔ ایک خوشی وہ ہوتی ہے جسے ہم لوگ حیلے بہانے سے دن مقرر کر کے مناتے ہیں جبکہ عید ہمارا مذہبی تہوار ہے عید کا دوسرا نام ہی خوشی ہے، یہ دن اللہ کی طرف سے ہم سب کے لئے بہترین تحفہ اور مل جل کر خوشیاں منانے کے لئے مقرر ہے عید پر فضا میں ہر سو خوشیاں، مسکراہٹیں اور محبت کی گنگھی بکھری ہوتی ہے، جی ہاں بے شمار یادگار عیدیں ہیں جن کی یاد آج بھی دل کو خوشی سے سرشار کر دیتی ہے، خصوصاً بچپن میں بڑی خالہ مرحومہ کے ہاں اور وصی ماموں و ممانی مرحومین کے گھر منائی گئی عیدیں مسرتوں سے بھرپور ہیں مگر اب ان لمحات کی یاد بچھڑنے کا دکھ بھی تازہ کر دیتی ہے۔

۳۔ عید کے لئے چاندرات کو ہم اور امی بہت سی ڈشز تیار کرتے ہیں مثلاً بریانی، چکن کڑاہی، شامی کباب، دہی بھلے، ہاں ایک ڈش جو ہر بار فرمائش پر میٹھے کے طور پر بنوائی جاتی ہے وہ جناب دودھ والی سویاں ہیں لہٰذا اسی کی ترکیب لکھ دیتے ہیں۔

باریک سویاں، ایک چھوٹا پیکٹ، دودھ، ڈھائی کلو، برفی آدھ پاؤ، چھوٹی الائچی آٹھ عدد، چینی حسب ذائقہ، دیسی گھی چھ عدد کھانے کے چمچ، ناریل کش کیا ہوا ڈیڑھ چھٹانک، بادام، پستہ، کشمش حسب ضرورت، کیوڑہ کا ایسنس، ایک قطرہ۔

دودھ میں سویاں ڈال کر اسے دھیمی آنچ پر آدھا گھنٹہ پکائیں اس دوران چمچ برابر ہلاتی جائیں، اس میں چھ عدد چھوٹی الائچیاں بھی شامل کر دیں اب ایک پیالی میں تھوڑا سا

دودھ لے کراس میں برفی کواچھی طرح چمچ کی مدد سے مکس کرلیں اوراسے سویوں میں شامل کرلیں ساتھ میں چمچ ہلاتی جائیں تاکہ گٹھلیاں نہ بننے پائیں پھر سویوں میں چینی ڈال کرکچھ دیر پکنے کے بعد دیگچی چولہے سے اتارلیں اوراس میں کش کیا ہوا ناریل اور بادام، پستہ شامل کردیں اور کیوڑہ ڈال کر سویاں چمچ کی مدد سے ہلالیں۔

اب ایک فرائی پین میں گھی گرم کرکے اس میں دو چھوٹی الائچیاں ڈال کرسنہری کرلیں اورسویوں کوبگھار دیں، ٹھنڈی ہونے پر ڈش میں نکال کرفریزر میں کچھ دیر کے لئے رکھ دیں اور پھر ٹھنڈی ٹھنڈی سویاں نوش فرمائیں۔

۴۔ اگر اپنی مرضی سے عید منانے کا اختیار دیا جائے تو ہم ڈھیروں ڈھیر کپڑے وتحائف خرید کر سیلاب زدہ علاقوں میں روانہ ہو جائیں گے، سیلاب زدگان جو کھلے آسمان تلے بے سروسامانی کی حالت میں آنکھوں میں حسرت لئے عید کی خوشیوں کو اپنے اردگرد موجود سیلابی پانی میں ڈوبتا دیکھ رہے ہیں، ان سب میں عید کی خوشیاں بانٹ کر اوران کی عید کوخوشگوار بنا کر ہمیں بھی عید کی سچی مسرت حاصل ہوگی۔

۵۔

نظر کا چین تو دل کا سرور ہوتے ہیں
جہاں میں لوگ کچھ ایسے ضرور ہوتے ہیں
سدا چمکتا رہے ان کی عید کا تہوار
قریب رہ کر بھی جو ہم سے دور ہوتے ہیں

۶۔ جناب ہمیں ایسا کوئی شوق لاحق نہیں ہے اللہ معاف کردے ہاہا۔

جمیلہ فاطمہ بٹ.............خانیوال

میں آپ کے سوالوں کے جواب دینا چاہوں گی۔

۱۔ چاندرات کوتو آپی گھر پہ ہی ہوتے ہیں اور اپنی بڑی بہن تظیفہ سے مہندی لگوائی ہوں اور عید پہ ساری بہنیں آ جاتی ہیں تو فل انجوائے کرتے ہیں اورعید کے دوسرے دن ہم پارک جاتے ہیں، ہمیشہ کی طرح اس سال بھی عید ایسے ہی منائیں گے آمین۔

۲۔ آپی میں تو ابھی سٹوڈنٹ ہوں اور فی الحال تو ہرعید مجھے ہی خوشی سے سرشار کردیتی ہے۔

۳۔ آپی میں جھوٹ نہیں بولوں گی میں گھر میں سب سے چھوٹی ہوں اور میں نے کبھی کوئی ڈش نہیں بنائی انشااللہ جلد ہی کوکنگ سیکھ لوں گی۔

۴۔ خوب سیر کرکے عید مناؤں گی میں اگر مجھے اختیار دے دیا جائے تو۔

۵۔ آپی آپ ہی کی نظر کروں گی یہ شعر۔

اس عید پر بھی نہ مل سکے اے دوست تو پھر کیا
دل میں خلوص ہو تو عیدیں ہزار ہیں

۶۔ ویسے تو کسی سیاسی شخصیت کے ساتھ عید منانا پسند نہیں کروں گی لیکن پھر بھی کچھ[illegible] بہت عمران خان کے ساتھ۔

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

آپ کے خطوط کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں آپ سب کے لئے ہماری بہت سی محبتیں اور دعائیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہمارے اس پیارے وطن کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔

رحمتوں اور برکتوں کی بارش لئے رمضان المبارک کا دوسرا عشرہ چل رہا ہے، اس ماہ مقدس میں دنیا بھر میں ایک ارب سے زائد مسلمانوں کے معمولات زندگی کوتبدیل کرکے انہیں اخوت کی بے مثال ڈور سے باندھ دیا ہے، روزے جیسی اہم عبادت کا مقصد صرف کھانا پینا ہی چھوڑ دینا نہیں، یہ درحقیقت انسان کی اعلیٰ ارفع صلاحیتوں کو بیدار کرکے اس کی شخصیت کوتعمیر کرنے کا ذرفعہ ہے تاکہ ہم بہترین انسان بن سکیں۔

رمضان المبارک کے عید کا تہوار ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، یہ پوری دنیا کے مسلمانوں کا احتجاعی خوشیوں کا دن ہے ہمارے ارگرد بہت سے ایسے لوگ ہوں گے جواس تہوار کومنانے کی استطاعت نہیں رکھتے، ممکن ہے ہماری تھوڑی سی مدد ان کے لئے خوشی بن جائے اور یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ عید کی خوشی تب ہی مکمل ہوگی جب ہمارے آس پاس بسنے والا ہر دل مسرور ہو۔

آپ سب کو ہماری طرف سے پیشگی ٹھنڈی میٹھی عید مبارک۔

اس دعا کے ساتھ وطن عزیز کے ہر گوشے میں امن ہو عافیت ہو اور ہر گھر کے آنگن میں عید کا دن خوشبو کا سورج لئے طلوع ہو آمین، اپنی دعاؤں میں یاد رکھیئے گا، بلکہ جب بھی دعا کریں پوری امت مسلمہ کے لئے دعا کریں ہوسکتا کسی کی خوشیاں آپ کی دعاؤں کی منتظر ہوں، خوش رہیں اور خوشیاں بانٹیں اسی میں ہماری بہتری ہے۔

آیئے اب آپ کے خطوط کی طرف چلتے ہیں یہ پہلا خط ہمیں سرگودھا سے رطابہ امین کا موصول ہوا ہے وہ لکھتی ہیں۔

جولائی کے شمارے تاخیر سے آنے کے اپنے اگلے پچھلے ریکارڈ توڑتا پندرہ جولائی کو موصول ہوا ٹائٹل پر نظر پڑتے ہی ساری کوفت دور ہوگی، موسم گرما میں ٹھنڈک کا احساس دلاتا ٹائٹل بے حد پسند آیا، ”کچھ باتیں ہماریایں ہیں“ سردار صاحب کی بات سنی اور ان اتفاق رائے کرتے ہوئے اسلامیات کے حصے میں پہنچے حمد و نعت اور پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتوں سے فیض یاب ہوئے، فوزیہ آپی نے ہمیشہ کی طرح ماہ رمضان کی عبادات و فضائل بتاتی نظر آئیں جزاک اللہ، اللہ تعالیٰ آپ کواس کاوش پراجر عظیم عطا کرے آمین، آگے بڑھے تو خوبصورت لب و لہجے میں عقیدت کے پھول بکھیرنے، مرغوب احمد ہمدانی سے ملاقات کی، اس کے بعد دو ماہ کے انتظار کے بعد ”ستم گزیدہ“ نظر آیا تو فوراً اس کو پڑھنا شروع کیا، سدرہ سحر آپ نے کشمیر کے موضوع پر ایک اچھی تحریر لکھی اگرچہ اینڈ میں آپ کچھ کنفیوژن کا شکار نظر آئیں لیکن اس کے علاوہ

اس تحریر کا اینڈ کوئی اور ہو بھی نہیں سکتا تھا دعا گو میں اللہ مقبوضہ کشمیر کے باسیوں پر اپنی خاص رحمت کرے آمین، فوزیہ غزل کے ناول ''وہ ستارہ صبح امید کا'' کی بات ہو جائے، ویلڈن فوزیہ آپ کی اس ماہ کی قسط انتہائی شاندار تھی ہر کردار اپنی جگہ بہترین ہے کسی ایک کی تعریف ممکن نہیں بے چینی سے اگلی قسط کا انتظار ہے اور یہ ام مریم جی آپ کہاں ہے ذرا سامنے تو آئیں، واہ بہت خوب بے حد جاندار تحریر آپ کی قابل تعریف کردار جہان کا اور قابل فخر پرنیاں کا جہاں جہان آپ کی تحریر کو چار چاند لگا رہے ہیں وہاں پر ہمیں زینب کی خود غرضی پہ غصہ آتا ہے، بہر حال ایسے لوگوں کے مقدر میں سوائے پچھتاؤں کے کچھ نہیں ہوتا، آپ سے گزارش ہے کہ آپ نے زینب کو عقل ضرور دینی ہے، چاہے وہ اسے لگنے والی ٹھوکر کی صورت میں کیوں نہ ہو معذرت کے ساتھ۔

سندس جبیں کا ناولٹ پڑھ کر تو یقین ہی نہیں آتا کہ یہ وہی سندس جبیں ہے جس نے اس کار جنون جیسی تحریر کو تخلیق کیا تھا۔

سندس جبیں کا ناولٹ بڑھ کر تو یقین ہی نہیں۔

افسانوں میں فرح طاہر قریشی، ثمینہ شفقت اور عنبرین کی تحریریں پسند آئیں جبکہ تحسین اختر اور ساجدہ تاج کوئی خاص تاثر نہ چھوڑ سکیں، مستقل سلسلوں میں ستاروں کے آئینے میں بے حد معلوماتی سلسلے ہیں جس میں ہمیں اپنے ستاروں کے خصوصیت کے بارے میں جاننے میں مدد ملتی ہے، اس بار ماہ رمضان کے حوالے دستر خوان بہترین تھا، جبکہ حاصل مطالعہ اور رنگ حنا کی تحریریں بھی بے حد پسند آئی بیاض اور میری ڈائری سبھی ساتھیوں کا انتخاب بہت اچھا تھا، خبر نامہ میں عبداللہ بھائی سے کہیں کہ پلیز ہاتھ ہلکا رکھا کریں، اداکاروں کی کھینچائی کرتے وقت حنا کی محفل میں عین غین ہمیشہ کی طرح تازہ دم نظر آئے، جبکہ کس قیامت کے یہ نامے میں فوزیہ آپی آپ کا انداز بہت خوب ہے جتنے پولائٹ اور محبتوں سے گندھے انداز لے کر آپ جواب دیتی ہیں وہ آپ کا ہی خاصہ ہے آپ کے لئے میری بہت ڈھیر ساری دعائیں۔

آخر میں تمام پڑھنے والوں کو عید مبارک۔

رطابہ امین کیسی ہو؟ اس محفل میں شرکت کرنے پر خوش آمدید جولائی کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی تعریف و تنقید ان سطور کے ذریعے مصنفین تک پہنچ گئی، آپ اپنا قیمتی وقت نکال کر اپنی رائے لکھتے ہیں ہم آپ سب کے خلوص کا قرض کبھی نہیں چکا سکتے، بس آپ لوگوں کی چاہتوں کا جواب محبت سے دینے کی کوشش کرتے ہیں، ہم آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

مبین افضل: سے لکھتی ہیں۔

میں نے سوچا جب آپ ہر بار سب کو اسلام علیکم بولتی ہیں تو اس بار جواب بذریعہ قلم دیا جائے۔

اب ہمارا بھی سلام قبول کیجئے، جس طرح آپ نے بولا ہر کوئی اپنی زندگی سے ناخوش نظر آتا ہے میں بھی تھی پھر بہترین ساتھی ملے، کتابوں سے واسطہ پڑا تو ہم بھی خوش خوش رہنے لگے، ارگرد کے حالات کو جاننا تو قلم خود بخود چلنے لگا، میں نے ہر چیز کو کاغذ پر اتارنا شروع کر دیا۔

حنا سولہ کو ملا، ٹائٹل اچھا لگا، صرف اس چیز کے بارے میں لکھوں گی، جو آج پڑھی، سولہ کو ملا، سولہ کو پڑھا جتنا پڑھا گیا اور سولہ کو ہی لکھ رہی

ہوں۔

''سچ کی سولی'' اچھی کاوش ہے، فرح طاہر قریشی، بہت اچھے پہلو کو قلم کی زینت بنایا، ''ان بکس'' کس حد تک ٹھیک لگی، مگر بہت نہیں۔

''ساجدہ تاج'' ایک بہت اہم موضوع اٹھایا، بہت سی لکھاری آپیاں اس پہ لکھ چکی ہیں آپ کی سوچ بھی اچھی لگی ایک سبق آموز کہانی تھی۔

آخر میں اتنا ہی کہوں گی مجھے واقعی میں خود پہ ہنسی آ رہی ہے کہ کہاں میں اور کہاں حنا، پھر بھی میری حنا کے سٹاف اور اسپیشلی آپی فوزیہ سے التجا ہے اگر میں قدم بڑھا چکی ہوں تو میری مدد کیجئے پلیز۔

مبین افضل ادھر آیئے ہمارے قریب بیٹھیے، چندا آپ نے یہ کیسے سوچا کہ آپ کے لئے جگہ نہیں؟ بہت سی جگہ ہے آپ کے لئے دیکھئے تو سہی، جولائی کا شمارہ پسند آیا، یہ جان کر ہم خوش ہوئے حنا کو ترتیب دیتے وقت ہم اس بات کو مدنظر رکھتے ہیں کہ حنا کی تحریر قارئین کے ذوق پر پورے اتریں آپ کی تعریف اور تنقید ہمیں بتاتی ہے کہ ہم کتنے کامیاب رہے، مبین ہم آئندہ بھی آپ کی محبت اور رائے کے منتظر رہیں گے تو بس آپ قلم اور کاغذ اٹھاؤ اور جلدی سے بتاؤ حنا کا عید نمبر آپ کو کیسا لگا ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

کرن وفا: کراچی سے لکھتی ہیں۔

پہلی مرتبہ اس محفل میں شرکت کر رہی ہوں اور وجہ ہے اس رسالے کا خوبصورت و معیاری ہونا جس کے لئے تمام ٹیم کو میرا سلام جن کی کاوش سے ہمیں اتنا خوبصورت رسالہ پڑھنے کو ملتا ہے، جولائی کا حنا اس دفعہ لیٹ ملا، سرورق دیکھ کر دل خوش ہو گیا، سردار انکل کی ''کچھ باتیں ہماریاں'' پڑھی جو کہ تلخ مگر سچ تھی، حمد و نعت سے فیضیاب ہوئے، رمضان کی عبادات و فضائل پڑھ کر کافی مفید معلومات ملی جزاک اللہ انشا نامہ میں ابن انشاء کی غزل خوب لگی، واہ نعت خواں مرغوب احمد ہمدانی سے ملاقات کافی اچھی رہی سب سے پہلے افسانوں میں فرح طاہر کا ''شیشے سے اعتبار'' افسانے کا موضوع خوبصورت لگا، واقعی کرنے والے کر جاتے ہیں سزا دوسروں کو ملتی ہے، یہ ہمارا المیہ ہے کہ ہم اچھی چیزوں کو مس یوز کرتے ہیں پھر جہانگیر جیسے باپ نہ اپنی اولاد پر نہ اپنی تربیت پر بھروسہ کر پاتے ہیں نہ اعتبار اس میں قصور وار کون ہو، فرح طاہر اللہ کریں زور قلم اور زیادہ امید ہے حنا میں مزید اپنے افسانوں کے رنگ بکھیرتی رہیں، ویلڈن ''مداوا'' مختصر لیکن جامع افسانہ تھا ثمینہ شفقت کا، ثمینہ آپ کا تحریر انداز خوبصورت ہے ''ان بکس'' تحسین اختر کا کوئی خاص تاثر قائم نہ کر سکی ''ایک تو نہ ملا'' عنبرین ندیم اور ساجدہ تاج کی ''حقیقتوں کی تلخی'' کافی اچھی تحریریں لگی۔

''سچ کی سولی'' سندس جبیں کچھ زیادہ ہی افسانوی سا لگا، مکمل ناول میں سدرہ سحر عمران کا ''ستم گزیدہ'' پڑھ کر مزا آیا، گڈ سدرہ جی، سلسلے وار ناول اچھی زیر مطالعہ ہیں، اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کی بات کیا کریں لاجواب ہیں، حاصل مطالعہ میں تمام انتخاب ناکس لیتے، بیاض میری ڈائری سے رنگ حنا، حنا کی محفل سب بہترین رہے، کس قیامت کے یہ نامے میں رابعہ اور فرح کا تبصرہ اچھا لگا، لیکن آپی اس صفحات اتنے کم کیوں؟ اللہ حنا کو دن بہ دن کامیابی و عروج عطا کریں اور اس کا معیار بلند اور بلند کریں آمین۔

کرن وفا آپ کا نام بہت خوبصورت ہے

پہلی شرکت پر خوش آمدید جولائی کے شمارے پر آپ کا تبصرہ پسند آیا تحریروں کو پسند کرنے کا شکریہ اگست کے شمارے کے بارے میں آپ کی رائے جاننے کے لئے منتظر رہیں گے شکریہ۔

عشاء بھٹی: ڈیرہ غازی خان سے لکھتی ہیں۔

حنا اس مرتبہ بے حد لیٹ ملا، سرورق اچھا تھا، ویسے حنا کے سرورق پہلے کی نسبت اب بہتر ہو گئے ہیں۔

''کچھ باتیں ہماریاں'' میں انکل کی باتیں اچھی لگی، ماہنامہ حنا بہت معیاری اور سبق آموز رسالہ ہے، جس سے مجھے سیکھنے کا موقع ملا، حنا کی تمام رائٹر بہت اچھا لکھتی ہیں، خاص طور پر ام مریم فوزیہ غزل، مدیحہ تبسم، ثناء ظفر اور مبشرہ ناز میری فیورٹ رائٹر ہیں۔

فوزیہ آپی، میں نے سنا ہے کہ ماہنامہ حنا نو آموز رائٹر کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کرتا ہے، جس طرح آپ نے سیما انصار اور دیگر لڑکیوں کی حوصلہ افزائی کی، آپی مجھے بھی آپ کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی اسی طرح اشد ضرورت ہے، میں آپ کو ایک افسانہ بھجوا رہی ہوں، ''ابھی کچھ دیر باقی ہے'' کے عنوان سے پڑھ کر حنا کے توسط رائے دیں۔

عشاء بھٹی خوش آمدید، جولائی کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کا افسانہ متعلقہ شعبے کو بھیج دیا ہے قابل اشاعت ہوا تو ضرور شائع ہو گا، اپنی رائے سے آئندہ بھی آگاہ کرتی رہیے گا ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

ثوبیہ نور العین رائے: پیر علی سے لکھتی ہیں۔

سلامتی ہو سب مسلمانوں پر سب سے پہلے، حمد اور نعت پڑھی پیارے نبی کی پیاری باتیں اپنے دل ودماغ میں اتاریں۔

اوہو تھینکس کاشف گوریجہ میری پسندیدہ شخصیت سے انٹرویو کرنے کا اس کے بعد جلدی سے ام مریم کی تحریر تم آخری جزیرہ ہو تک پہنچی ام مریم کی تعریف کیا لکھوں ان کی تعریف مجھ سے تو نہیں ہو گی، مکمل ناول دونوں بہت اچھے تھے، افسانے بھی بہت اچھے تھے، ناولٹ بھی پسند آیا افسانے بھی سارے ہی اچھے تھے، ام رباب کا شعر پسند آیا، نمرہ سعید کا شعر بھی اچھا لگا، رنگ حنا میں دانیا سحر کا گدھے پسند آیا، نمرہ سعید کے نام کی تو مجھے جیسے تلاش ہوتی ہے، میری ڈائری سے وفا عبد الرحمان، نمرہ شیرازی کی ڈائری اچھی لگی، فلاح نصیر کے سوال حنا کی محفل میں اچھے لگے، پورا حنا ہی اچھا لگا ہر لفظ ہر تحریر ہر بات، واقع ہی حنا بے مثال دوست ہے، آپی میں افسانہ اور ناولٹ بھیج رہی ہوں اگر قابل اشاعت تو ضرور جگہ دیجئے گا اور کیا میں رائٹر بن سکتی ہوں میری رائٹنگ بھی اتنی اچھی نہیں، اُم مریم کو کہیں کہ پرنیاں اور معاذ کے بارے میں بتائیں اب اور صبر نہیں، کیا میں اپنے گاؤں کا تعارف بھیج سکتی ہوں۔

ثوبیہ نور العین آپ اس محفل میں فسٹ ٹائم آئی خوش آمدید حنا کو پسند کرنے کا شکریہ آپ اپنے گاؤں کا تعارف ضرور بھیجیں، ہم شائع کریں گے، آپ کی تحریر ابھی پڑھی نہیں، لیکن اس بات کا یقین رکھیں کہ قابل اشاعت ہوئی تو ضرور شائع ہو گی، اپنا خیال رکھیں گا اور اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

☆☆☆